بسم اللہ الرحمن الرحیم

زلزلے، زخم اور زندگی

سُوْرَةُ الزِّلْزَالِ مَدَنِيَّةٌ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

۞ اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا ۙ①	جب ہلا ڈالی جائے گی زمین اپنی پوری شدت سے ①
وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا ۙ②	اور نکال باہر کرے گی زمین اپنے سارے بوجھ ②
وَقَالَ الْاِنْسَانُ مَا لَهَا ۚ③	اور کہے گا انسان اُسے کیا ہو گیا؟ ③
يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا ۙ④	اس دن کہہ ڈالے گی زمین اپنے (اوپر بیتے ہوئے) حالات ④
بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا ؕ⑤	اس لیے کہ تیرے رب نے حکم بھیجا ہے اسے (ایسا کرنے کا) ⑤
يَوْمَئِذٍ يَّصْدُرُ النَّاسُ اَشْتَاتًا ۙ	اس دن پلٹیں گے لوگ گروہ در گروہ
لِّيُرَوْا اَعْمَالَهُمْ ؕ⑥	تاکہ دکھائے جائیں گے انہیں اعمال ان کے ⑥
فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ؕ⑦	سو جس نے کی ہوگی ذرّہ برابر نیکی دیکھ لے گا وہ اسے ⑦
وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۧ⑧	اور جس نے کی ہوگی ذرّہ برابر بدی دیکھ لے گا وہ اسے ⑧

زلزلے، زخم اور زندگی

پاکستان میں 1935ء سے 2015ء تک آنے والے
بڑے زلزلوں میں عزم و ایثار کی ولولہ خیز داستان

ڈاکٹر آصف محمود جاہ
ستارۂ امتیاز

علم و عرفان پبلشرز
الحمد مارکیٹ، 40- اُردو بازار، لاہور
فون: 042-37223584-3752332-37232336

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں

نام کتاب	.....	زلزلے، زخم اور زندگی
تحریر و ترتیب	.....	ڈاکٹر آصف محمود جاہ (ستارۂ امتیاز)
ناشر	.....	گل فراز احمد علم و عرفان پبلشرز
مطبع	.....	زاہدہ نوید پرنٹرز، لاہور
کمپوزنگ	.....	طاہر علی
نظر ثانی	.....	محمد احسن بٹ، محمد ہمایوں، انوار قمر
سن اشاعت	.....	فروری 2016ء
قیمت	.....	-/450 روپے

علم و عرفان پبلشرز

40۔ الحمد مارکیٹ، لاہور

فون: 37352332-37232336

..... ملنے کے پتے .....

ویلکم بک پورٹ
اُردو بازار، کراچی

اشرف بک ایجنسی
اقبال روڈ کمیٹی چوک، راولپنڈی

جہانگیر بکس
بوہڑ گیٹ، ملتان

کشمیر بک ڈپو
تلہ کنگ روڈ، چکوال

کسٹمز ہیلتھ کیئر سوسائٹی
449۔ جہانزیب بلاک، علامہ اقبال ٹاؤن، لاہور
042-37801243

خزینہ علم و ادب
الکریم مارکیٹ، اُردو بازار، لاہور

کتاب گھر
اقبال روڈ کمیٹی چوک، راولپنڈی

رشید نیوز ایجنسی
اخبار مارکیٹ، اُردو بازار، کراچی

شمع بک ایجنسی
بھوانہ بازار، فیصل آباد

A-1 کسٹم کالونی
ستلج بلاک، علامہ اقبال ٹاؤن، لاہور
0300-9417290

انتساب!

دردِ آشنا مخیّر حضرات

اور

بے لوث کارکنان کے نام

جنہوں نے زلزلہ زدگان کے دُکھ دور کرنے کے لیے

اپنا مال، جان اور وقت وقف کیا

فہرست

	مضامین	صفحہ نمبر
❁	تاثرات	17
❁	پیش لفظ	18
❁	دیباچہ	19
	پہلا حصہ (۱) 26 دسمبر 2015ء: کالام اور لاہور میں آنے والا زلزلہ	
❁	26 دسمبر 2015ء کا زلزلہ	25
❁	زلزلہ، پہاڑ اور چیخیں	25
❁	زلزلے کے فوراً بعد	26
❁	پہاڑ زمین کی میخیں ہیں	27
❁	برف پہ اذان اور نماز	27
❁	عبدالستار، زلزلہ اور دوائی	28
❁	امیر سید، کریم بخش اور تاریخی مسجد	29
❁	کالام میں علاج اور خدمت	30
❁	لائی کوٹ، غارِ حرا اور پتھر	30
❁	سفر کی دعا کی اہمیت	31
❁	اقبال، تخت بھائی اور چپلی کباب	32
❁	26 تاریخ اور زلزلے	32
❁	زلزلوں کے متواتر مزید جھٹکے	33
❁	مینگورہ کا پراسرار بابا	35
❁	عید میلاد النبیؐ اور علاج اور خدمت	35
❁	علی حسن، چکری اور سر پھرے لوگ	36

❁	حافظ حذیفہ، ٹھنڈا یخ پانی اور دریائے سوات	37
❁	شاموزئی میں علاج اور خدمت	38
❁	بیٹی، شادی اور موت	38
❁	گمکوٹ کی گلیاں اور وزیر اعظم نواز شریف	39
❁	زرخیلہ میں علاج اور خدمت	39
❁	بری کوٹ، دعوت شیراز اور پاکستان زندہ باد کے نعرے	40
❁	شانگلہ کے طالب علموں اور متاثرین کے لیے ریلیف	40
❁	بچوں میں خدمت خلق کا جذبہ	41
❁	دریائے سوات کے کنارے صبح کی سیر	41
❁	سوات کی حسین وادیاں اور دریائے سوات کا رنگ بدلتا پانی	42
❁	سہیل فدا، یوم قائداعظم اور سپنا	43
❁	حرا اور حرین	43
❁	کالام کی جنت نظیر وادیاں	44
❁	زکریا کاکا، لائی کوٹ اور رضائی	45
❁	چینی سیاح اور لائی کوٹ کے پتھر	45
❁	گھوڑے بیچ کر سونے والا سیاح	46
❁	دریاؤں کے جھولتے ہوئے پل	46
	پہلا حصہ (ب) 26 اکتوبر 2015ء: شانگلہ اور چترال کا زلزلہ	
❁	26 اکتوبر 2015ء کا زلزلہ	51
❁	زلزلہ زدگان کے لیے ریسکیو اور ریلیف	51
❁	لاہور سے سوات	53
❁	مینگورہ سے شانگلہ کی یخ بستہ فضاؤں تک	54
❁	کہروڑہ میں علاج اور خدمت	56
❁	ڈرائیور نے ایمان تازہ کر دیا	57
❁	اترائی اور چڑھائی کا پیدل سفر	58

❁	ملنگ جان کی کہانی	58
❁	ننھے فرشتوں کے لیے قالین	59
❁	اولینڈر کی اُونچی فضاؤں کے درمیان	60
❁	ظہراب خان کا پاور ہاؤس	61
❁	کوز کاناں میں میڈیکل کیمپ	61
❁	پیسے نہیں، کوٹ کہاں سے لوں	62
❁	کوز گھنشال یوسی پیر خانہ کی صبح	62
❁	اپنا بجلی گھر اور لکڑی کا جھولتا پل	63
❁	ملالہ یوسف زئی کے گاؤں میں	64
❁	کالام کا سلیم خان	65
❁	لاہور سوات ماڈل سکول بحرین کا دورہ	65
❁	کمال اے بابا	66
❁	زلزلہ زدگان کس حال میں ہیں؟	67
❁	وادی کیلاش کا چھلاوہ	68
❁	دھند ہی دھند میں سفر	69
❁	پٹھان چائے کے بغیر کلمہ بھی نہیں پڑھتا	70
❁	حافظ الپوریؒ اور چوہوں کی نقل مکانی	70
❁	ڈھیری میں علاج اور خدمت	71
❁	پانچ بھائی، دس بہنیں اور چکٹ	71
❁	کہروڑہ میں آشنائی اور خدمت	72
❁	اور ہنگامہ ہوگیا	73
❁	شانگلہ ریسٹ ہاؤس میں	73
❁	11 ہزار فٹ کی بلندی کا خطرناک سفر	74
❁	شانگلہ ریسٹ ہاؤس کے باہر کیمپ	75
❁	اللہ کی قدرت، ڈاکٹر قدرت نیازی	75
❁	پورن میں علاج اور خدمت	76

❁	جسے اللہ رکھے اُسے کون چکھے	76
❁	اور غیبی مدد آ گئی	78
❁	دیر اور باجوڑ کے زلزلہ زدگان کے لیے مزید ریلیف	80
	پہلا حصہ (ج) سیلاب، پتھر اور خوابوں کی وادیٔ کیلاش	
❁	خوابوں کی وادیٔ کیلاش کا سفر	85
❁	پاک فوج زندہ باد	85
❁	لواری ٹاپ اور لواری ٹنل	86
❁	آفت زدہ علاقوں میں علاج اور خدمت	87
❁	غم کی تصویر پریشان بابا کو تسلی	87
❁	وادی کیلاش کا مشکل سفر	88
❁	پل صراط کا سفر، گدھوں کے ساتھ	89
❁	پتھروں کی بارش	90
❁	اور زلزلہ بھی آ گیا	90
❁	چترال میں تباہی اور ریلیف	92
❁	برباد بستیوں میں خدمت	92
❁	پل صراط کا سفر	93
❁	پتھروں کی وادی بمبوریت	94
❁	بار بار آنے والے سیلاب ریلے اور پتھر	94
❁	چترال کی حسین وادیاں	96
❁	انور کی داستانِ غم	96
❁	خدمتِ انسانیت پر ستارۂ امتیاز	97
❁	مردان سے چترال بذریعہ لواری ٹاپ	99
❁	بروز ویلی میں علاج اور خدمت	100
❁	چترال کی خوبصورت وادیوں میں متاثرین کی خدمت	101
❁	گرم چشمہ کے ٹھنڈے پانیوں کے درمیان علاج اور خدمت	103

❁	رجی کی رس بھری ناشپاتیاں	103
❁	برلب سڑک دریا کے کنارے کیمپ	104
❁	گرم چشمہ میں ٹھنڈا یخ پانی اور زیتور میں میڈیکل کیمپ	105
❁	تھکن، سوتی آنکھیں اور رات کا خطرناک سفر	107
❁	وادیٔ کیلاش کا تاریخی اور یادگار سفر	109
❁	ترچ میر، پریاں اور خون کا گلاس	110
❁	ٹوٹے راستے، پل اور گدھے	111
❁	ہانپتے، کانپتے گرتے لڑکھڑاتے وادیٔ کیلاش کا سفر	111
❁	انبیاء کی سنت، گدھے کی سواری	112
❁	وادیٔ کیلاش میں علاج اور خدمت	113
❁	وادیٔ کافرستان میں اذان	114
❁	رنگین مگر برباد بستیوں کی داستان الم	115
❁	وادیٔ کیلاش میں مسجد کی تعمیر	115
❁	دو باش چیک پوسٹ، باشالینی	116
❁	زندگی کی پذیرائی	117
❁	لاہور، کیلاش ہیلتھ سنٹر	118
❁	متاثرین کے ساتھ عید اور چترال میں ''اپنا گھر ہاؤسنگ پراجیکٹ''	119
❁	وادیٔ کیلاش کی مسجد کے لیے غیبی مدد	122
	دوسرا حصہ آواران، بلوچستان اور پاکستان 24 ستمبر 2013ء: آواران کا زلزلہ	
❁	عافیہ کی گڑیا کو گھر مل گیا	125
❁	آواران، بلوچستان میں قیامتِ صُغریٰ اور ہماری ذمہ داری	128
❁	آواران، بلوچستان کے زلزلہ زدگان کس حال میں ہیں	132
❁	بستے بستے بستی ہیں بستیاں	136
❁	ماشکیل، بلوچستان کا زلزلہ اور کسٹمز ہیلتھ کیئر سوسائٹی، لاہور	139
❁	بلوچستان میں آنے والے بڑے زلزلے	142

❁	زلزلہ آواران، بلوچستان اور پاکستان	144
❁	کراچی سے آواران	144
❁	بیلہ اور لسبیلہ کے پہاڑ	145
❁	کچے راستے، مٹی کے گھروندے	146
❁	ریلیف کیمپ اور زلزلہ کی کہانی	146
❁	بچوں کے لیے تحائف اور مروت صاحب کا ڈنڈا	148
❁	راستہ کٹ نہیں رہا	148
❁	آواران اور مالار	149
❁	مکہ اور مدینہ کی اذان	150
❁	مشورہ سنّتِ نبویؐ	150
❁	جان محمدؐ بازار میں کیمپ	151
❁	جان محمد بازار میں کسٹمز ہیلتھ کیئر سوسائٹی کی خیمہ بستی	152
❁	بلوچستان میں قربانی	153
❁	بینگل بازار میں کیمپ	154
❁	بلوچوں کی مہمان نوازی اور تحائف	154
❁	فیض محمد بازار میں کیمپ	156
❁	گرمی اور بارش	158
❁	ڈنڈار اور تربت کے لیے دوائیں	158
❁	لال بخش بازار میں میڈیکل کیمپ	159
❁	بابا میری گڑیا کو بچالو!	160
❁	واپسی کا سفر	160
❁	شیریں فرہاد کا مزار	161
❁	کراچی سے لاہور	162
❁	بنوں سے آواران	163
❁	جہاں زیب بلاک، علامہ اقبال ٹاؤن سے اباسین ہوٹل کراچی	164
❁	کراچی میں قیام اور انتظار	164

❁	ہم نے آواران کی راہ لی	165
❁	اور سامان نہ ملا	166
❁	ماشکیل والوں کی خدمت اور علاج	166
❁	آواران سے مالار	166
❁	اللہ کے گھر کی تعمیر کا آغاز اور غیبی مدد	168
❁	تعمیرِ مسجد میں مقامی بلوچوں کا کردار	169
❁	اللہ کا گھر، تعمیر میں سب شامل ہیں	170
❁	مالار کا پیر	171
❁	مستری بشیر کی پھرتیاں	171
❁	بینگل بازار کی مسجد کی تعمیر	172
❁	رضائیوں کی تقسیم	172
❁	رضائیاں اور کاوش ویلفیئر ٹرسٹ	172
❁	بچے اور مالار کا پیر	173
❁	اللہ کے ایک اور گھر کی تعمیر	173
❁	مسجد کی تعمیر میں پیش رفت	174
❁	مسجد، کرکیڈل اور مالار کے زندہ دل لوگ	174
❁	گشکور میں علاج اور خدمت	175
❁	مالار میں ہماری ڈسپنسری	176
❁	زلزلہ زدگان سے محبت	176
❁	مسجد کی جاری تعمیر	177
❁	زلزلہ زدگان کی مزید خدمت	177
❁	ہے جذبۂ تعمیر زندہ	178
❁	شفقت غائب ہے، اللہ خیر کرے	178
❁	شفقت خیر سے ہے	179
❁	مسجد مکمل ہو رہی ہے	179
❁	شفقت ماشکیل سے واپس نہیں آیا	180

❁	بلاکوں کی تیاری	181
❁	دعاؤں سے مدد	182
❁	زندگی اِک خواب ہے	182
❁	ڈنڈور میں خدمت	183
❁	موسم کی جولانیاں	183
❁	آواران میں ''اللہ، کعبہ اور بندہ''	184
❁	دعاؤں سے اللہ کی مدد	184
❁	گھروں کی تعمیر کا آغاز	185
❁	سنگر اور حضرت بلال حبشیؓ	185
❁	بلوچیوں کی مہمان نوازی	186
❁	بلاکوں کی مزید تیاری	187
❁	رضائیوں کی مزید تقسیم	187
❁	کام میں مشکلات	188
❁	آواران سے کراچی واپسی	189
❁	بلوچستان کا زلزلہ اور غیر سرکاری اسلامی تنظیمیں	190
	تیسرا حصہ زلزلہ، زیارت اور زندگی 29 اکتوبر 2008ء: زیارت میں زلزلہ	
❁	زیارت (بلوچستان) میں زلزلہ..... قیامت کی ایک اور گھڑی	195
❁	مچھ، خِچّر اور تارا چند	198
❁	زیارت کی زیارت اور وام میں خیمہ مسجد	199
❁	زلزلہ کی گڑگڑاہٹ میں نمازِ عشاء	201
❁	ٹائر، سیب اور صنوبر	202
❁	قائدِاعظم ریزیڈینسی کی زیارت	204
❁	چینا کی گرم میٹھی روٹیاں	206
❁	کان بنگلہ کے ڈاکٹر منظور کاکڑ	207
❁	زلزلہ زدگان کے لیے مزید امداد	208

❁	بلوچوں کی مہمان نوازی	209
❁	بلوچستان کے زلزلہ زدگان کس حال میں ہیں؟	210
❁	''سوئی ہوئی حسینہ'' اور کالا چینا	212
❁	ٹول زان درد کئی	213
❁	ورچوم میں ''لاندی'' کی دعوت	214
❁	سردی سے بے نیاز بچے بچیاں	214
❁	صاحبِ خیر بابا خرواریؒ کے مزار پر علاج اور خدمت	215
❁	''چینا اور منا میں سڑک کے کنارے طبی و فلاحی کیمپ''	217
❁	چالیس دن کا قیدی	218
❁	عیدِ قربان، بلوچستان کے زلزلہ زدگان کے ساتھ	219
❁	برف باری، شیلٹرز اور سوٹ	221
❁	اللہ، نانا صاحبؒ اور زیارت	224
	چوتھا حصہ زلزلہ، زخم اور زندگی.....8 اکتوبر 2005ء: آزاد کشمیر اور بالاکوٹ میں زلزلہ	
❁	.....اور قیامت آ گئی	235
❁	بھوگڑ منگ میں علاج اور خدمت	235
❁	لاشیں، کفن اور آنسو	236
❁	ایثار اور قربانی کے ایمان افروز مناظر	237
❁	زلزلے کے جھٹکوں میں علاج اور خدمت	238
❁	بفہ اور بٹ گرام میں میڈیکل اور ریلیف کیمپ	238
❁	اللہ کے لیے ایک خیمہ دے دیں!	239
❁	اور اللہ نے بچا لیا!	240
❁	مظفر آباد اور بالاکوٹ کی سسکیوں بھری وادیاں	242
❁	زلزلے کے مزید جھٹکے	242
❁	وہ بابا نہیں فرشتہ تھا	243
❁	وحشت زدہ نیلم سٹیڈیم	244

❁	برباد شہر، بالا کوٹ	244
❁	اے اللہ! ہم تیری رضا پہ راضی ہیں	244
❁	برباد بستیوں کی داستانِ الم	245
❁	سُم الٰہی منگ میں علاج اور خدمت	246
❁	کالا ڈھاکہ کی بلند فضاؤں اور یخ بستہ ہواؤں میں علاج اور خدمت	247
❁	پر خطر دشوار گزار وادیوں میں پیدل سفر	249
❁	کلاشنکوف برداروں نے گھیر لیا	250
❁	کالا ڈھاکہ کی بنجر، سنگلاخ اور پتھریلی وادیاں	251
❁	اپنا بجلی گھر	251
❁	واپسی کا مشکل اور دلچسپ سفر	252
❁	زلزلے نے میری زندگی بدل ڈالی!	253
	پانچواں حصہ 30 مئی 1935ء: کوئٹہ کا قیامت خیز زلزلہ	
❁	30 مئی 1935ء کوئٹہ کے قیامت خیز زلزلہ کا آنکھوں دیکھا حال	263
❁	زخمی، کراہتے مرد اور عورتیں	264
❁	زلزلے کے مستقل جھٹکے	264
❁	صاحب کے قیمے والے پراٹھے کام آ گئے	265
❁	خدمت اور ایثار کے مناظر	266
❁	انگریز کا سگار اور میو ہسپتال	267
❁	خدا ترس انگریز نرسیں	268
❁	ہسپتال میں مریضوں کے لیے پٹیاں بنانا	270
❁	وائسرائے ہند سے ملاقات	271
❁	وائسرائے ہند سے گفتگو	272
❁	وائسرائے ہند کے آنسو	273
❁	انگریزوں میں پذیرائی	273
❁	عظیم انسان سر گنگا رام کی نواسی سے علمی گفتگو: زلزلے کیوں آتے ہیں؟	274

❁	خدا ڈھیل دے کر آزماتا ہے	275
❁	میو ہسپتال سے گھر واپسی	276
❁	کوئٹہ واپسی اور کام کا آغاز	277
	چھٹا حصہ زلزلے کیوں آتے ہیں؟	
❁	زلزلے کیوں آتے ہیں؟	281
❁	زمین کے شگاف، پہاڑ اور زلزلے	285
❁	زمین کی محوری گردش اور زندگی	287
❁	دنیا اور پاکستان میں آنے والے بڑے زلزلے	288
❁	ارضی وسماوی آفات	298
❁	زلزلے کی پیش گوئی	300
❁	زلزلہ کے دوران حفاظتی اقدامات	304
❁	زلزلہ زدہ علاقوں میں پھوٹنے/ پھیلنے/ پیدا ہونے والی بیماریاں اور ان سے بچاؤ	308

تاثرات

کہتے ہیں کہ پوری انسانیت سے محبت کرنا بہت آسان ہے لیکن اپنے ہمسائے کے دُکھ سکھ میں شریک ہونا بہت مشکل ہے۔ ہم جیسے لوگ جو لفظوں کے سوداگر ہوتے ہیں ہمارے لیے بھی اپنی تحریروں میں اپنے وطن سے محبت کرنا بہت آسان ہوتا ہے اور ہم ساری زندگی یہی کچھ کرتے چلے جاتے ہیں لیکن اگر ہمیں یہ کہا جائے کہ آپ اپنے گھر کی چوکھٹ پار کر کے اس وطن میں جو لوگ ابتلا اور آزمائش میں ہیں، قدرتی آفات نے اُنہیں بے گھر اور برباد کر دیا ہے اُن کے پاس پہنچ کر صعوبت آمیز سفروں کے بعد اُن کے دُکھ درد میں شریک ہوں۔ اُن کے زخموں کا مداوا کریں تو یہ ہمارے لیے مشکل ہی نہیں ناممکن ہوگا۔ ڈاکٹر آصف محمود جاہ ایسے لوگ ہمیں شرمندگی سے بچا لیتے ہیں۔ وہ ہر آفت کے دوران نہ صرف اپنا گھر بار بلکہ کسی حد تک ملازمت کو بھی پسِ پشت ڈال کر آفت زدہ علاقوں میں جا پہنچتے ہیں جہاں انسانیت اُن کو پکارتی ہے۔ اُن کی امداد اور ہمدردی کی منتظر ہوتی ہے۔ یہ دنیا کتنی بے رحم لگے اگر اس میں ڈاکٹر صاحب جیسے لوگوں کا وجود نہ ہو۔ ایسے لوگ ہی دنیا میں برکت اور خوبصورتی کا باعث ہیں۔

مستنصر حسین تارڑ

پیش لفظ

ہمارے درمیان کیسے کیسے عجیب لوگ موجود ہیں لیکن ہم ان سے بے خبر رہتے ہیں۔ ان دنوں ایسے لوگوں کو عجیب ہی سمجھا جاتا ہے جو دن رات نوٹ کمانے کی مشین بنے رہنے کی بجائے انسانیت سے لبریز دھڑکتے ہوئے دل کی پکار سنتے رہتے ہیں۔ ان میں ایک ڈاکٹر آصف محمود جاہ بھی ہیں جو ایک طویل عرصے سے انسانیت کی خدمت میں مشغول ہیں۔ ڈاکٹر آصف محمود جاہ میڈیکل ڈاکٹر ہیں اور ایک ''منفعت بخش'' سرکاری عہدے پر فائز ہیں لیکن یہ عہدہ ان افراد کے لیے منفعت بخش ہوتا ہے جنہیں آخرت کے منافع کی پرواہ نہ ہو جبکہ ڈاکٹر آصف محمود جاہ آخرت کے منافع ہی کو سب کچھ سمجھنے والوں میں سے ہیں۔ 2005ء سے 2015ء تک آنے والے تمام زلزلوں کے دوران ڈاکٹر صاحب ہر بار اور حال میں 26 اکتوبر 2015ء کے زلزلہ میں شانگلہ اور چترال میں ہونے والی زلزلہ کی تباہ کاریوں کا مداوا کرنے کے لیے اپنی ٹیم کے ساتھ زلزلہ زدہ علاقوں میں کئی دفعہ گئے جس کی روئداد انہوں نے بہت خوبصورت انداز میں تحریر کی ہے۔ میں ڈاکٹر آصف محمود جاہ صاحب کو صرف ایک ڈاکٹر، ایک بیوروکریٹ اور ایک سوشل ورکر کے طور پر ہی جانتا تھا لیکن یہ روئداد پڑھ کر اندازہ ہوا کہ اس کثیر الجہات شخصیت میں ایک ادیب بھی چھپا ہوا ہے، ایک ایسا ادیب جس کی نثر اس کی اپنی شخصیت کی طرح سادہ اور پُرکشش ہے۔ ڈاکٹر آصف جاہ کی یہ تحریر پڑھتے ہوئے جہاں بے یارومددگار زلزلہ زدگان کی بے چارگیوں کی تصویر سامنے آتی ہے وہاں ایک تاثر یہ بھی اُبھرتا ہے کہ سب سے بڑی ''تبلیغ'' لوگوں کی بے لوث خدمت ہے۔ ان علاقوں میں پاکستان سے محبت کی تبلیغ کرنے والے بھی بہت سے ہوں گے۔ مذہب کی طرف راغب کرنے والی جماعتیں بھی ہوں گی لیکن جو ''تبلیغ'' ڈاکٹر آصف محمود جاہ اور ان کی ٹیم نے زلزلہ زدگان کی بے لوث خدمت کی صورت میں کی ہے، اس کا اثر ان کے ذہنوں پہ بہت دیر تک قائم رہے گا..... میں ڈاکٹر صاحب کو اس عظیم کام اور اس خوبصورت تحریر پر دلی مبارک باد پیش کرتا ہوں۔

عطاء الحق قاسمی

باسمہٖ تعالیٰ

دیباچہ

اللہ تعالیٰ کا خاص کرم ہے کہ 8 اکتوبر 2005ء کے قیامت خیز زلزلے سے لے کر آج تک ملک کے دور دراز حصوں میں آنے والی ہر آفت کے فوراً بعد آفت زدوں کی مدد کے لیے اپنی ٹیم کے ساتھ پہنچے۔ مصیبت زدوں کے زخموں پر مرہم رکھا۔ ان کی دادرسی کی۔ ریسکیو، ریلیف اور بعد ازاں ان کی بحالی کے عمل میں شریک ہوئے۔ 8 اکتوبر 2005ء کے زلزلہ کے دو دن بعد ہم نے مانسہرہ، بالاکوٹ، مظفر آباد جا کر زلزلہ زدگان کی بھرپور مدد اور پھر 2008ء تک متعدد بار متاثرہ علاقوں میں جا کر زلزلہ زدگان کی خدمت اور علاج کا سلسلہ جاری رہا۔ 28 اکتوبر 2008ء کو زیارت میں زلزلے کے فوراً بعد کسٹمز ہیلتھ کیئر سوسائٹی کی پوری ٹیم کے ساتھ سینکڑوں میل کا سفر کر کے زیارت پہنچے اور وہاں جا کر زیارت کے زلزلہ زدگان کی اشک شوئی کی۔ ان کو ہر طرح کا ریلیف کا سامان پہنچانے اور میڈیکل کیمپ لگانے کے ساتھ ساتھ بعد ازاں ان کے لیے خوبصورت شیلٹر ہوم تیار کروائے۔ اکتوبر 2013ء میں آواران بلوچستان میں زلزلہ آیا۔ راستہ دشوار گذار، لمبا اور خطرناک تھا۔ سکیورٹی خدشات بھی تھے لیکن اللہ کی مہربانی اور ساتھیوں کے تعاون سے اپنی ٹیم کے جانثار ساتھیوں کے ساتھ آواران پہنچے۔ آواران کے زلزلہ زدگان کو لاکھوں روپے مالیت کی ریلیف اشیاء پہنچائیں۔ کسٹمز ہیلتھ کیئر سوسائٹی کے ارکان شفقت رضوان اور ظہور خان آواران کے زلزلہ زدگان کے ساتھ ان کے خیموں میں 3 ماہ تک مقیم رہے۔ ان کے لیے خوبصورت پکے گھر بنوانے کے علاوہ دو بڑی مساجد بھی تعمیر کروائیں۔ 26 اکتوبر 2015ء کے زلزلہ زدگان کی خدمت پہلے دن سے جاری ہے۔ راقم کی قیادت میں کسٹمز ہیلتھ کیئر سوسائٹی کی ٹیمیں متعدد بار شانگلہ، سوات، بحرین، کالام، چترال، باجوڑ ایجنسی جا کر زلزلہ زدگان کی خدمت اور علاج کر چکی ہیں اور یہ عمل مسلسل جاری ہے۔ زلزلہ زدگان کو ابھی تک کروڑوں روپے مالیت کی ریلیف اشیاء پہنچائی گئی ہیں۔ چترال میں ہمارا نمائندہ اسرار احمد عرف زندگی پہلے دن سے زلزلہ زدگان کی خدمت میں مصروفِ عمل ہے۔ ریلیف اشیاء کی تقسیم کے ساتھ اب زلزلہ زدگان کے لیے گھر بنوانے کا سلسلہ بھی شروع ہو چکا ہے۔ 26 دسمبر 2015ء کو جب سوات اور لاہور میں 6.7 ریکٹر سکیل کا زلزلہ آیا تو بچوں اور ٹیم کے ساتھ کالام میں موجود تھے۔ صبح سویرے اُٹھ کر کالام کی سخت سردی اور برف باری کے دوران کالام کے مکینوں کے لیے میڈیکل کیمپ لگایا اور ریلیف اشیاء تقسیم

کیں۔ کالام والے حیران ہو رہے تھے کہ ابھی رات کو تو زلزلہ آیا ہے اور چند گھنٹوں میں لاہور سے ڈاکٹروں کی ٹیم ہماری اشک شوئی کے لیے کیسے پہنچ گئی۔ 30 مئی 1935ء کو کوئٹہ میں قیامت خیز زلزلہ آیا۔ اس زلزلہ کے بارے میں حاجی محمد اسمٰعیل کی آپ بیتی ہاتھ لگ گئی جس میں زلزلے کا آنکھوں دیکھا حال بیان کیا گیا ہے اور ساتھ ہی اس کے بعد ہونے والی امدادی کارروائیوں کا بھی تذکرہ ہے۔

زلزلے، زخم اور زندگی میں اوپر بیان کیے گئے تمام زلزلوں کے دوران خدمت اور ایثار کی لازوال داستانیں بیان کی گئی ہیں۔ ہر زلزلہ کے فوراً بعد یہ سوال ذہن میں آتا ہے۔ ''زلزلے کیوں آتے ہیں؟'' 1935ء میں یہی سوال سرگنگا رام کی نواسی نے حاجی محمد اسمٰعیل سے پوچھا تھا اور 2005ء سے لے کر 2015ء کے زلزلوں کے بعد اب تک اس سوال کی بازگشت بار بار سنائی دیتی ہے۔ کتاب کے آخری حصے میں ''زلزلے کیوں آتے ہیں؟'' میں اس سوال کے جواب کے ساتھ زلزلہ آنے کی سائنسی، تکنیکی اور معاشرتی وجوہات پر بحث کی گئی ہے۔ 2005ء کے زلزلہ کے دوران ہم اکیلے ہی چلے تھے جانب منزل لیکن بعد ازاں مخیّر حضرات کے ساتھ ساتھ فلاحی تنظیموں مثلاً کاوش ویلفیئر ٹرسٹ، اخوت، نئی اُمید فاؤنڈیشن، کارکنان ختم نبوت اور ہزاروں دوستوں اور مخیّر حضرات کا تعاون شامل حال ہو گیا اور یوں خدمت اور علاج کا کارواں بن گیا جس کا مستقل سفر جاری ہے۔ اس سے پہلے 2005ء اور 2008ء کے زلزلوں پر میری دو کتابیں ''زلزلہ، زخم اور زندگی'' اور ''زلزلہ، زیارت اور زندگی'' چھپ چکی ہیں لیکن اس کتاب ''زلزلے، زخم اور زندگی'' میں 1935ء سے لے کر 26 دسمبر 2015ء تک آنے والے زلزلوں کے دوران خدمت اور ایثار کی داستانوں کو یکجا کر دیا گیا ہے۔ کتاب چھ حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلے حصے میں 26 دسمبر 2015ء کے زلزلے کا تذکرہ ہے اور اس کے ساتھ 26 اکتوبر 2015ء کے زلزلہ کے فوراً بعد شانگلہ، چترال، باجوڑ ایجنسی، بری کوٹ اور کالام میں جا کر زلزلہ زدگان کے لیے ریلیف اشیاء کی فوری فراہمی، ان کے لیے میڈیکل اور ریلیف کیمپس لگانے اور اپنا گھر ہاؤسنگ پراجیکٹ کے تحت گھر بنوانے کی تفاصیل کا ذکر ہے اور اس دوران مخیّر حضرات کے جذبۂ ایثار اور ہمدردی کو بھی اُجاگر کیا گیا ہے۔ چونکہ وادیٔ چترال میں جولائی اور اگست کے مہینے میں سیلاب آیا۔ سیلابی ریلے کے ساتھ پہاڑوں سے آنے والے بڑے بڑے پتھروں نے آ کر تباہی مچائی۔ اللہ نے ہمیں چترال کے سیلاب زدگان کی خدمت کی توفیق دی۔ اس لیے اس حصے کے آخر میں چترال اور اس کی خوب صورت ترین وادی بمبوریت کیلاش میں کسٹمز ہیلتھ کیئر سوسائٹی کی خدمات کا تذکرہ بھی موجود ہے۔ دوسرے حصے میں آواران، بلوچستان میں آنے والے زلزلے اور اس دوران دور دراز کا سفر طے کر کے مشکل ترین حالات میں زلزلہ زدگان کی خدمت کی لازوال داستانیں ہیں جبکہ تیسرے حصے میں 2008ء میں آنے والے زلزلہ زیارت کا ذکر ہے۔ چوتھے حصے میں 8 اکتوبر 2005ء کے قیامت خیز زلزلے کے دوران کسٹمز ہیلتھ کیئر سوسائٹی کی خدمات بیان کی گئی ہیں۔ کتاب کا

پانچواں حصہ 30 مئی 1935ء کے زلزلہ کے بارے میں حاجی محمد اسمٰعیل صاحب مرحوم آپ بیتی پر مشتمل ہے جبکہ چھٹے حصے میں زلزلہ کی پیش گوئی، زلزلے آنے کی وجوہات، ارضی وسماوی آفات اور زلزلوں کے دوران حفاظتی تدابیر کے بارے میں بنیادی معلومات دی گئی ہیں۔

کسٹمز ہیلتھ کیئر سوسائٹی کے کارکنان بشمول محمد اشفاق، کامران سکندر، محمد اعظم، اسلم مروت، محمد عظیم، شفقت رضوان، قاری عبدالرحمٰن، عبدالرؤف، سیّد محبوب علی، ڈاکٹر نوید انور، غلام غوث بٹ، پرویز، ڈاکٹر اویس، ڈاکٹر شہروز، یمنیٰ، حذیفہ، ماہ نور، اسماء، ڈاکٹر قدرت اللہ نیازی، ڈاکٹر معین ارشد، سہیل خان، فہیم، سہیل فدا چترال سے اسرار احمد زندگی، محمد رفیق، توفیق، تازہ گل، منظور احمد مرحوم، محمد ارشد، محمد اقبال (ڈرائیوز) ان سفروں میں ہمارے ساتھ رہے اور اپنے آرام، نیند اور کھانے پینے کی پروا کیے بغیر بے لوث خدمات انجام دیتے رہے۔ ان سفروں میں محبت اور یگانگت کے لازوال مظاہرے دیکھے۔ غربت اور پس ماندگی سے پسے ہوئے اور زلزلے کی مصیبتوں سے نبرد آزما زلزلہ زدگان کی خدمت کے ساتھ ان کی مہمان نوازی کا لطف بھی اُٹھایا۔ ان شاء اللہ ارادہ ہے کہ خیبر پختونخواہ کے زلزلہ متاثرین کی مکمل بحالی تک ان کے ساتھ تعاون جاری وساری رہے گا اور جب بھی موقع ملا زلزلہ زدہ علاقوں میں جا کر ان کی خدمت اور علاج کیا جائے گا۔

کتاب میں شائع ہونے والے بیشتر مضامین روزنامہ نوائے وقت، جنگ، نئی بات، پاکستان، انصاف، جرأت، طاقت، اساس، ہفت روزہ ندائے ملت، قومی ڈائجسٹ، اردو ڈائجسٹ اور کلک میگزین میں شائع ہوتے رہے۔ اس کے لیے میں ان تمام اداروں کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ سب سے بڑھ کر ملک کے ممتاز دانش وروں، مصنفین اور کالم نگاروں بشمول محمد ریاض چودھری، ڈاکٹر انور سدید، اسرار بخاری، اسد اللہ غالب اور یا مقبول جان، منشا قاضی، انوار قمر، حسن نثار، مستنصر حسین تارڑ اور عطاء الحق قاسمی صاحب نے کتاب کے بارے میں اپنی آراء سے نوازا۔ میں دل کی اتھاہ گہرائیوں سے علم وادب کے ان درخشندہ ستاروں کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

اس کتاب کا بنیادی مقصد سرفروشی، خدا خوفی اور دردِ لازوال کے جذبہ سے سرشار ساتھیوں کی سعیٔ پیہم سے قارئین کرام کو روشناس کروانا اور خلقِ خدا کو بے کسوں، بے نواؤں، مجبور ولاچار اور بے یار ومددگار انسانوں کی خدمت اور تعاون کے لیے تیار اور بیدار کرنا ہے۔ زیرِ نظر کتاب کی تیاری میں مجھے سب سے زیادہ مدد میرے والد محترم اور استاد جناب بشیر احمد سابق ہیڈ ماسٹر سے ملی جنھوں نے ہزاروں اخبارات ورسائل کی ورق گردانی کر کے زلزلوں کے بارے میں ضروری مواد مہیا کیا۔ اس کے لیے میں ان کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں۔ مجھے اتنے مشفق، علم دوست استاد کا بیٹا ہونے پر فخر ہے۔ کتاب کی کمپوزنگ کے لیے میں طاہر علی اور اشاعت

کے لیے علم و عرفان کے گل فراز صاحب کا شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ جنہوں نے اپنے ادارے کے ذریعے اس کی اشاعت کا ذمہ لیا۔ میں اپنے علاج اور خدمت کے تمام ساتھیوں، ڈونر حضرات، اپنے بچوں یمنیٰ، حذیفہ، ماہ نور اور اہلیہ اسماء کا شکر گزار ہوں جن کے بھرپور تعاون کی وجہ سے مجھے خدمتِ خلق کی سعادت حاصل ہوئی اور ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ خدمت اور انسان دوستی کا یہ سلسلہ ہمیشہ جاری و ساری رہے اور اللہ تعالیٰ ہماری اس سعی کو قبول فرمائے۔ (آمین)

ڈاکٹر آصف محمود جاہ
ستارۂ امتیاز
کلکٹر کسٹمز (اپیلز)
کسٹم ہاؤس لاہور
فون: 042-37801594
موبائل: 0333-4242691
فیکس: 042-99214524
asifjahjah@yahoo.com
asifmahmoodjah@gmail.com
کسٹمز ہیلتھ کیئر سوسائٹی ہسپتال
449- جہاں زیب بلاک علامہ اقبال ٹاؤن، لاہور
042-37801243

پہلا حصہ

(۱)

26 دسمبر 2015ء:

کالام اور لاہور میں آنے والا زلزلہ

''رات 12 بج کر 20 منٹ ہوئے تھے۔ ہم سب ہوٹل کی دوسری منزل پہ گہری نیند سوئے ہوئے تھے کہ اچانک پہاڑوں سے زبردست گڑگڑاہٹ اور چیخوں کی آوازیں سنائی دیں جس کی وجہ سے سب اپنے اپنے بستروں سے اُچھل پڑے۔ شہروز کی چیخوں اور یا اللہ خیر کی آوازوں نے مزید دہشت پھیلا دی۔ اویس نے اپنے حواس قائم رکھے اور ہمت کر کے کنڈی کھولی۔ سب ایک دم سے باہر نکلے اور گولی کی تیزی سے نیچے کی طرف بھاگے۔ شہروز زور زور سے ''زلزلہ آ گیا ہے'' کی آوازیں لگائے جا رہا تھا اور یا اللہ خیر کا ورد کر رہا تھا۔ ہمیں سمجھ ہی نہ آ رہا تھا کہ کیا ہو گیا ہے؟ بڑی مشکل سے سیڑھیوں تک پہنچے اور نیچے اُترے۔ نیچے بھی ہر کسی کو اپنی جان کے لالے پڑے ہوئے تھے۔ مرد اور عورتیں اپنے اپنے کمروں سے نکل کر بھاگ رہے تھے۔ نفسانفسی کا عالم تھا۔ سب کے چہروں پہ دہشت تھی۔ اس وقت ذہن میں ایک ہی بات آ رہی تھی کہ اس زلزلہ میں اپنی جان بچ جائے۔ میں نے کلمہ طیبہ کا ورد کرنا چاہا۔ قرآن کی سورتیں پڑھنے کی کوشش کی لیکن منہ سے اللہ اکبر کے علاوہ کچھ نہ نکلا۔

نیچے یمنیٰ مما بابا کا دروازہ پیٹ رہی تھی اور زور زور سے بول رہی تھی۔ ''مما، بابا باہر آ جائیں'' مما، بابا باہر آئے تو یمنیٰ ہمارے ساتھ ہوٹل کے باہر بھاگی۔ ہوٹل کے باہر سب ننگے پاؤں کھڑے تھے۔ وحشت اور خوف سے کانپ رہے تھے۔ اگرچہ درجہ حرارت نقطۂ انجماد سے نیچے تھا۔ باہر چاروں طرف برف پڑی ہوئی تھی مگر اب لوگوں کو سردی نہیں لگ رہی تھی بلکہ وہ زلزلے اور موت کے خوف کی وجہ سے کانپ رہے تھے۔ 90 سیکنڈ تک زلزلے کے جھٹکے آتے رہے اور پہاڑوں سے زبردست گڑگڑاہٹ کی آوازیں دل ہلاتی رہیں۔ ہوٹل کے در و دیوار اور دروازے زور زور سے پینڈولم کی طرح چکر کاٹ رہے تھے۔ ایسے لگتا تھا ابھی گر جائیں گے۔ ہوٹل کی لابی میں لگا فانوس زور زور سے ہل رہا تھا، کھڑکیوں کے شیشے چیخ رہے تھے۔ 90 سیکنڈ تک زلزلے کے جھٹکے آتے رہے اور دل دہلاتے رہے۔ زمین نے سانس لیا تو ساری کائنات تھم گئی۔ زلزلے کے جھٹکے ختم ہوئے تو سب کمروں میں چلے گئے لیکن میں، اویس، نعمان، شہروز اور عبیر ہوٹل کی لابی میں بیٹھے رہے۔ کافی دیر سکوت طاری رہا۔ سب کو ایک چپ سی لگ گئی تھی۔ میں نے بولنے کی کوشش کی لیکن الفاظ منہ سے نہ نکلے۔ ذہن میں خیالات آ رہے تھے لیکن بولنے کی ہمت نہ پڑ رہی تھی۔ ذرا اوسان بحال ہوئے تو میں نے کہا کہ اس زلزلے سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ اصل میں یہ زندگی پانی کا بلبلہ ہے۔ انسان کی کوئی اوقات نہیں۔ اللہ چاہے تو منٹوں میں ہر چیز کو تہہ و بالا کر دے۔ انسان کو ہر حالت میں اللہ سے پناہ مانگنی چاہیے اور کبھی اپنے اوپر غرور نہ کرنا چاہیے۔'' (حافظ محمد حذیفہ بشیر، کالام)

26 دسمبر 2015ء کا زلزلہ

گھپ اندھیری رات ہے۔ باہر ہلکی ہلکی برف پڑ رہی ہے۔ دو کمبل اور رضائی لپیٹنے کے باوجود سردی کی وجہ سے نیند آنکھوں سے کوسوں دور ہے کیونکہ سردی ہڈیوں میں گھسی جا رہی ہے۔ گرین ہوٹل کے چاروں طرف برف ہی برف ہے۔ ایسے لگتا ہے کہ یہاں چار سو دودھیا برف کی سفید چادر تنی ہوئی ہے جس نے ہر شے کو برف کر دیا ہے۔ گرمی اور سردی اللہ کے بنائے ہوئے موسم ہیں۔ ان موسموں میں رہنے والوں کو اللہ نے موسمی اتار چڑھاؤ کو برداشت کرنے کی بھی ہمت بخشی ہے۔ 11 بجے بجلی بند ہوئی تو ہر طرف گھپ اندھیرا چھا گیا۔ سارے دن کے سفر اور تکان کے باوجود نیند آنکھوں سے کوسوں دور ہے۔ ساری دعائیں پڑھ لیں۔ درود شریف کا ورد شروع کیا۔ 11:45 پر بجلی آ گئی تو جان میں جان آئی۔ اسماء اور بچے سو رہے تھے۔ اوپر کمرے میں حذیفہ، نعمان، شہروز، عبیر اور اویس تھے۔ کچھ دیر پہلے ان کی آوازیں آ رہی تھیں۔ 12 بجے تک سب سو چکے تھے۔ اکیلا جاگ رہا تھا۔ تقریباً اسی وقت 12 بجے کے قریب خیال آیا کہ بچوں کا حال پوچھ لوں۔ حذیفہ اور اویس کو فون کیا۔ دونوں کی طرف سے کوئی جواب نہ ملا۔ ذہن میں خوامخواہ عجیب قسم کے خدشات اور وسوسے آ رہے تھے۔ گذشتہ کئی سالوں سے ملک بھر کے دور دراز علاقوں میں ان گنت سفر کیے مگر جتنی وحشت آج محسوس ہو رہی تھی پہلے کبھی نہ ہوئی تھی۔

زلزلہ، پہاڑ اور چیخیں:

12 بج کر 15 منٹ پر واش روم گیا۔ ابھی پانی کھولا ہی تھا کہ اوپر کی چھت پر لوگوں کے بھاگنے دوڑنے اور پتھروں کے گرنے جیسی آوازیں سنائی دیں۔ اندر پورا کمرہ گھومتا اور لرزتا اور کھڑکیاں ایک دوسرے سے ٹکراتی نظر آئیں۔ اسماء اور ماہ نور بھی ہربڑا کر اُٹھ بیٹھیں۔ ایک لمحہ کے لیے سمجھ میں نہ آیا کہ کیا ہو رہا ہے؟ اسی اثناء میں یمنیٰ نے دروازے پر زور زور سے دستک دی۔ ''مما بابا باہر آ جائیں۔ زبردست قسم کا زلزلہ آیا ہے۔'' باہر نکلے تو ہوٹل کے در و دیوار، دروازے، کھڑکیاں، چھت غرضیکہ ہر چیز لرزتی، گھومتی اور بل کھاتی محسوس ہوئی۔ سب لوگ دہشت زدہ کھڑے اللہ اکبر اور استغفر اللہ کا ورد کر رہے تھے۔ اسماء اور میں نے بچوں کو حصار میں لے لیا۔ اپنے سے زیادہ بچوں کی فکر تھی۔ پہاڑوں سے گڑگڑاہٹ اور جانوروں کے زور زور سے بولنے کی

بدستور آوازیں آ رہی تھیں۔ زلزلے کی زبردست گڑگڑاہٹ نے سب کچھ ہلا کر رکھ دیا۔ دروازے اور چھت کاغذوں کی طرح ہلنے لگے۔ سارے کمروں سے مکین نکل کر باہر کی طرف بھاگے۔ دو کمبل اور دو رضائیاں لیے کمرے میں سردی نہ جا رہی تھی جبکہ اب اوپر والی منزل اور نیچے کمروں سے سب مرد، عورتیں اور بچے جان بچانے کے لیے باہر بھاگے۔ سب کے چہرے سہمے ہوئے اور وحشت زدہ تھے۔ موت کا خوف ہر چیز پہ حاوی ہوتا ہے۔ ساتھ والے کمرے کا لڑکا جس کو جگانے کے لیے سو جتن کرنے پڑتے تھے۔ زلزلہ کے پہلے جھٹکے پر بستر سے کود کر باہر نکلا اور باہر آ کر خوف کے مارے کلمہ طیبہ کا ورد کرنے لگا۔ سخت سردی میں مرد ننگے پاؤں اور خواتین ننگے سر ہوٹل کے باہر کھڑے یا اللہ خیر کا ورد کر رہے تھے۔ سب اللہ سے پناہ مانگ رہے تھے اور استغفار بھی پڑھ رہے تھے۔

26 اکتوبر 2015ء کے پورے دو مہینے بعد یعنی 26 دسمبر 2015ء کو 6.9 ریکٹر سکیل کے زلزلے نے کالام اور گرد و نواح کو ہلا کر رکھ دیا۔ زلزلے تواتر کے ساتھ آ رہے ہیں۔ اللہ خیر کرے۔ غوث اور اسلم مروت نے فون کر کے بتایا کہ پورے ملک میں زبردست گڑگڑاہٹ کے ساتھ زلزلہ آیا ہے۔ ملک بھر سے گھروں، عزیزوں، دوستوں کے فون آ رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سب کو خیریت سے اپنی حفظ و امان میں رکھے۔ پچھلے چار دنوں سے زلزلہ زدگان کی خدمت جاری ہے مگر آج رات 12 بج کر 20 منٹ پر آنے والے زلزلہ نے پوری ریلیف ٹیم کو ہلا کر رکھ دیا۔ زلزلے کے اس جھٹکے نے ایک دفعہ پھر یاد دلا دیا کہ انسان کی کوئی اوقات نہیں۔ چند لمحوں میں سب کچھ فنا ہو سکتا ہے۔ چند سیکنڈوں میں اللہ تعالیٰ ہر چیز کو تہہ و بالا کر سکتے ہیں۔

زلزلے کے فوراً بعد:

ٹیم کے دوسرے ارکان تحصیل ناظم کالام امیر سید کے گھر ٹھہرے ہوئے تھے۔ مہمانوں کی تکریم پٹھانوں پہ ختم ہے۔ برف باری کے دنوں میں ہر گھر میں ایک گرم کمرہ ہوتا ہے۔ ناظم صاحب نے وہ کمرہ مہمانوں کو دے دیا اور خود سونے کے لیے ٹھنڈے کمروں میں چلے گئے۔ شفقت نے بتایا زلزلہ آیا تو قریب کے تمام گھروں سے عورتیں، بچے اور مرد بلند آواز میں کلمہ طیبہ کا ورد کرتے باہر نکلے۔ عورتوں اور بچوں کی چیخوں کی آوازیں کافی دیر تک آتی رہیں۔ جانوروں نے بھی بولنا شروع کر دیا۔ پرندے اور جانور زلزلے کی آمد کو پہلے سے محسوس کر لیتے ہیں۔ زلزلے کے فوراً بعد سناٹا چھا گیا۔ ایک ہُو کا عالم تھا۔ سہمے ہوئے انسان باہر سخت سردی میں کھڑے تھے۔ کچھ لوگ تو جلدی ہی اندر چلے گئے لیکن زیادہ تر باہر کھڑے رہے تا کہ مزید جھٹکوں سے محفوظ رہیں۔ قریب کی مسجد کا مینار زلزلہ کے جھٹکوں کو نہ سہہ سکا اور پہلے جھٹکے میں ہی زمین پر آ رہا۔ زلزلے کے بعد صبح تک کوئی نہ سویا۔ سب جاگ کر باتیں کرتے رہے اور اللہ سے گناہوں کی معافی مانگتے رہے۔

یمنیٰ، حذیفہ، ماہ نور، عبیر آمنہ، زہرہ، نعمان، اویس، شہروز، اسماء سب ایک کمرے میں اکٹھے ہو گئے۔ بچوں کو اوپر جانے کی ہمت نہ ہوئی۔ رات 12 بج کر 20 منٹ پر زلزلہ آیا اور ابھی چار بج رہے ہیں۔ سب ابھی تک خوفزدہ ہیں۔ بچے باتیں کرتے کرتے تھک کر بستروں میں گھس گئے ہیں۔ اویس اور حذیفہ بیٹھے باتیں کر رہے ہیں۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ بڑے زلزلے کے بعد چھوٹے جھٹکے آتے ہیں۔ اس خوف نے سب کی نیندیں چھین لی ہیں۔ زلزلے کو آئے کافی وقت بیت چکا مگر ابھی تک اس کی گڑگڑاہٹ، ہوٹل کے کمرے کی چھت اور دیواروں کا لرزنا، عورتوں، مردوں اور بچوں کا موت کے خوف سے ڈر کے باہر بھاگنا اور برف پہ کھڑے ہوئے سب کے خوف زدہ اور سہمے ہوئے چہرے بار بار آنکھوں کے سامنے آ رہے ہیں۔ خوف کی کیفیت بدستور طاری ہے۔

پہاڑ زمین کی میخیں ہیں:

ہمت کر کے ٹھنڈے یخ پانی سے وضو کیا۔ پانی ہاتھوں پر لگتے ہی ایسے محسوس ہوا کہ ہاتھ سن ہو گئے ہیں اور ان میں خون کی گردش رُک گئی ہے۔ تہجد کی نماز ادا کی اور اللہ سے خیر و عافیت اور پناہ مانگی۔ یا اللہ اس قوم کے گناہ بخش دیے۔ یا اللہ اپنی زمین کو مزید لرزنے سے منع کر دے۔ کالام کے پہاڑوں میں اس زلزلے کے دوران رہتے ہوئے قرآن کی آیت ''پہاڑ زمین کی میخیں ہیں'' کی واضح سمجھ آ گئی۔ اللہ پاک نے صحیح فرمایا کہ پہاڑ زمین کی میخیں ہیں۔ اتنی گڑگڑاہٹ کے ساتھ زلزلہ کی لہریں آئیں جنہیں پہاڑوں نے جذب کر لیا۔ یہ پہاڑ نہ ہوتے تو چند لمحوں میں سب کچھ تہہ و بالا ہو جاتا۔ بچے اور بڑے سب ایک کمرے میں جمع ہیں اور اپنی اپنی زندگی کے اہم واقعات ایک دوسرے سے شیئر کر رہے ہیں اور ساتھ ساتھ خوف زدہ بھی ہیں۔ سب کے گھروں سے اماں ابا کے فون آ گئے ہیں۔ فیس بک پر دنیا بھر سے دوستوں نے خیریت پوچھی ہے اور دُعا دی ہے کہ خیریت سے اپنا کام مکمل کر کے واپس آئیں۔ ابھی تک آنے والی اطلاعات کے مطابق یہ زلزلہ 6.9 ریکٹر اسکیل کا تھا۔ اس کی زمین میں گہرائی 197 کلومیٹر تھی اور مرکز کوہ قراقرم میں افغانستان کے علاقے اشک آباد میں تھا۔ اللہ کرے اس سے جانی و مالی نقصان نہ ہوا ہو۔ بعد میں شہناز نے ہنزہ سے پیغام بھیجا کہ زلزلے سے گلگت کے ضلع گذر میں ایک خاتون ہلاک، پانچ زخمی اور چلاس میں 14 لوگ زخمی ہوئے ہیں۔ بشام سے گلگت تک سڑک لینڈ سلائیڈنگ سے بند ہو چکی ہے۔ اس کے علاوہ بھی 2 اور لوگ بھی جاں بحق ہوئے۔

برف پہ اذان اور نماز:

عبدالرؤف نے بتایا کہ زلزلے سے پشاور کے لیڈی ریڈنگ ہسپتال میں زلزلے سے زخمی 70 افراد لائے گئے ہیں۔ 4 بجے تک ٹیم کے سب ارکان باتیں کرتے اور ایک دوسرے کا حوصلہ بڑھاتے رہے۔ 4 بج کر

15 منٹ پر آنکھ لگ گئی۔ ڈرتے اور باتیں کرتے سب سو گئے۔ فجر کا وقت ہوا۔ سخت سردی میں منجمد بدن کے ساتھ ہوٹل کی بالکونی میں برف کے پاس کھڑے ہو کر فجر کی اذان دی۔ سب بچوں نے بڑی ہمت کر کے ٹھنڈے یخ پانی سے وضو کیا۔ پانی جسم پہ لگتے ہی پورے بدن میں کرنٹ سا لگتا، جھرجھری آتی اور اک دم بدن کانپنے لگتا۔ حذیفہ کی اقتداء میں فجر کی نماز ادا کی۔ حذیفہ نے بڑی رقت کے ساتھ تلاوت کی اور پرسوز لہجے میں دعا کی۔ اللہ کا شکر ادا کیا جس نے دور دراز کے پہاڑوں میں آ کر یہاں کے مجبور لوگوں کی خدمت کرنے کی توفیق دی اور رات کے خوفناک زلزلے کے اثرات سے محفوظ رکھا۔ 2008ء میں جب زیارت میں زلزلہ زدگان کی خدمت کے لیے گئے تھے تو ایک رات ایسی ہی زبردست گڑگڑاہٹ کے ساتھ زلزلہ آیا تھا۔ یہاں مینگورہ کے پراسرار بابا کی دُعا یاد آ گئی۔ اس نے مینگورہ میں ٹیم کے ارکان سے فرداً فرداً مل کر دعا دی تھی کہ آپ اچھا کام کر رہے ہیں۔ اللہ آپ کی حفاظت کرے گا۔ مسلمان کے لیے ہر حالت میں اللہ ہی سہارا ہے۔ آج کے زلزلے سے راقم کو زلزلہ سے مکمل تباہ شدہ بالاکوٹ شہر میں لگا ہوا بینر یاد آ گیا۔ پورا شہر زلزلے سے تباہ ہو گیا۔ ہزاروں لوگ شہید ہو گئے۔ مگر شہر کی مرکزی شاہراہ پر بینر لگا ہوا تھا۔ ''یا اللہ ہم تیری رضا پر راضی ہیں'' واقعی مسلمان ہر حالت میں اللہ کی رضا پر راضی رہتا ہے۔

سورج دور پہاڑوں کی اُوٹ سے نکلنے کی کوششوں میں ہے۔ باہر نیچے اوپر درختوں پر، دالانوں پر، سڑکوں پر، مکانوں پر، پہاڑوں پر کھیتوں پر، دکانوں پر، گلیوں میں، میدانوں میں غرضیکہ ہر جا برف کی سفید دودھیا چادر تنی ہوئی ہے۔ ابھی ان شاء اللہ کالام کے باسیوں کے لیے میڈیکل اور ریلیف کیمپ لگا کر ان کی دعائیں سمیٹیں گے اور اللہ کا شکر ادا کریں گے جس نے رات زلزلے سے محفوظ رکھا۔ آج صبح ہی سے مطلع ابر آلود ہے۔ آسمان پر بادل چھائے ہوئے ہیں۔ صبح ہی سے ہلکی ہلکی برف باری شروع ہو چکی ہے جس کی وجہ سے سردی میں مزید اضافہ ہو گیا ہے۔ ہوٹل والوں نے گرم پانی کی بالٹی دی ہے جس سے سب نے منہ ہاتھ دھویا تو کچھ سکون ملا۔ شفقت اور عبدالرؤف صاحب ہوٹل سے ناشتہ لے کر آ گئے۔ ناشتے سے فارغ ہو کر کالام بازار کے لیے نکلے۔ ہوٹل کے ملازمین اور بعض دوسرے لوگ کیمپ کا سن کر آ گئے۔ سب سے پہلے انہیں چیک کیا اور دوائیں دیں۔ دو چھوٹے بچوں کو انجکشن بھی دیں اور یوں کالام میں ہمارے میڈیکل کیمپ کا آغاز ہو گیا۔

عبدالستار، زلزلہ اور دوائی:

صبح 8 بج کر 30 منٹ کا وقت ہے مگر کالام کی گلیاں اور بازار بالکل سنسان نظر آ رہے ہیں۔ گلیاں،

سڑکیں، مکانات، کھیت، پہاڑ، سب برف سے ڈھکے ہوئے ہیں۔ تازہ گل بڑی ہمت اور مہارت سے گاڑی چلا رہا ہے۔ برف میں چلنے کے لیے لوگوں نے گاڑیوں کے ٹائروں پر لوہے کی رنجیر چڑھائی ہوئی تھی تا کہ پھسلن سے بچت ہو جائے۔ کالام کا عبدالستار رات بھر زلزلے کے خوف کے باعث سو نہ سکا۔ ڈر کے مارے ساری رات گھر سے باہر بیٹھا رہا کہ کہیں دوبارہ زلزلہ نہ آ جائے۔ برف اور سردی کی وجہ سے اسے بخار ہو گیا۔ کھانسی پہلے ہی تھی۔ سوچ ہی رہا تھا کہ دوائی کہاں سے لوں گا۔ بخار سے پھنک رہا تھا۔ کالام بازار سے گذرتی ہوئی ہماری ایمبولینس عبدالستار کے پاس آ کر پتہ نہیں کیوں، خود بخود رُک گئی۔ اس سے پوچھا۔ کیسی طبیعت ہے۔ بولا، بخار ہے، کھانسی ہے، (خوب نہ رازی) ساری رات نیند نہیں آئی۔ عبدالستار کو چیک کر کے دوائی دی۔ سردی سے ٹھٹھر رہا تھا۔ نئی جیکٹ دی۔ عبدالستار اس غیبی اور انہونی مدد سے حیران رہ گیا اور اس نے اللہ کا شکر ادا کیا جس نے ڈاکٹروں کو خود اس کے پاس پہنچا دیا۔ واقعی اللہ سب کی سنتا ہے۔

امیر سید، کریم بخش اور تاریخی مسجد:

کالام بازار میں ایمبولینس دیکھ کر بچوں کی کثیر تعداد جمع ہو گئی۔ عبدالرؤف کو بچوں میں تحائف بانٹنے کا کہا۔ جونہی تحائف بٹنے شروع ہوئے۔ بچوں نے ڈاکٹر اویس شفقت اور راقم کا گھیراؤ کر لیا۔ یہ بچے بیچارے ساری رات خوف کے باعث سو نہ سکے۔ ان پیارے بچوں کو تحائف ملنے لگے تو وہ خوشی سے نہال ہو گئے اور دور دراز سے اپنے ساتھیوں کو بلانے لگے۔ کالام کی لکڑی سی بنی 150 سالہ پرانی تاریخی مسجد کے قریب تحصیل ناظم امیر سید کے گھر کیمپ کا انتظام تھا۔ وہاں ہمارے پہنچنے سے پہلے بچوں، بڑوں اور خواتین کی کثیر تعداد جمع تھی۔ میڈیکل کیمپ اور ریلیف اشیاء کا سن کر لوگ دور پہاڑوں سے اُتر کر آئے ہوئے تھے۔ عبدالرؤف نے بتایا کہ لوگ پشتو میں ایک دوسرے سے باتیں کر کے حیران ہو رہے ہیں کہ رات 12 بجے کے بعد زلزلہ آیا اور ہمیں پرسہ دینے کے لیے، ہمارے علاج کے لیے اور ہماری خدمت کے لیے لاہور سے اتنی جلدی ڈاکٹروں کی ٹیم ادویات، گرم کپڑوں رضائیوں کے ساتھ کیسے پہنچ گئی۔ ذرا سی دیر میں لوگوں کا جم غفیر ہو گیا۔ ناظم صاحب کے گھر کے گرم کمرہ میں کیمپ شروع کر دیا۔ ڈاکٹر شہروز، ڈاکٹر اویس اور راقم نے مریضوں کو دیکھنا شروع کر دیا۔ بحرین کے اسسٹنٹ کمشنر کے پرائیویٹ سیکرٹری کریم بخش کل صبح سے ہمارے ساتھ ہیں۔ مقامی ہونے کی وجہ سے ان کی وجہ سے کافی آسانی رہی۔ کریم بخش اس علاقے کے کلچر، تاریخ اور بود و باش سے بھرپور واقفیت رکھتے ہیں۔ انہوں نے اس علاقے کے بارے میں اور کالام کے باشندوں کے رہن سہن کے بارے میں بڑی باتیں سنائیں۔

کالام میں علاج اور خدمت:

کیمپ کے دوران کریم بخش جلدی جلدی مریض بھیجتے رہے۔ زیادہ تر بچے اور مرد حضرات آئے۔ کالام کے بچوں اور بڑوں میں سردی اور برف باری کی وجہ سے چھاتی کا انفیکشن تھا۔ کئی بچے اور لڑکیاں رات زلزلے کے خوفناک جھٹکوں کی وجہ سے خوف کا شکار تھیں۔ سب کو دلاسہ دیا۔ چیک کیا۔ ادویات دیں۔ سہارا دیا۔ تحائف دیے جس سے ان کی پریشانی ذرا کم ہوئی۔ رات کے زلزلے کے نقصانات کالام میں کچھ کچھ نظر آ رہے تھے۔ گھر کے ساتھ ہی مسجد کا مینار اور دیوار گری ہوئی تھی۔ شکر ہے رات کی وجہ سے کوئی نیچے سے نہ گزر رہا تھا۔ عبدالرؤف، کریم بخش، شفقت ریلیف اشیاء جیکٹیں، رضائیاں اور چاول وغیرہ بانٹنے میں مصروف رہے۔ دوسری طرف میڈیکل کیمپ چلتا رہا۔ تازہ گل اپنے مخصوص انداز میں مجمع کو کنٹرول کرتا رہا۔ سہیل خان اکیلا مریضوں کو دوائیاں دے کر نپٹاتا رہا۔ تھوڑی سی دیر میں 150 مریضوں کا چیک اپ کیا۔ سہیل خان نے سب کو دوائیاں دیں۔ چار دن میڈیکل کیمپوں اور ان میں سینکڑوں مریضوں کے علاج کے باوجود دواؤں کی ایک کثیر تعداد بچ گئی۔ کریم بخش اور تحصیل ناظم کے مشورہ سے ساری دوائیاں الخدمت ڈسپنسری والوں کو دیں اور ان سے وعدہ لیا کہ یہ کالام کے غریب لوگوں کے مفت علاج کے لیے استعمال ہونگی۔ ناظم صاحب نے گرما گرم چائے پلائی۔ مطلع مزید ابر آلود ہوتا جا رہا ہے۔ ہلکی ہلکی برف باری بھی شروع ہے۔ سڑکیں، گیلی اور پھسلنے والی۔ ذرا سی بے احتیاطی سے گاڑی بے قابو ہو کر نیچے جا سکتی ہے۔ صبح 10 بجے کے قریب واپسی کا رُخ کیا۔ رفیق اور تازہ گل گاڑیوں کو گیلی اور برف سے اَٹی ہوئی پھسلنے والی سڑکوں پر خراماں خراماں مگر مہارت سے کنٹرول کر کے آگے بڑھاتے رہے۔ رات کے زلزلے کی وجہ سے سڑک پر جگہ جگہ لینڈ سلائیڈنگ کے باعث چھوٹے بڑے پتھر پڑے ہوئے تھے۔

لائی کوٹ، غارِ حرا اور پتھر:

لائی کوٹ کے قریب چھوٹے چھوٹے بچے ہاتھوں میں بیلچے پکڑے ان پتھروں کو سڑک سے ہٹا رہے تھے۔ جب گاڑیاں ان بچوں کے قریب سے گزرتیں تو وہ گاڑی کے سامنے کھڑے ہو کر اپنا کام تیز کر دیتے تا کہ گاڑی والے ان کے کام کو دیکھ کر بچوں کو کچھ نہ کچھ ضرور دے جائیں۔ ایک خوبصورت سا بچہ ہماری گاڑی کے سامنے بھی آ گیا۔ اویس نے اس کو پیسے دیئے تو وہ خوش ہو گیا اور دعائیں دینے لگا۔ ان بچوں کو دیکھ کر غارِ حرا میں سیڑھیوں پر کھڑے بیلچہ بردار بابے یاد آ گئے۔ جس کا ذکر ''اللہ، کعبہ اور بندہ'' کتاب میں صفحہ نمبر 169 میں کیا گیا ہے۔

''راستے میں جگہ جگہ چھوٹے چھوٹے سٹاپ ہیں۔ بنگالی، پنجابی، ہندوستانی بابے یہاں قیام پذیر ہیں۔ اللہ کے نام پہ مانگ رہے ہیں۔ ہاتھوں میں بیلچے پکڑے ہوئے ہیں، زائرین کے آتے ہی مٹی اٹھانے، پتھروں کو توڑنے یا صفائی کرنے میں مگن ہو جاتے ہیں۔ زائرین کو دیکھ کر ان کی زبان میں سوال کرتے ہیں۔ اپنے آپ کو ان پتھروں کا ان راستوں کا ان راہوں کا محافظ گردانتے ہیں۔ اس کے عوض بخششیں اور نذرانہ مانگتے ہیں۔ زائرین ان پر ریال، روپے، تومان، ڈالر، پونڈ نچھاور کرتے ہیں۔ یوں پتھروں پر رہنے کے باوجود ان کا سلسلہ بھی چلتا ہے۔ ساتھ ساتھ یہ اوپر جانے والے زائرین کی ہمت بھی بڑھاتے ہیں۔ آدھا راستہ بھی طے نہ ہوا ہو مگر یہ بتائیں گے کہ تھوڑا سفر مزید باقی ہے۔ آپ اوپر منزل مقصود تک پہنچنے والے ہیں۔ اس سے اوپر جانے والوں کی تسلی ہو جاتی ہے۔ ہر 100 سیڑھی کے بعد ایک سٹاپ آتا ہے۔ پانی، جوس چائے وغیرہ ملتے ہیں، بیٹھئے، سستایئے، سانس درست کریں اور پھر آگے چلیں۔''

سفر کی دعا کی اہمیت:

سارے موسم اللہ بناتا ہے۔ چترال سے لائی کوٹ تک چاروں طرف برف ہی برف تھی۔ آگے موسم بہتر ہو گیا اور برف بھی خال خال نظر آنے لگی۔ کالام کے اس سفر میں سفر کی دعا ''**سُبْحَانَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ وَاِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ** (ترجمہ) اللہ تعالیٰ پاک ہے جس نے اِس سواری کو ہمارے قبضہ میں دے دیا اور اس کی قدرت کے بغیر ہم اسے قبضہ میں کرنے والے نہ تھے اور بلاشبہ ہم کو اپنے رب کی طرف جانا ہے'' کی حقیقت سمجھ آئی کہ اللہ نے ہی اپنے بندوں کے لیے ہر قسم کی سواری کو مسخر کیا ہے ورنہ ہم اس پہ قابو پانے والے نہ تھے۔ واقعی اللہ ہی حفاظت کرتا ہے اور گاڑیوں کو ان کچے پکے، اُٹے کٹے، تنگ راستوں پر حفاظت سے چلاتا ہے۔ مینگورہ پہنچ کر مرغزار کا رخ کیا جہاں والیٔ سوات کے سفید محل کو دیکھا۔ سوات کے لوگ آج بھی والیٔ سوات کی خدمات کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ مردان میں ہمارے مستقل میزبان حاجی انور ایڈووکیٹ بتا رہے تھے کہ والیٔ سوات ایک دیو مالائی شخصیت تھے۔ وہ اپنی رعایا سے محبت کرتے تھے۔ ان کے بنائے ہوئے تعلیمی ادارے اب بھی مقبول ہیں۔ ان کے دور میں سوات فلاحی ریاست تھی اور زکوٰۃ اور عشر کا نظام کامیابی سے چل رہا تھا۔ راستے میں چیکنگ پوائنٹس سے گذرتے ہوئے مغرب کے وقت نوروز آباد میں

اقبال کے گھر تھوڑی دیر کے لیے قیام کیا۔ سخت سردی میں حاجی انور ایڈووکیٹ کم ہی باہر نکلتے ہیں۔ اقبال نے بہتیرا کہا آپ آرام کریں۔ میں نے آپ کا سلام بھجوا دیا ہے۔ مگر اپنی روایات کو قائم رکھنے والا بوڑھا درویش پٹھان سخت سردی میں باہر آ گیا۔ حاجی صاحب سب سے محبت سے ملے۔ بچوں کو دُعا دی۔ ہمت بڑھائی اور چائے ختم ہونے تک اپنی عالمانہ اور دلچسپ گفتگو سے محفل کو گرمائے رکھا۔

اقبال، تخت بھائی اور چپلی کباب:

یہ تو ہو ہی نہیں سکتا کہ بندہ تخت بھائی آئے اور وہاں کے چپلی کباب کھائے بغیر واپس آ جائے۔ آتے وقت سب بچوں کو کہا تھا کہ آپ کو واپسی پر چپلی کباب ضرور کھلائیں گے۔ اگر چہ رات کا وقت تھا۔ ارادہ یہی تھا کہ موٹرے وے پہ کسی ریسٹورنٹ سے کھانا کھائیں گے۔ رفیق نے ایک ہوٹل کے قریب گاڑی رُوکی تو وہاں دیکھا کہ اقبال ہاتھوں میں چپلی کباب کے پیکٹس لیے کھڑا ہے۔ واقعی جب بندہ اللہ کے راستے میں نکلتا ہے تو اللہ ہر طرح سے اعزاز فرماتے ہیں۔ سب نے گاڑی میں بیٹھ کر مزے سے چپلی کباب کھائے۔ اتوار کی صبح 2 بجے 18 گھنٹے کے طویل، لمبے، تھکا دینے والے یادگار اور دلچسپ سفر کے بعد گھر پہنچے اور اللہ کا شکر ادا کیا جس نے سینکڑوں میل دور لے جا کر اپنے بندوں کی خدمت کی توفیق دی اور ہولناک زلزلے کے اثرات سے محفوظ رکھا۔ مینگورہ پہنچتے ہی ملنے والے پراسرار بابا کی دعا یاد آ گئی۔ اس نے گاڑی کا چاروں طرف چکر لگایا اور ٹیم کے سارے ارکان سے مل کر فرداً فرداً سب کو دعا تھی کہ آپ اچھا کام کر رہے ہیں۔ اللہ آپ کی حفاظت کرے گا۔

26 تاریخ اور زلزلے:

عیسوی سال کی 26 تاریخ پاکستان سمیت دنیا بھر میں زلزلوں کے لحاظ سے انتہائی خطرناک ہے، 26 تاریخ کو 11 زلزلے اور ایک سونامی نے لاکھوں افراد کو موت کے منہ میں دھکیلتے ہوئے کروڑوں کو معذور کر دیا، خوف ناک زلزلوں اور سونامی کی تاریخ کو دیکھا جائے تو یہ سب سے زیادہ 26 تاریخ کو آئے، ان میں سب سے خوف ناک زلزلہ چین میں آیا جس کی شدت 7.8 تھی اور اس میں ساڑھے چھ لاکھ سے زائد افراد لقمہ اجل بنے۔ تفصیلات کے مطابق پاکستان میں 26 دسمبر 2015ء کو رات 12 بجے کے بعد شدید زلزلہ آیا جس کی شدت ریکٹر اسکیل پر 6.9 ریکارڈ کی گئی اس زلزلے میں تین خواتین جاں بحق اور 100 سے زیادہ لوگ زخمی ہوئے۔ یہ محض اتفاق ہے یا کچھ اور کہ دنیا میں آنے والے خوف ناک زلزلوں کا سال کوئی بھی ہو مگر بربادی کی تاریخ 26 کو ہی رقم ہوئی۔

26 تاریخ کو آنے والے زلزلوں کی تفصیل درج ذیل ہے۔

نمبر شمار	تاریخ	زلزلہ کی شدت ریکٹر سکیل	ملک	ہلاکتیں
1	26 دسمبر 1932ء	7.6	چین	70 ہزار
2	26 دسمبر 1939ء	7.8	ترکی	32 ہزار 7 سو
3	26 جنوری 1951ء	7.6	پرتگال	30 ہزار
4	26 جولائی 1976ء	7.8	چین	6 لاکھ 55 ہزار 500 سو
5	26 اکتوبر 2003ء	6.6	ایران	60 ہزار
6	26 دسمبر 2004ء	9.3 سونامی	بحر ہند	2 لاکھ 30 ہزار
7	26 فروری 2010ء	6.5	جاپان	سینکڑوں زخمی
8	26 جولائی 2010ء	6.5	تائیوان	ہزاروں افراد ہلاک
9	26 جنوری 2011ء	7.7	گجرات، ہندوستان	20 ہزار
10	26 اپریل 2015ء	7.8	نیپال	23 ہزار زخمی
11	26 اکتوبر 2015ء	8.1	پاکستان	300 جاں بحق
12	26 دسمبر 2015ء	6.7	سوات، لاہور، کالام	3 جاں بحق

زلزلوں کے متواتر مزید جھٹکے:

26 دسمبر 2015ء سے لے کر (20 جنوری) تک پاکستان میں کم اور زیادہ شدت کے زلزلے تواتر کے ساتھ آ رہے ہیں۔ پاکستان کے مختلف علاقوں میں 2 جنوری کو زلزلے کے شدید جھٹکے محسوس کیے گئے، ریکٹر سکیل پر زلزلہ کی شدت 5.9 ریکارڈ کی گئی، اس کا مرکز کوہ ہندوکش میں پاکستان، افغانستان اور تاجکستان کے سرحدی علاقے میں تھا جبکہ اس کی گہرائی 175 کلومیٹر زیر زمین تھی۔ زلزلے کے جھٹکے لاہور، اسلام آباد، پشاور، ایبٹ آباد، مالاکنڈ، خیبر ایجنسی، شانگلہ، سوات، آزاد کشمیر، گلگت بلتستان کے علاقوں میں بھی زلزلے کے جھٹکے محسوس کیے گئے۔ 3 جنوری کے روز بھی مالاکنڈ ڈویژن میں زلزلہ آیا۔ چین کے مشرقی صوبے ہیلانگ ژیانگ کے شہر موڈانگ ژیانگ اور سچوان میں بھی زلزلے کے جھٹکے محسوس کیے گئے۔ 4 جنوری 2016ء کو صبح سویرے ہندوستان، بنگلہ دیش، میانمار اور بھوٹان میں 6.7 ریکٹر سکیل کا زلزلہ آیا جس میں 6 افراد ہلاک اور 50 زخمی ہوئے۔ 8 جنوری کو پھر دوپہر کے وقت پورے ملک میں زلزلے کے شدید جھٹکے محسوس کیے گئے۔ جنوبی ایشیاء کا خطہ زلزلوں کی زد میں ہے۔ حالیہ دنوں میں پاکستان کے شمال مغربی علاقے اور پنجاب میں تواتر سے زلزلے

کے جھٹکے محسوس کیے جا رہے ہیں۔ اِدھر حالت یہ ہے کہ حکومت کی جانب سے اس حوالے سے زیادہ اقدامات سامنے نہیں آ رہے۔ مستقبل میں بھی زلزلے کے جھٹکے آتے رہیں گے کیونکہ ہمارا خطہ فالٹ لائن پر ہے۔ ماہرین ارضیات نے خدشہ ظاہر کیا ہے کہ اگلے دو سال میں بہت بڑا قیامت خیز زلزلہ آ سکتا ہے جس میں لاکھوں جانیں ضائع ہونے کا امکان ہے۔ حکومت کو شمال مغربی علاقے میں بڑے آبی ذخیرے یا کوئی اور بڑے منصوبے شروع کرنے سے پہلے زلزلوں کی صورت حال کا جائزہ لینا چاہیے۔ یہ قدرتی وارننگ ہے اور قدرت کی وارننگ کو سمجھنا انسان کی بقا کے لیے انتہائی ضروری ہے۔

مینگورہ کا پراسرار بابا

مینگورہ کی ٹھنڈی ہوائیں اور یخ بستہ فضائیں۔ رات کا وقت، سڑکوں پہ زندگی کی جاری چہل پہل، شائبہ بھی نہ ہو رہا تھا کہ یہاں چند سال پہلے زندگی روٹھی ہوئی تھی۔ مغرب ہوتے ہی سڑکیں ویران ہو جاتیں اور چار سو خوف کا بسیرا ہوتا۔ پاک فوج کی مستقل کوششوں اور قربانیوں کے باعث آج سوات میں سکون ہے۔ امن ہے، آشتی ہے، رونق ہے۔ رات 9 بجے کے قریب مینگورہ کی سڑک پر کھڑے تھے۔ سردی جسم میں گھستی جا رہی تھی۔ گاڑی کا ذرا سا دروازہ کھلتا تو ہڈیوں میں سرایت کرتی سردی سے ایک دم جھرجھری سی لگتی۔ سہیل فدا نے ایک جگہ رُک کر کہا کہ یہاں سے برگر ملیں گے۔ اویس اور شہروز دکان میں چلے گئے۔ گاڑی میں بیٹھے تھے کہ لمبا کوٹ پہنے، سر پہ ٹوپی اوڑھے، ہاتھ میں تھیلا لیے ایک بابا آیا اس نے گاڑی کا بغور جائزہ لیا۔ چاروں طرف گھوم کر گاڑی کا طواف کیا اور اس پہ کچھ پڑھ کر پھونکتا رہا۔ منہ میں بڑبڑانے لگا اور دروازے کے قریب کھڑا ہو کر دروازہ کھٹکھٹایا۔ دروازہ کھولتے ہوئے ڈر بھی لگا۔ اللہ کا نام لے کر دروازہ کھولا۔ بابا سے ہاتھ ملایا۔ ذہن میں آیا کہ اب یہ بابا کوئی سوال کرے اور کچھ مانگے گا۔ مگر وہ کہنے لگا آپ دور سے آئے ہیں۔ آپ زلزلہ زدگان کی مدد کے لیے آئے ہیں۔ آپ بہت اچھا کام کر رہے ہیں۔ اللہ آپ کو جزائے خیر دے اور آپ کی حفاظت فرمائے۔ بابا نے یہ الفاظ کہے اور اپنی راہ لی، جتنی تیزی سے آیا تھا اتنی تیزی سے وہ غائب ہو گیا۔ (بابا نے جو دُعا دی تھی وہ اگلے چار دن ہماری حفاظت کرتی رہی اور زلزلے سے بھی محفوظ رکھا) اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ جس نے ایک دفعہ پھر اپنے بندوں کی خدمت کرنے کی توفیق دی۔

عید میلاد النبیؐ اور علاج اور خدمت:

جھرنوں، چشموں، آبشاروں، ندیوں اور خوبصورت اداؤں والی سوات کی فضاؤں میں ایک دفعہ پھر موجود ہیں۔ اس دفعہ عید میلاد النبیؐ کے موقع پر ان شاء اللہ ہمارے پیارے آقا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کے عین مطابق مخلوق خدا کی خدمت کریں گے۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ لوگوں میں بہتر وہی ہے جو دوسروں کی بھلائی کے لیے کام کرتا ہے۔ سوات کی یخ بستہ ہواؤں اور ٹھنڈی فضاؤں کے درمیان علاج اور خدمت کے کیمپ لگیں گے۔ اس دفعہ عید میلاد النبیؐ اور یوم قائداعظم اکٹھے آ گئے۔ سرکار کی

طرف سے چھٹیوں کی بہتات ہوگئی۔ بچوں کو بھی چھٹیاں ہوگئیں۔ یمنیٰ بولی بابا کیوں نہ سوات چلیں۔ بیٹا سخت سردی ہوگی۔ بولی سردی میں زلزلہ زدگان کس عالم میں ہونگے۔ ان پہ کیا بیت رہی ہے۔ اچھا موقع ہے۔ ان کی خدمت بھی ہوجائے گی۔ یمنیٰ کا آئیڈیا سب کو بھایا۔ نعمان، ڈاکٹر اویس، ڈاکٹر شہروز، زہرہ، عمیر، آمنہ، حذیفہ، یمنیٰ، ماہ نور اور اسماء سب تیار ہوگئے۔ ریلیف اشیاء بھی آنا شروع ہوگئیں۔ ارشاد سلیمان نے جیکٹیں لے دیں۔ نئی اُمید کی آنٹی اشرف النساء نے روبینہ اختر سے لے کر رضائیاں بھجوا دیں۔ بچوں کے لیے بھی تحائف، سکول کے بستے اور جیکٹوں کا بندوبست ہوگیا۔ شفقت نے میٹرو سے چاول خرید لیے۔ اشفاق نے دوائیں اکٹھی کر لیں۔ سب سے پہلے شفقت کو سامان سمیت روانہ کیا۔ بچوں اور اسماء کے ساتھ علاج اور خدمت کا قافلہ محمد رفیق ڈرائیور سوات کے لیے عازمِ سفر ہوا۔ سہیل فدا نے بحرین سے مژدہ جاں فزا سنایا کہ بحرین میں تین انچ برف پڑ چکی ہے۔ بچے سن کر خوش ہو گئے کہ سوات جا کر برف باری کا نظارہ کریں گے۔ کچھ دنوں سے دھند پڑ رہی تھی لیکن آج مطلع صاف ہونے اور تیز دھوپ ہونے کے باعث دھند نہ تھی۔

علی حسن، چکری اور سر پھرے لوگ:

بندہ جب اللہ کے راستے میں نکلتا ہے تو اللہ تعالیٰ کئی طرح سے اعزاز فرماتے ہیں۔ عزیز دوست عابد گیلانی کو پتہ چل گیا تو انہوں نے روز ریسٹورنٹ چکری پہ موجود اپنے بیٹے علی حسن کو کہہ دیا کہ علاج اور خدمت کی ٹیم کو خوش آمدید کہنے کے ساتھ ساتھ ان کی تواضع بھی کرنی ہے۔ علی حسن نے لذیذ اور مزیدار کھانا کھلایا۔ راستے میں نمازیں پڑھتے اور موسم کا لطف اُٹھاتے شام کے قریب مردان پہنچے۔ مردان پہنچتے ہی اپنائیت کا گہرا احساس ہوتا ہے۔ مردان سے اپنا ناتا 2009ء سے ہے اور پھر 2010ء کے سیلاب کے بعد تو یہاں مستقل آنا جانا لگا رہا۔ تخت بھائی سے گذرتے ہوئے بچوں کو اپنا لاہور سوات میٹرنٹی ہوم دکھایا اور تخت بھائی کے بارے میں بتایا۔ تخت بھائی کے مزیدار چپلی کباب کا سن کر سب کے منہ میں پانی آ گیا۔ تخت بھائی سے شیر گڑھ، سخا کوٹ، درگئی، مالاکنڈ ٹاپ، بٹ خیلہ، تھانہ، بری کوٹ، چکدرہ سے ہوتے ہوئے رات گئے مینگورہ پہنچے۔ راستے میں چیکنگ کے دوران سکیورٹی پہ مامور حضرات حیران ہوتے رہے کہ عجیب سر پھرے لوگ ہیں۔ اس سرد موسم اور یخ بستہ ہواؤں میں علاج اور خدمت کرنے نکلے ہیں لیکن ساتھ ہی خدمت کے جذبے کو سلام بھی کرتے گئے۔ خدمت اور علاج کا گذشتہ کئی سالوں سے ساتھی سہیل فدا ہلٹن ہوٹل میں موجود تھا۔ اس ہوٹل میں گذشتہ دو ماہ کے دوران تیسری دفعہ آنا ہوا۔ صبح سویرے کا وقت ہے۔ باہر مکمل سکوت ہے، دریائے سوات میں پانی چلنے کی آوازیں اور کبھی کبھار کسی گاڑی کی آواز سکوت کو توڑتی ہے۔ آسمان تاروں سے بھرا ہوا ہے۔ تاریکی میں پہاڑوں پر موجود مکانوں میں لگے ہوئے روشن قمقمے برقی نقطوں کی طرح نظر آتے ہیں۔ باہر سخت سردی ہے۔

ایسی سردی جو سیدھی ہڈیوں میں سرایت کرتی ہے۔ ابھی ابھی اُٹھ کر تہجد کی نماز ادا کر کے ملک کی ترقی و سلامتی کے لیے دعائیں مانگی ہیں۔

حافظ حذیفہ، ٹھنڈا یخ پانی اور دریائے سوات:

فجر کی نماز کے لیے ہوٹل کی بالکونی میں اذان دی۔ سب بچوں کو جگایا۔ حافظ حذیفہ بشیر نے نماز پڑھائی۔ صبح سویرے حافظ حذیفہ کی تلاوت نے سماں باندھ دیا۔ اس کی تلاوت سن کر اور نماز پڑھ کر اللہ کا شکر ادا کیا جس نے حذیفہ کے سینے میں قرآن اتارا۔ نمازِ فجر کے بعد صبح سویرے اسماء کے ساتھ دریائے سوات کے کنارے سیر کی۔ دور پہاڑوں پر سورج پہاڑوں کی اوٹ سے نکلنے کی کوششوں میں مصروف ہے۔ پہاڑوں پر پڑی برف پر سورج کی کرنیں پڑیں تو وہ چاندی کی طرح چمکنے لگی۔ اوپر نیلگوں آسمان، پہاڑوں پر برف، ٹھنڈی یخ بستہ ہوائیں اور نیچے فراٹے بھرتا دریائے سوات اور اس میں رنگ بدلتا بہتا صاف و شفاف پانی۔ اس سے زیادہ دل فریب، خیرہ کن اور رومان پرور منظر اور کہاں ملے گا۔ یخ بستہ ہواؤں سے جسم کا اوپر والا حصہ بالکل منجمد ہو چکا ہے۔ ٹھنڈی ہوائیں جسم میں سرایت کرتی جا رہی ہیں۔ آٹھ بجے ہلٹن ہوٹل میں ناشتہ کیا۔ سہیل فدا، عبدالرؤف، سہیل خان اور تازہ گل بھی مردان سے ایمبولینس اور دواؤں سمیت پہنچ گئے۔ شفقت بڑی ہمت کر کے لاہور سے سارا ریلیف کا سامان لے کر کل مینگورہ پہنچ گیا تھا۔ رات لاری اڈا کے قریب ایک ہوٹل میں قیام کیا۔ سارے سامان کو علیحدہ علیحدہ پیک کیا تا کہ مختلف مقامات پر تقسیم میں آسانی رہے۔ سہیل فدا نے سارا ریلیف کا سامان اپنے پیٹرول پمپ پر آف لوڈ کروایا تھا۔ وہاں سے ایک مزدا گاڑی میں سامان لاد کر بری کوٹ کی جانب عازمِ سفر ہوئے۔ غلام غوث بٹ نے سوات میں ڈپٹی کمشنر اور دوسرے حضرات سے رابطہ کیے رکھا۔ ڈی سی سوات محمود اسلم کو اپنے پروگرام کے بارے میں بتا بھی دیا تھا۔ اس کا فائدہ یہ ہوا کہ ڈی سی نے اپنے ایڈیشنل کمشنر کی ڈیوٹی لگائی اور تمام جگہوں پر مطلع کر دیا کہ ریلیف ٹیم کے ساتھ تعاون کیا جائے۔ صبح ہی سے بری کوٹ کے اسسٹنٹ کمشنر محمد فہیم رابطہ کر رہے تھے۔ سوات کی سڑکوں پر زندگی رواں دواں ہے۔ سڑکوں پر بھرپور رش ہے۔ اگرچہ سورج نکل آیا ہے اور سورج کی کرنوں سے پہاڑوں پر پڑی برف کرسٹل اور چاندی کی طرح چمکتی نظر آ رہی ہے لیکن ساتھ ہی ٹھنڈی اور یخ بستہ ہوا بھی چل رہی ہے۔ جس کی وجہ سے دھوپ کے باوجود سردی کی شدت میں کوئی خاص کمی نہیں ہوئی۔ آج سب سے پہلی منزل سوات کا زلزلہ زدہ علاقہ شاموزئی ہے۔ جہاں 26 اکتوبر کے زلزلے نے خاصی تباہی مچائی۔ 20 کچے گھر زلزلے کے پہلے جھٹکے میں زمین بوس ہو گئے۔

شاموزئی میں علاج اور خدمت:

مینگورہ سے شاموزئی کا فاصلہ تو کوئی زیادہ نہیں مگر راستے میں ٹریفک اور رش کی وجہ سے پہنچنے میں گھنٹہ سے زیادہ وقت صرف ہوگیا۔ شاموزئی کے تھانے میں بری کوٹ کی پوری انتظامیہ بشمول تحصیل ناظم گوہر ایوب اور پولیس کے آفیسران استقبال کے لیے موجود تھے۔ سب بڑی محبت سے ملے۔ اسسٹنٹ کمشنر نے یہ کہہ کر خوش کر دیا کہ میں آج سارا دن آپ کے ساتھ گذاروں گا۔ فوری طور پر شاموزئی کے سب سے زیادہ متاثرہ علاقے گمکوٹ کا رخ کیا۔ جہاں ایک سکول کی عمارت میں کیمپ شروع کر دیا۔ یمنیٰ، زہرہ، اسماء اور عبیر بچوں کے تحائف، کپڑے لے کر ایک طرف بیٹھ گئے۔ ڈاکٹر اویس اور شہروز نے بھی مریض دیکھنا شروع کر دیئے۔ زہرہ اور یمنیٰ میڈیکل سٹوڈنٹ ہونے کے ناتے خواتین کی بیماری کی ہسٹری لکھ کر اور ڈاکٹر اویس کو بھجواتیں تاکہ وہ دوائیں لکھ کر مریضوں کو سہیل کے پاس دوائیں لینے کے لیے بھیجے۔ بچیوں کو تحائف ملنے لگے تو ایک دم مجمع لگ گیا۔ بچیوں نے ماہ نور، آمنہ اور یمنیٰ کو گھیر لیا اور مزید تحائف کی ڈیمانڈ ہونے لگی۔ دیکھتے ہی دیکھتے مریضوں کا جم غفیر اکٹھا ہوگیا۔ عورتیں، مرد، بچے اور بچیاں سب علاج کے لیے آ گئے۔ نئی اُمید فاؤنڈیشن اور روبینہ اختر کی طرف سے آئے ہوئے کپڑے اور تحائف بٹنے شروع ہوگئے۔ 200 مریضوں کو چیک کر کے اور دوائیں دے کر فارغ ہوئے تو امجد نے کہا ڈاکٹر صاحب اُوپر پہاڑوں پر چلتے ہیں۔ آپ کو زلزلے کی تباہ کاریوں دکھاتے ہیں۔ تھوڑی سی دیر جا کر پہاڑوں کے اوپر جا کر دیکھا تو یوں لگا جیسے بمباری سے سارے گھر تباہ و برباد ہوئے ہیں۔ ایک ہی قطار میں 18، 19 گھر تھے جو زلزلے کے پہلے جھٹکے میں زمین بوس ہوگئے۔

بیٹی، شادی اور موت:

سید افتخار کی بیٹی نبیلہ کچھ دنوں سے شادی کے خواب دیکھ رہی تھی۔ سب تیاریاں مکمل تھیں۔ باپ اپنی غریبی کے باوجود اپنی بیٹی کے لیے نت نئی چیزیں بنا رہا تھا۔ غریبوں کے دل میں بھی بڑے ارمان ہوتے ہیں۔ غریب باپ، بیٹی کے سارے ارمان پورے کرنے کی اپنے تئیں کوشش کر رہا تھا۔ شادی کا لال سوہا جوڑا بھی بن چکا تھا۔ 26 اکتوبر کو بھی باپ مزدوری پہ جانے سے پہلے بیٹی کی طرف محبت اور پیار بھری نظر ڈال کر گیا۔ جان سے پیاری بیٹی نے چھ دن بعد پیا گھر سدھارنا تھا۔ اس بات کی خوشی تھی مگر ساتھ ہی بیٹی کی جدائی کا بھی غم تھا۔ 26 اکتوبر کی دوپہر آئی۔ بیٹی سدا کے لیے جدا ہوگئی۔ شادی سے پہلے ہی خون کا لال سوہا جوڑا پہن لیا۔ زلزلے کے پہلے جھٹکے میں گھر سے نکلنے کی کوشش کی۔ دروازے کے قریب پہنچی تھی کہ ساتھ والی دیوار اس کے اوپر آن پڑی۔ بیٹی پیا گھر جانے سے پہلے اللہ کو پیاری ہوگئی۔ باپ ابھی تک 2 ماہ گذرنے کے باوجود اداس اور غم سے

نڈھال تھا۔ کیمپ میں آیا۔ بیٹی کی کہانی سنا کر زار و قطار رو پڑا۔ اسے پرسہ دیا۔ ریلیف اشیاء دیں۔ شاید کچھ غم غلط ہوا ہو۔

گمکوٹ کی گلیاں اور وزیر اعظم نواز شریف:

زلزلے کے فوراً بعد وزیر اعظم نے زلزلہ زدہ علاقوں کے طوفانی دورے کیے۔ شاموزئی بھی وزیر اعظم کا آنا ہوا۔ گمکوٹ کے زلزلہ زدہ علاقہ کی جن گلیوں میں جا کر زلزلہ زدگان میں ریلیف اشیاء تقسیم کر رہے تھے وہاں 27 نومبر کو وزیر اعظم پاکستان آئے تھے اور ان علاقوں کے عوام کی اشک شوئی کی تھی۔ فوراً مکانوں کا سروے ہوا اور متاثرین کو گھروں کی تعمیر کے لیے چیک دیئے گئے۔ گمکوٹ کے متاثرہ علاقے کے تمام متاثرین موجود تھے۔ ان سب میں رضائیاں، نئی جیکٹیں، بلقیس سرور فاؤنڈیشن کی طرف سے دی گئی خوبصورت ترپالیں اور دوسری اشیاء تقسیم کیں۔ اے سی بری کوٹ اس دوران اپنی پوری ٹیم کے ساتھ ہمارے ساتھ رہے۔ واپسی کا رخ کیا تو امجد اور ساتھی راہ روک کر کھڑے ہو گئے۔ ہم نے آپ کے لیے کھانا تیار کیا ہے۔ کھائے بغیر آپ جا نہیں سکتے۔ پٹھانوں کی مہمان نوازی قابل رشک ہے اور سوات کے لوگ تو بہت ہی میٹھے اور ملنسار ہیں۔ ہر ایک سے پیار، محبت اور عاجزی سے ملتے ہیں۔ سامان کی تقسیم کے دوران بھی کسی قسم کی کوئی ہلڑ بازی نہ ہوئی۔ جس کو جو ملا اس نے ہنسی خوشی قبول کر لیا۔ امجد کے گھر سے پراتوں میں سجی گرما گرم بریانی آ گئی جس کو سب دوستوں نے تھوڑا تھوڑا چکھنے پر اکتفا کیا مگر بریانی اتنی لذیذ تھی کہ چکھتے چکھتے ہاتھ نہ رُک رہے تھے۔ پٹھانوں کا کھانے کا طریقہ عین سنت کے مطابق ہے ایک پرات کے اردگرد سب بیٹھ جاتے ہیں اور مل کر کھاتے ہیں۔

زرخیلہ میں علاج اور خدمت:

اے سی بری کوٹ محمد فہیم اور ناظم گوہر ایوب نے کہا تھا کہ زرخیلہ کا علاقہ بھی زلزلے سے خوب متاثر ہوا مگر وہاں ریلیف اشیاء بہت کم پہنچائی گئی ہیں۔ لوگ بیمار ہیں اور منتظر ہیں امدادی ٹیموں کے۔ شاموزئی سے فارغ ہو کر زرخیلہ کا رخ کیا۔ جہاں ایک سکول کی عمارت میں کیمپ شروع کر دیا۔ یمنیٰ، ماہ نور، زہرا اور آمنہ نے بچوں میں تحائف بانٹنا شروع کر دیئے۔ شروع میں مریض کم تھے مگر آہستہ آہستہ ہر طرف سے چھوٹے بڑے بچے بچیاں مرد اور عورتیں اور مرد علاج کے لیے آنا شروع ہو گئے۔ ڈاکٹر اویس، راقم اور ڈاکٹر شہروز کو مریضوں نے گھیر لیا۔ عبدالرؤف، تازہ گل اور محمد فہیم اسے سی ریلیف اشیاء کی تقسیم میں لگ گئے۔ پیارے پیارے سرخ گالوں اور نیلی آنکھوں والے بچے بھی آ گئے۔ ان سب میں تحائف تقسیم کیے۔ سردی کی وجہ سے بچوں میں چھاتی کا انفیکشن، بخار، اور نزلہ وغیرہ کی تکالیف تھیں۔ عورتوں میں معدہ کی جلن، ٹانگوں میں درد،

کمزوری اور جسم میں دردوں کی تکالیف تھیں۔ سہ پہر تک 300 مریضوں کا چیک اَپ اور علاج ہوا۔ خدمت اور علاج کی ٹیم جب بھی کہیں جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ کئی طریقے سے اعزاز فرماتے ہیں۔

بری کوٹ، دعوت شیراز اور پاکستان زندہ باد کے نعرے:

امجد نے گمکوٹ میں گرما گرم بریانی سے تواضع کی تھی یہاں زرخیلہ میں گوہر ایوب ناظم نے تو دعوت شیراز کا اہتمام کر رکھا تھا جس میں مختلف النوع کے مزیدار اور گرم کھانے موجود تھے۔ فارغ ہوئے ہی تھے کہ کھانا لگ گیا۔ صبح سے کام کر کے سب ساتھی تھکے ہوئے تھے۔ اس لیے سب نے ڈٹ کر کھانا کھایا۔ کھانا تھا ہی بہت لذیذ اور دوسرے پٹھانوں کے برعکس مصالحہ دار تھا۔ کھانا کھانے کے بعد دن کے تیسرے کیمپ کے لیے بری کوٹ کے محلّہ فضل داد کالونی کا رخ کیا جہاں دور پہاڑوں سے اتر کر آئے ہوئے زلزلہ متاثرین پچھلے کئی گھنٹے سے ہمارے منتظر تھے۔ بری کوٹ کے کئی گاؤں زلزلہ سے متاثر ہوئے۔ جن میں کانڈا کے، جہانگیر، بلوکلے، تارگئی، گمکوٹ، زرخیلہ وغیرہ شامل ہیں۔ امجد اور ساتھیوں نے صبح سے ہی اعلان کر رکھا تھا۔ شاموزئی سے بری کوٹ پہنچے تو فضل داد کالونی میں متاثرہ علاقوں سے آنے والے مردوں اور عورتوں کی ایک کثیر تعداد جمع تھی۔ جاتے ہی کیمپ شروع کر دیا۔ مریضوں نے گھیراؤ کر لیا۔ ڈاکٹر اویس نے اندر بیٹھ کر عورتوں اور بچیوں کو چیک کرنا شروع کیا جبکہ راقم نے باہر دھوپ میں اپنا میز لگا لیا۔ کیمپ کا سلسلہ مغرب کی نماز تک چلتا رہا اور نماز تک 550 مریضوں کا علاج اور خدمت کر کے آگے بڑھے۔ واپس چلنے لگے تھے کہ بچوں کی کثیر تعداد جمع ہو گئی۔ سب بچوں میں تحائف تقسیم کیے۔ بچوں نے خوش ہو کر پاکستان زندہ باد کے فلک شگاف نعرے لگائے جس سے دل خوش ہو گیا اور سارے دن کی تکان اُتر گئی۔ شام کے سائے گہرے ہونے تک سردی کی شدت میں اضافہ ہو گیا۔ ہاتھ پاؤں منجمد ہونے لگے۔ سارے دن کے کام کے بعد رات گئے ہلٹن ہوٹل پہنچے۔ گاڑی سے اترے۔ ٹھنڈی یخ ہوا کے تھپڑوں نے استقبال کیا۔ ہوٹل کے لان میں ہلکی سی برف پڑی ہوئی نظر آ رہی تھی۔

شانگلہ کے طالب علموں اور متاثرین کے لیے ریلیف:

شانگلہ کے محمد یوسف کے کئی دن سے فون آ رہے تھے۔ زلزلہ سے متاثرہ اپنے گاؤں کے لیے کچھ کرنے کا کہہ رہے تھے۔ محمد یوسف کا تعلیم سے تعلق ہے۔ اس لیے ان کا زیادہ زور اس بات پر تھا کہ بچوں کے لیے سکول بیگز، جیومیٹری بکس اور گرم کپڑے مل جائیں۔ یوسف شاہ سے مسلسل رابطہ تھا۔ انہیں ہمارے سوات آنے کی خبریں بھی مل گئیں اور وہ جمعرات کی رات ہلٹن ہوٹل پہنچ گئے اور آتے ہی پھر ریلیف اشیاء کے لیے گذارش کرنے لگے۔ سہیل فدا اور عبدالرؤف نے ان کو ریلیف اشیاء دیں تو وہ خوشی خوشی واپس پلٹے۔ بعد میں

یوسف شاہ نے ریلیف اشیاء کی تقسیم کی مفصل رپورٹ تصاویر کے ساتھ بھیجی جس کے مطابق تمام ریلیف اشیاء شانگلہ کے طالب علموں اور متاثرین میں تقسیم کر دی گئیں۔

رات کا کھانا قربان ہوٹل کی کھلی چھت میں ٹھنڈی ہواؤں اور یخ بستہ فضاؤں میں کھایا۔ یمنیٰ نے بتایا کہ بابا درجہ حرارت نقطہ انجماد سے 3 درجے نیچے ہے۔ سردی ہڈیوں میں گھستی جا رہی تھی مگر گرما گرم اور مزیدار کھانا کھا کر سردی سے کچھ دیر کے لیے نجات ملی۔ قربان ہوٹل میں چھوٹے چھوٹے ہٹ نما کمرے بنے ہوئے ہیں اور اوپر ہٹ نما کھلا ہال ہے۔ یخ بستہ فضاؤں کا دریا کے کنارے نظارہ بھی کریں اور کھانا بھی کھائیں۔ سردی اتنی ہے کہ نان تندور سے نکلنے سے آپ کے ٹیبل پر آتے آتے ٹھنڈے ہو جاتے ہیں۔ سردی ہونے کے باوجود آج مینگورہ میں خوب رش ہے۔ ہلٹن پیلس ہوٹل کے بھی سارے کمرے بک ہو چکے ہیں۔ لوگ دور دراز سے موسم کا لطف اٹھانے اور برف باری دیکھنے کے لیے جوق در جوق سوات آ رہے ہیں۔ سارا دن کام کر کے ساتھی تھکے ہوئے تھے۔ ہوٹل آ کر جلدی سب نیند کی وادیوں میں کھو گئے۔

بچوں میں خدمت خلق کا جذبہ:

مینگورہ کی ایک اور ٹھنڈی اور یخ بستہ صبح کا آغاز ہے۔ شکر ہے آج گرم پانی دستیاب ہے۔ ہاتھ پانی سے لگتے ہی منجمد سے ہو جاتے ہیں۔ صبح سویرے اُٹھ کر تہجد کی نماز ادا کی۔ اللہ پاک کا شکر ادا کیا جس نے سردی کے اس موسم میں دور دراز پہاڑوں کا سفر کر کے اپنے بندوں کی خدمت کی توفیق دی۔

الحمدللہ! اس سفر میں اسماء کے علاوہ یمنیٰ، ماہ نور، حذیفہ اور ان کے کزنز، زہرہ، آمنہ، عبیر، نعمان، شہروز اور اویس بھی ساتھ ہیں۔ سب بڑے جذبے اور محبت کے ساتھ متاثرین کی خدمت میں مصروف ہیں۔ بچوں کو لانے کا مقصد ہی یہی ہے کہ ان میں خدمت خلق کا جذبہ پیدا ہو اور ان میں یہ احساس اجاگر کیا جائے کہ زندگی کا اصل مقصد اوروں کے کام آنا ہے اور اسلام کی بنیادی تعلیمات میں مخلوق خدا کی خدمت سب سے اہم ہے۔ ان شاء اللہ آج کا دن بحرین میں گذرے گا۔ چھ بجے سب کو جگایا۔ فجر کی اذان دی۔ سب بچوں نے نماز ادا کی۔ حافظ حذیفہ کی تلاوت نے ایک دفعہ پھر سماں باندھ دیا۔ اللہ کا شکر ادا کیا جس نے اتنی دور دراز پہاڑوں میں آ کر اپنے بندوں کی خدمت کی توفیق دی۔

دریائے سوات کے کنارے صبح کی سیر:

فجر کے بعد دریائے سوات کے کنارے اسماء اور عبیر کے ساتھ خراماں خراماں سیر کی۔ آج مطلع ابر آلود ہے۔ پہاڑوں پر بدستور برف پڑی ہوئی ہے۔ اتنے خوبصورت مناظر ہیں کہ آنکھیں خیرہ ہو جاتی ہیں اور قرآن

پاک کی آیت ''فبای الا ای ربکما تکذبن (ترجمہ) اور تم اپنے رب کی کونسی کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے''، یاد آ جاتی ہے۔ ہلٹن ہوٹل والوں کے پاس قرآن پاک نہیں تھا۔ دریا کے کنارے چھوٹی سی خوبصورت مسجد میں بیٹھ کر سورہ کہف کی تلاوت کی جس کے بڑے فضائل ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو بندہ جمعہ کے دن فجر کے بعد سورہ کہف کی تلاوت کرے۔ اللہ تعالیٰ اس کے ہفتہ بھر کے کام بنا دے گا۔ اس بات کا خصوصی طور پر مشاہدہ کیا کہ جب بھی جمعہ کے دن سورہ کہف کی تلاوت کی پورے ہفتے اللہ کا فضل شامل حال رہا۔

آج ان شاء اللہ بحرین جانے کا ارادہ ہے۔ جہاں سہیل فدا کی زیر نگرانی لاہور سوات ماڈل سکول کمیونٹی سنٹر اور مرکز صحت چل رہے ہیں۔ بحرین میں 2010ء کے سیلاب زدگان کے لیے گھر بھی بنوائے تھے۔ سب بچے تیار ہو گئے تو ہوٹل سے روانہ ہوئے۔ ہلٹن ہوٹل میں قیام بڑا شاندار رہا۔ 25 دسمبر قائداعظم کا یوم ولادت ہے۔ اسی مناسبت سے آج لاہور سوات ماڈل سکول میں ایک پروگرام رکھا تھا جس میں بحرین میں لاہور سوات ماڈل سکول کے بچوں نے بانی پاکستان قائداعظم کے بارے میں تقاریر کرنا تھیں۔

سوات کی حسین وادیاں اور دریائے سوات کا رنگ بدلتا پانی:

سوات کے عوام کی خدمت کرتے ہوئے 7، 8 سال ہو گئے ہیں۔ 2009ء سے لے کر اب تک تواتر کے ساتھ مینگورہ، سوات، کالام، شانگلہ، بحرین آنے اور آفت زدوں کی خدمت اور علاج کا موقع ملا۔ مصیبت کی ہر گھڑی میں اللہ نے پاکستان کے خوبصورت علاقے کے خوبصورت لوگوں کی خدمت کرنے کی توفیق عطا کی۔ 2009ء میں پاکستان آرمی نے آپریشن راہ نجات کا آغاز کیا۔ لاکھوں سواتی اپنا گھر بار چھوڑ کر مردان صوابی اور نواحی علاقوں میں آئے۔ اس وقت سوات کے باسیوں کی مردان اور صوابی اور گرد و نواح میں جا کر خدمت کی۔ 2010ء میں سیلاب آیا۔ بحرین، مدین، شانگلہ اور سوات کے تمام علاقوں میں پہنچ کر سیلاب زدگان کی خدمت کی۔ میڈیکل اور ریلیف کیمپوں کے علاوہ بحرین میں سیلاب زدگان کو خوبصورت گھر بنا کر دیئے۔ گذشتہ 3 سال سے بحرین میں لاہور سوات ماڈل سکول، ڈسپنسری، کمیونٹی سنٹر، کمپیوٹر سنٹر کامیابی سے چل رہے ہیں۔ سہیل فدا نے اپنا تن من دھن اس سکول پر قربان کیا ہوا ہے۔ مینگورہ سے آ کر بحرین میں ڈیرہ لگایا ہوا ہے۔ مینگورہ کی خوبصورت لیکن ٹھنڈی اور یخ فضاؤں سے صبح 9 بجے کے قریب نکلے۔ فضا گٹ بائی پاس سے ہوتے ہوئے چار باغ، خوازہ خیلہ، مدین سے ہوتے ہوئے بحرین کی طرف عازم سفر ہوئے۔ آج صبح سے مطلع ابر آلود ہے۔ بل کھاتی خوب صورت وادیوں سے گزرتے ہوئے، برف کی سفید چادر اوڑھے پہاڑوں اور قدرت کے حسین اور دلفریب مناظر کا نظارہ کرتے ہوئے، بحرین کی جانب بڑھ رہے ہیں۔ سڑک کے ایک

جانب دریائے سوات رواں دواں ہے۔ دریا کا پانی کہیں صاف شفاف ہے، کہیں سبز اور کہیں نیلا یہ اللہ کی قدرت ہے۔ پتھروں سے ٹکراتا پانی تیزی کے ساتھ شور مچاتا چل رہا ہے۔ دریا کے اوپر پہاڑوں پر اور بعض جگہوں پر نیچے بھی برف کی دودھیا سفید چادر تنی ہوئی ہے۔ راستہ میں ناشتہ کیا۔ دو گھنٹے میں سوات کی خوبصورت اور دلفریب وادیوں کا سفر کر کے بحرین پہنچے۔ بحرین میں دو دن پہلے برف باری ہوئی تھی۔ راستے میں کئی جگہ بچوں نے گاڑیاں رکوائیں اور حسین مناظر کا نظارہ کیا۔

سہیل فدا، یوم قائداعظم اور سپنا:

لاہور سوات ماڈل سکول میں سہیل فدا نے میلہ سجایا ہوا تھا۔ خوبصورت بچے اور بچیاں جمع تھے۔ علاقے کے عمائدین بھی موجود تھے۔ آس پاس کے سکولوں کے بچے بھی تھے۔ بچوں نے بآواز بلند سب کو خوش آمدید کہا۔ ٹیچرز نے بڑی محنت سے بچوں کو تیار کیا ہوا تھا۔ بچوں نے بڑے اعتماد کے ساتھ قائداعظم کی زندگی اور تعلیمات پر تقاریر کیں۔ بڑے جوشیلے اور خطیبانہ انداز میں تقریر کر رہے تھے۔ سپنا احمد اور ساتھی بڑی مہارت سے کمپیئرنگ کر رہی تھیں۔ یمنیٰ اور زہرا بطور جج بچوں کی تقاریر سن رہی تھیں تا کہ اول، دوم، سوم آنے والوں کو انعامات دیں۔ تقاریر ختم ہوئیں تو سہیل فدا نے راقم کو بلایا۔ ایک پیاری سی بچی حرا بلند آواز میں احتجاج کرتی آ گئی۔ میں نے اتنی محنت کی۔ مجھے تقریر کیوں نہیں کرنے دی گئی۔ میرے ساتھ زیادتی ہوئی ہے۔ اپنی تقریر سے پہلے حرا کو بلا لیا۔ اس نے انگریزی زبان میں قائداعظم کی شخصیت پر پراثر تقریر کی۔ اس کا لہجہ بہت ہی پراعتماد تھا۔ اس کی تقریر سب کو پسند آئی اور سب نے اسے داد دی۔ یمنیٰ اور زہرا نے بھی اس بچی کی تقریر کو اول قرار دیا۔ بچوں کو کیش انعامات دیئے گئے اور خوشیاں بانٹی گئیں۔ ماہ نور اور آمنہ نے بچیوں میں خوبصورت تحائف بانٹے۔ حذیفہ اور عبیر نے بھی بچوں میں جیومیٹری بکس اور سکول کے بستے تقسیم کیے۔

سکول کے بچوں میں بھی جیکٹیں تقسیم کی گئیں۔ سپنا نے بڑی اچھی کمپیئرنگ کی۔ اسے بھی انعام ملا۔ انعام ملنے ہی میرے پاس آ گئی۔ مجھے آپ سے ملنا ہے۔ بڑی باتیں کرنی ہیں۔ آپ کی ساری کتابیں پڑھی ہیں۔ باقی کتابیں مجھے بھجوائیں۔ سپنا نے فرداً فرداً ٹیم کے سارے ارکان سے اپنی نوٹ بک میں آٹوگراف لیے اور سب کے ساتھ تصاویر بنوائیں۔ سپنا کا معصوم اور بیساختہ پن سب کو بھایا۔ سکول کے بچوں اور بچیوں میں تحائف تقسیم کیے گئے تو وہ سب خوشی سے نہال ہو گئے اور انہوں نے بآواز بلند ساری ٹیم کا شکریہ ادا کیا۔

حرا اور حرین:

پورے پروگرام کے دوران ننھی گڑیا حرین سب کی آنکھوں کا مرکز بنی رہی۔ تین سال کی حرین نے

اپنی خوبصورت اداؤں اور فرشتوں جیسی مسکراہٹ سے ٹیم کے سارے ارکان کو متاثر کیا۔ جو بھی اسے بلاتا دوڑ کر اس کے پاس جاتی۔ ذرا سی دیر میں یوں گھل مل گئی جیسے برسوں سے آشنائی ہو۔ یمنیٰ، ماہ نور، عبیر، زہرہ اور یمنیٰ کے علاوہ ٹیم کے سب ساتھیوں نے حرین کے ساتھ تصاویر بنوائیں۔

کچھ بیوگان بھی آ گئیں ان میں ریلیف اشیاء تقسیم کی گئیں۔ حرا انعام لے کر سیدھی میرے پاس آئی شکریہ ادا کیا۔ اس کو شاباش دی اور ساتھ ہی گُر کی بات بتائی کہ اپنے جائز حق کو حاصل کرنے کے لیے فوراً بولنا چاہیے۔ اسی بولنے کے باعث اسے آج پہلا انعام ملا۔ پروگرام سے فارغ ہو کر مسجد میں جمعہ کی نماز ادا کی۔ ڈپٹی کمشنر سوات نے یہاں بھی اسسٹنٹ کمشنر کامران اور پولیس کی ڈیوٹی لگائی ہوئی تھی۔ نوجوان اے سی اور اس کے ساتھی بڑی محبت سے ملے اور زلزلہ زدگان کے ریلیف کے لیے شکریہ ادا کیا۔ بحرین سے فارغ ہوئے تو مشورہ سے طے پایا کہ کالام جایا جائے۔ بحرین سے کالام کا فاصلہ تو زیادہ نہیں لیکن سڑک تنگ یک طرفہ اور جگہ جگہ لینڈ سلائیڈنگ کی وجہ سے ٹوٹی ہوئی ہے۔ جس کی وجہ سے کالام پہنچنے میں خاصا وقت صرف ہوتا ہے۔ 2004ء میں پہلی دفعہ بچوں کے ساتھ کالام کا چکر لگا تھا۔ 2010ء کے سیلاب کے دوران کئی دفعہ جانے کی کوشش کی مگر سڑک خراب ہونے کی وجہ سے نہ جا سکے۔ مدین میں ہی 2004ء میں اسلم مروت سے مڈبھیڑ ہوئی تھی اور اس وقت سے لے کر اب تک اسلم مروت سے کشمکش جاری ہے۔ اس نے پیچھا چھوڑا اور نہ ہم نے اسے چھوڑا اگرچہ کئی دفعہ چھوڑنے کی نوبت آ چکی ہے۔ کالام کی خوبصورت اور پرکشش وادیوں کی طرف جانے کے خیال سے سب بچے اور ساتھی بہت پرجوش تھے اگرچہ سردی سے سب کے دانت بج رہے تھے اور جمعہ کی نماز کے وقت وضو کرتے ہوئے ٹھنڈے پانی نے سب کے ہاتھ پاؤں سن کر دیئے اور ایسے لگا کہ ہاتھ اور پاؤں جسم کا حصہ ہی نہیں ہیں۔

کالام کی جنت نظیر وادیاں:

کالام کی خوبصورت وادیاں ہیں۔ گرین ہل ہوٹل کے کمرہ نمبر 114 میں خاندان کے سب افراد جمع ہیں۔ ہوٹل کی بالکونی اور پارکنگ میں برف کی سفید چادر تنی ہوئی ہے۔ سردی اس شدت کی ہے کہ سر کے بالوں سے لے کر ٹخنوں تک سردی ہڈیوں اور جسم کے پٹھوں میں سرایت کرتی جا رہی ہے۔ ابھی ابھی کھانے سے فارغ ہوئے ہیں۔ کھانے کے بعد بچے اور بڑے ہیٹر کے گرد بیٹھے ہیں۔ گرما گرم چائے اور گرم انڈے کھا کر ذرا سی گرمی حاصل ہوئی ہے۔ کالام کی سڑکوں، دالانوں، گھروں، بیٹھکوں، کھیتوں، کھلیانوں، گاڑیوں، درختوں، جانوروں پر برف ہی برف نظر آ رہی ہے۔ انسانوں پر اگرچہ برف نظر نہیں آ رہی لیکن سردی کے مارے سب کے ہاتھ پاؤں جمے ہوئے ہیں اور منہ سے بھاپ نکلتے ہوئے بھی فوراً جم جاتی ہے۔ یمنیٰ نے موبائل سے چیک کر

کے بتایا کہ درجہ حرارت منفی 5 کے قریب ہے۔ چائے کمرے میں آتے آتے ٹھنڈی ہو جاتی ہے۔ ہوٹلوں کے نلکوں میں پانی نہیں آ رہا۔ درجہ حرارت منفی ہو جائے تو پانی کا نظام بند کر دیا جاتا ہے کیونکہ پائپوں کے پھٹنے کا خدشہ ہوتا ہے۔ باتھ روم میں ٹھنڈا یخ پانی بالٹی بھر کے دیا جاتا ہے۔ ہر ہوٹل میں ایک کمرہ میں پائپ لگا کر پانی گرم کرنے کا انتظام ہوتا ہے۔ بڑے سے گیزر کے نیچے لکڑیاں جلا کر پانی گرم کیا جاتا ہے۔ لکڑیوں کی سپلائی جاری رہے تو پانی گرم رہتا ہے اور گیزر والا کمرہ بھی گرم رہتا ہے۔ ڈائمنڈ ہوٹل کے ہاٹ روم میں مغرب کی نماز پڑھی تو تھوڑا سا چین نصیب ہوا۔ بحرین سے کالام تک کے راستے میں بھی ہر طرف برف ہی برف تھی۔

زکریا کاکا، لائی کوٹ اور رضائی:

لائی کوٹ کے قریب چھوٹی سے مسجد نظر آئی۔ گاڑیاں خود بخود رُک گئیں۔ زکریا کاکا نظر آیا بابا پریشان تھا۔ سخت سردی میں اس کے پاس رضائی نہ تھی۔ پچھلا سال گذر گیا اس دفعہ امید تھی کہ اللہ کہیں سے انتظام کر دے گا۔

زکریا بابا نے کہا آ جائیں واش روم بھی ہے۔ اس کے بیٹے نے گرم پانی دیا۔ سب نے گرم پانی سے وضو کیا۔ مسجد کے گرم کمرے میں حافظ حذیفہ کی اقتداء میں عصر کی نماز ادا کی۔ زکریا کاکا کو رضائی دی تو اس نے آسمان کی طرف دیکھ کر اللہ کا شکر ادا کیا کہ اس کے لیے رضائی لاہور سے چل کر کیسے کالام کی ٹھنڈی وادیوں تک پہنچی اور کیسے ڈاکٹر کے دل میں زکریا کاکا کو رضائی دینے کا خیال کیا۔ اللہ ہی سب کا نگہبان ہے۔ وہ سب کی سنتا ہے۔ سب کے بگڑے کام بناتا ہے۔ اب اس رضائی کا قصہ سنیں۔ یہ رضائی ان رضائیوں میں شامل تھی جو آنٹی اشرف النساء کے توسط سے روبینہ اختر نے بھجوائیں۔ سارا سامان گذشتہ تین دنوں میں شاموزئی، گمکوٹ، زرخیلہ، بری کوٹ، بحرین میں تقسیم ہو چکا تھا مگر یہ رضائی لائی کوٹ کے زکریا کاکا کی منتظر تھی۔ بابا کو کھانسی اور زکام تھا۔ چیک کر کے دوائی بھی دی اور کیش بھی دیا۔ بابا خوش ہو گیا اور اس نے آسمان کی طرف ہاتھ اُٹھا کر دعائیں دیں۔

چینی سیاح اور لائی کوٹ کے پتھر:

کریم بخش نے بتایا کہ لائی اطالوی زبان کا لفظ ہے۔ جس کا مطلب ہے دو پتھر۔ ان پتھروں کا قصہ یہ ہے کہ تین سو سال پہلے ایک چینی سیاح کا اس علاقے میں گذر ہوا۔ اس وقت یہ پہاڑ مٹی کے ٹیلوں کی صورت میں تھے اور اس پہ یہ دو پتھر ایسے لگ رہے تھے جیسے دوستون ہوں اور اپنی جگہ سے سرکنے والے ہوں۔ چینی سیاح نے سوچا کہ پتھر گریں گے تو وہ اس منظر کو کیمرے کی آنکھ میں محفوظ کرے گا۔ وہ پہاڑ کے پاس مچان بنا کر

بیٹھ گیا اور چالیس دن تک اس انتظار میں رہا کہ پتھر گریں تو وہ اس منظر کو محفوظ کر لے لیکن پتھر اپنی جگہ سے نہ ہلے پھر اس نے مایوسی میں پتھروں پر فائرنگ بھی کی مگر یہ پتھر اپنی جگہ پر قائم رہے۔ کریم بخش نے لائی کوٹ کے قریب وہ دونوں پتھر دکھائے اور بتایا کہ گذشتہ چار سو سال میں کئی زلزلے آئے خصوصاً اکتوبر 2005ء کا 7.6 ریکٹر سکیل کا زلزلہ اور 26 اکتوبر 2015ء کا 8.1 ریکٹر سکیل کا زلزلہ لیکن مٹی کے پہاڑوں پر یہ اکیلے دو پتھر ویسے کے ویسے اٹکے ہوئے ہیں۔ 26 دسمبر 2015ء کا زلزلہ بھی ان پتھروں کو اُکھاڑ نہ سکا۔ واپسی کے سفر میں بھی یہ پتھر اپنی جگہ پر موجود تھے۔ سیلاب اور زلزوں نے بڑی بڑی عمارتوں اور پہاڑوں کو تہہ و بالا کر دیا۔ زلزلہ میں پہاڑ پھٹ گئے مگر یہ پتھر جوں کے توں اپنی جگہ پر موجود ہیں۔ یہ اللہ کا معجزہ ہے۔ اللہ کی قدرت کے بغیر کچھ نہیں ہوسکتا۔

گھوڑے بیچ کر سونے والا سیاح:

ہوٹل کے ساتھ والے کمرے میں عجیب تماشا ہوا لاہور کا ایک سیاح ایسے گھوڑے بیچ کر سویا کہ اس کے ساتھیوں نے دروازہ کھٹکھٹا کر پورے ہوٹل کو ہلا کر رکھ دیا۔ زور زور سے آوازیں دیں مگر گھنٹوں کوشش کے باوجود کچھ بن نہ پڑا۔ اس کے ساتھیوں نے بتایا کہ اسے بخار تھا۔ ڈاکٹر سے دوائی لی ہے۔ شاید نیند والی گولی کھا کر سویا ہوا ہے۔ اندر سے کنڈی بند تھی۔ سارے جتن کر ڈالے۔ دروازہ پیٹ پیٹ کر اور زور زور سے آوازیں دے کر اس کے سارے ساتھی ہلکان ہو چکے تھے۔ ماہ نور بار بار کہہ رہی تھی کہ بابا اس کا کچھ کریں۔ اللہ خیر کرے اس کو کچھ ہو نہ گیا ہو۔ اب کیا کریں۔ ہوٹل والوں نے روشن دان کے ذریعے بچے کو اندر بھیجا۔ بچے نے روشن دان سے گھس کر اندر بستر پہ چھلانگ لگائی۔ اس کی آواز سے بھی سوئے ہوئے سیاح پر کوئی اثر نہ ہوا۔ بچے نے کنڈی کھولی تو اس کے سارے ساتھی اور ہم سب لوگ اندر داخل ہوئے اس کے ساتھیوں نے آواز دی تو سیاح نے رضائی سے منہ نکال کر کہا کہ کیوں تنگ کر رہے ہو۔ مجھے بخار ہے۔ بندے کی گہری نیند کا اندازہ کر کے حیرانی بھی ہوئی اور ہنسی بھی آئی۔

دریاؤں کے جھولتے ہوئے پل:

عشاء کی نماز کے لیے بڑی مشکل سے وضو کیا۔ پانی جسم سے لگتے ہی اعضا سن ہونے لگتے ہیں اور رگوں میں خون جمتا محسوس ہوتا ہے۔ برف باری اور سخت سردی میں کالام کے باسی کیسے گزارا کرتے ہونگے۔ اس کے بارے میں تصور ہی کیا جا سکتا ہے۔ ہم سب کی تو چند گھنٹوں میں قلفی جم چکی ہے۔ اللہ ہی اپنے بندوں کو حالات کے مطابق گزارا کرنے کی ہمت بخشتا ہے۔ راستے میں چھوٹے چھوٹے بچوں کو عام کپڑے پہنے برف پہ

گھومتے دیکھا۔ بحرین سے کالام تک راستے میں لکڑی کے کئی معلق پل نظر آتے ہیں جو صدیوں سے پہاڑ کے ایک طرف سے دوسری طرف جانے کا واحد ذریعہ ہیں۔ لکڑی کے یہ پل کئی مقام پر خستہ حالت میں ہیں اور ایسے لگتا ہے کہ اب گرے کہ کب گرے۔ ایسے پل شانگلہ میں بھی دیکھے۔ چترال میں بھی، گلگت اور ہنزہ میں بھی۔ ان کا نظارہ کیا۔ ان پلوں کے بارے میں جان بدولف (Jhon Bidulf) اپنی کتاب ''ہندوکش کے قبائل'' جو (مطبوعہ 1880ء) میں لکھتا ہے:

''بعض جگہوں پر دریاؤں کے اُوپر معلق پُل تعمیر کر کے ذرائع آمدورفت کو بحال کیا گیا ہے۔ دریاؤں کو عبور کرنے کا یہ طریقہ اتنا خوفناک ہے کہ مضبوط اعصاب بھی یہاں جواب دے جاتے ہیں۔ یہ پل دریا پر تختوں کی مدد سے اُن مناسب جگہوں پر بنائے جاتے ہیں۔ جہاں دریا چٹانوں کے درمیان بہتا ہے۔ تختوں کو تھوڑے تھوڑے وقفوں کے بعد ایک دوسرے سے جوڑا جاتا ہے۔ ایک تختے کا دوسرے سے تقریباً پانچ انچ کا فاصلہ ہوتا ہے۔ تختوں کی دونوں جانب دو فٹ اونچی ریلنگ بھی بنائی جاتی ہے۔ پل بنانے میں نہ تو کوئی کیل اور نہ ہی کوئی رسہ استعمال کیا جاتا ہے۔ پل کے دونوں سروں کو درختوں کے موٹے موٹے تنوں سے جوڑ دیا جاتا ہے۔ یہ تنے چٹانوں کے نیچے دور تک دبے ہوتے ہیں۔ جب ہوا چلتی ہے تو یہ پل جھولنے لگتے ہیں جس کے باعث ان پر چلنا خاصا تکلیف دہ ہوتا ہے۔ یہ پل بعض اوقات 300 فٹ لمبے ہوتے ہیں جن پر سے گزرتے وقت مضبوط سے مضبوط قوتِ ارادی کا آدمی بھی گھبرا جاتا ہے۔ چونکہ ان پلوں پر زیادہ بوجھ اُٹھا کر نہیں چلا جا سکتا۔ اس لیے یہ درمیان سے جھکے ہوتے ہیں۔ بعض اوقات یوں بھی ہوتا ہے کہ پل کا ایک سرا نیچا اور دوسرا کافی اُونچا ہے۔ جس کے باعث اسے عبور کرنے کی مشکل کئی گنا بڑھ جاتی ہے۔ لیکن جہاں آمد و رفت کم ہو وہاں دو یا تین سال بھی بغیر مرمت کے گزر جاتے ہیں۔ ایسے پل بعض اوقات خطرناک حیثیت اختیار کر جاتے ہیں۔ اگرچہ یہ پل بڑے غیر محفوظ نظر آتے ہیں لیکن مرمت کے بعد ان کی حالت تسلی بخش ہو جاتی ہے اور ان پر حادثات کی تعداد بہت کم ہوتی ہے۔ اس قسم کا ایک پل ایک وقت میں دس بارہ آدمیوں کا بوجھ بآسانی اُٹھا لیتا ہے۔ ان پر چلنے والے عادی لوگ سروں پر کافی بوجھ اُٹھا کر بغیر کسی طرے کے آتے جاتے رہتے ہیں۔ ان پر سے گرنے کا واقعہ شاذ ہی ہوتا ہے۔ میں نے ان پلوں پر سے ایسے آدمیوں کو بھی گزرتے دیکھا ہے جنہوں نے

دوسرے آدمیوں کو اپنی پیٹھ پر لاد رکھا تھا۔ لوگ بھیڑوں اور بچھڑوں کو اپنے کندھوں پر اُٹھا کر ان پلوں پر سے گزرتے رہتے ہیں۔

ان پلوں کا خطرہ اُن پہاڑی راستوں کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں جہاں نوکیلی اور جھکی ہوئی چٹانیں ہوتی ہیں۔ اور ایک چٹان سے دوسری چٹان تک جانے کے لیے کہیں لکڑی کا تنا اور کہیں کوئی جھولتی ہوئی سیڑھی رکھ دی جاتی ہے۔ ان تنوں پر سے گزرتے وقت اگر ایک قدم بھی غلط پڑ جائے تو آدمی موت کا شکار ہو جاتا ہے۔ ایسی جگہوں پر جہاں پہاڑوں کی چوٹیاں سر کرنے والے ماہرین پر بھی کپکپی طاری ہو جائے۔ یہاں کے باشندے گیت گاتے ہوئے اور سیٹیاں بجاتے ہوئے یوں گزر جاتے ہیں جیسے کوئی پہاڑی بکرا ایک پہاڑ سے دوسرے پہاڑ پر چھلانگ لگا کر پہنچ جاتا ہے۔ چین کے قدیم سیاح ان پہاڑوں کے جفاکش کردار سے بڑے متاثر تھے۔ ''فاہیان'' اپنے سفرنامے میں لکھتا ہے۔ ''گہری وادیوں اور نوکیلی چٹانوں نے مسلسل میرا راستہ روکے رکھا۔ یہ پہاڑ چٹانوں کی دیواریں ہیں جن کی بلندی دس ہزار فٹ تک ہے۔ ان کو کنارے سے دیکھا جائے تو نظر اُلجھ جاتی ہے اور جب آپ آگے بڑھتے ہیں تو پاؤں اپنی جگہ چھوڑ دیتے ہیں اور آپ کا توازن بگڑ جاتا ہے۔'' سنگ ین لکھتا ہے ''دس دس ہزار فٹ اونچی چٹانیں یوں نظر آتی ہیں جیسے وہ آسمان سے باتیں کر رہی ہوں۔ اِن راستوں کا مقابلہ اگر اس راستے سے کیا جائے جس کا نام مانگ من ہے تو موخر الذکر ہیچ دکھائی دیتا ہے اور ہیانگ پہاڑوں کا سلسلہ میدانی علاقہ نظر آتا ہے۔''

پہلا حصہ

(ب)

26 اکتوبر 2015ء: شانگلہ اور چترال کا زلزلہ

ڈاکٹر آصف محمود جاہ ایک بیوروکریٹ ہی نہیں، وہ عالمی شہرت یافتہ سماجی سائنسدان کے طور پر بے پناہ احترام کے سزاوار بھی ہیں۔ اُن کا سماجی مقام ہمیشہ نوکر شاہی پر غالب رہے گا۔ زلزلے، زخم اور زندگی اُن کی یہ کتاب مصائب و آلام میں گھری ہوئی انسانیت کے زخموں کا مداوا بھی ہے اور زندگی کرنے کی آرزو بھی۔ جب بھی زلزلے آتے ہیں، زلزلہ زدگان کے لیے امدادی کارروائیوں میں ڈاکٹر آصف محمود جاہ پیش پیش نظر آتے ہیں۔ خالق کائنات کی تخلیق میں جو دلچسپ اور حیرت انگیز بات ہے وہ توازن ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کو بھی توازن کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ لیکن ہم خود اس کائنات کا حسن برباد کرنے پر تلے ہوئے ہیں، ذہنی پراگندگی سے لے کر فضا میں آلودگی تک ہمارا اپنا کیا دھرا ہے۔ زمین لرز رہی ہے اور وہ چلا اُٹھی ہے کہ میرے اوپر چلنے والے انسان کہاں چلے گئے ہیں۔ کیونکہ انسان پیدا نہیں ہوتا آدمی پیدا ہوتا ہے۔ آدمی کو تہذیب انسان بناتی ہے تمدن بناتا ہے۔ مادرِ علمی بناتی ہے، ماں کی گود اور بزرگوں کی فیض کی نظر کایا پلٹ دیتی ہے۔ حضرت انسان بھی پوری کائنات کا خلاصہ ہے۔ باد، نار، آب اور تراب کا توازن بگڑتا ہے تو زلزلے روح کے اندر آجاتے ہیں۔ فشارِ خون میں ادبار و انحطاط کی کیفیت آجاتی ہے۔ اسی لیے کسی شاعر نے بہت خوب کہا ہے کہ:

زندگی کیا ہے عناصر میں ظہورِ ترتیب
موت کیا ہے انہیں اجزا کا پریشاں ہونا

ڈاکٹر آصف محمود جاہ اس گئے گزرے دور میں خوبصورت وقتوں کی حسین و جمیل نشانی ہیں اور یہ کتاب زلزلے زخم اور زندگی ان کے تجربات کا نچوڑ ہے۔ چٹیل میدانوں سے لے کر آسمان کی نیلگوں وسعتوں کو چھوتی ہوئی برف پوش چوٹیاں گواہ ہیں کہ اس عظیم المرتبت مسیحائے ملت نے وہاں تک دوڑ لگائی جہاں دھرتی پانی نہیں دیتی ہے اور اس مردِ درویش نے وہاں میٹھے پانی کے کنوئیں فراہم کیے ہیں اور جدید عہد کے تقاضے پورے کیے ہیں۔ خیمہ افلاک تلے خیموں کی بستیاں بسانے والے آصف جاہ کو معصوم بچے اور بچیاں اپنا سچا مسیحا تصور کرتے ہیں۔ یہ کتاب زلزلہ زدگان کے لیے بھی بڑی خاصے کی چیز ہوگی۔ ڈاکٹر آصف جاہ ایک سادہ مزاج اور سادگی پسند انسان ہیں۔ گرد و پیش کے ماحول کی فضا کو آلودگی سے پاک رکھنا آپ کا طرۂ امتیاز ہے۔ میری دعا ہے کہ مولائے کریم ڈاکٹر آصف محمود جاہ کے لیے آسانیاں اور قلب و روح میں اطمینان افروز خوشحالیاں پیدا فرماتا رہے اور آپ یوں ہی خدمت خلق سے وابستہ رہیں۔ آپ کی مسیحائی کا انداز بالکل انوکھا اور طرز چارہ سازی بھی خوب ہے۔ اس کتاب میں آپ نے زلزلوں کی تعداد اور متاثرین کے حوالے سے نقصانات کا بھی اندازہ لگایا ہے اور ہزاروں بے گھر لوگوں کو اپنے گھر بنا کر دیئے ہیں۔ آخر میں ڈاکٹر آصف محمود جاہ کی دین و دنیا میں کامرانیوں کے لیے رفتارِ کُن کی دعا دیتا ہوں۔ (منشا قاضی)

26 اکتوبر 2015ء کا زلزلہ

کسٹم ہاؤس میں ٹریننگ ورکشاپ جاری تھی۔ میڈیم حذیمہ بخاری لیکچر لے رہی تھیں۔ اچانک سب کچھ ہلتا ہوا محسوس ہوا۔ در و دیوار لرز گئے۔ میڈیم حذیمہ نے کچھ لمحوں کے لیے لیکچر جاری رکھا۔ بہادر خاتون ذرا نہ گھبرائی لیکن جب جھٹکوں نے زور پکڑا، دروازے اور کھڑکیاں چٹخنے لگیں۔ چھت لرزنے لگی اور پورا ہال گھومتا اور لرزتا محسوس ہوا تو جان بچانے کی خاطر سب باہر کی طرف دوڑے۔ کسٹم ہاؤس کے باہر سامنے کی تمام عمارتیں اور بڑے بڑے ٹاور جھولتے نظر آ رہے تھے۔ آسمان پر ہزاروں پرندے شور مچاتے ایک ہی طرف جا رہے تھے۔ آس پاس کھڑی بڑی بڑی گاڑیاں زور زور سے ہل رہی تھیں۔ سامنے لگا موبائل فون ٹاور بار بار لرز رہا تھا۔ ایسے لگتا تھا کہ ابھی گر جائے گا۔ زمین گھوم رہی تھی۔ ایک دم سب کے چہروں پر وحشت طاری ہو گئی۔ سب کو چپ سی لگ گئی۔ ایک جھٹکے کے بعد دوسرا جھٹکا آیا جو پہلے سے زیادہ لرزا دینے والا تھا۔ 1 منٹ 20 سیکنڈ تک زلزلے کے خوفناک جھٹکے آتے رہے اور دل دہلاتے رہے۔ اب ساتھیوں کے منہ پر کلمہ طیبہ، استغفار اور درود شریف کے ورد تھے۔ خوف کے مارے سب کانپ رہے تھے۔

جھٹکے تھمے تو سب کی جان میں جان آئی۔ ساتھ کھڑے کسٹمز کلکٹر مکرم جاہ نے برجستہ کہا کہ ''ڈاکٹر صاحب اب آپ کا کام شروع ہو جائے گا۔'' واقعی اسی لمحے سے کام شروع ہو گیا جو الحمدللہ اب تک بغیر کسی وقفے کے جاری ہے۔ 26 اکتوبر کے زلزلے نے ایک دفعہ پھر پوری قوم کو ہلا کر رکھ دیا۔ تقریباً ڈیڑھ منٹ کے جھٹکوں نے خیبر سے کراچی تک خوف و ہراس کی لہریں پھیلا دیں۔ زلزلے کی لہروں سے ایسے لگ رہا تھا کہ سب کچھ فنا ہو جائے گا۔ ختم ہو جائے گا۔ کچھ بھی باقی نہ بچے گا۔ ابھی ساری عمارتیں ملبہ کا ڈھیر بن جائیں گے اور ہم سب اس کے اندر دفن ہو جائیں گے۔ لیکن اللہ نے کرم کیا۔ جھٹکے تھم گئے سکون ہو گیا مگر خیبر پختونخواہ سے تباہی اور بربادی کی خبریں مسلسل آنا شروع ہو گئیں۔

زلزلہ زدگان کے لیے ریسکیو اور ریلیف:

حسب سابق زلزلے کے فوراً بعد ایک ہی سوچ آئی کہ زلزلہ زدگان کی مدد کے لیے کب اور کہاں پہنچنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نیتوں کے بھید جانتا ہے۔ جونہی ارادہ بنا دوستوں کے فون آنا شروع ہو گئے۔ سب سے پہلے

نیک طینت، نیک سیرت اعجاز سکا صاحب نے فون کیا۔ اسلم مروت اور عبدالرؤف کو فوراً لیڈی ریڈنگ ہسپتال بھیجا کہ وہاں پہنچ کر ہسپتال میں لائے گئے زلزلہ زدگان کی خبر گیری کریں اور اپنی ایمبولینس کے ذریعے مریضوں کو ہسپتال پہنچانے میں مدد کریں۔ زندگی اور شفقت چترال ہی میں تھے۔ چترال میں ابھی سیلاب کی تباہ کاریاں ختم نہ ہوئیں تھیں کہ زلزلے نے کہرام بپا کر دیا۔ غریبوں کے کچے کوٹھے پہلے جھٹکے میں زمین بوس ہو گئے۔ یہ تو اللہ کا کرم ہوا کہ دوپہر کا وقت تھا لوگ پہلے جھٹکے کے بعد ہی گھروں سے نکل آئے۔ اس لیے بہت کم جانی نقصان ہوا۔ لوگوں کو 8 اکتوبر 2005ء کی قیامت یاد آ گئی۔ لیکن یہ زلزلہ اگرچہ شدت (8.1 ریکٹر اسکیل) میں اس سے زیادہ تھا مگر گہرائی 193 کلومیٹر ہونے کی وجہ سے بچت رہی مگر جو جاں سے چلے گئے اور جن کے گھر زمین بوس ہوئے ان کے لیے کسی قیامت سے کم نہ تھا۔ شفقت اور زندگی اگلے دن سامان خوردونوش اور ریلیف گڈز لے کر چترال کے گاؤں بنجال پہنچ گئے۔ پورا گاؤں زمین بوس تھا۔ ہر طرف تباہی و بربادی کی داستانیں تھیں۔ بچے، بوڑھے عورتیں کھلے آسمان تلے پڑے امداد کے منتظر تھے۔ زلزلے نے ان کو چند لمحوں میں گھر سے بے گھر کر دیا۔ الحمدللہ! اس گاؤں میں ہماری ٹیمیں سب سے پہلے پہنچیں اور ایک ایک خاندان کے پاس جا کر ان کو فوری طور پر راشن مہیا کیا اور تسلی دی۔ دوسری طرف مردان سے ہماری ٹیم فوری طور پر لوئر دیر پہنچی اور وہاں جاتے ہی متاثرہ گاؤں میں پہنچ کر میڈیکل کیمپ لگایا۔ متاثرین کی بحالی کا فوری کام شروع ہو گیا۔ دوستوں کا استفسار جاری تھا کہ آپ ابھی تک کیوں نہیں گئے۔ آپ تو سب سے پہلے پہنچنے والوں میں ہوتے ہیں۔ تیاریاں جاری تھیں۔ عطیات کی آمد شروع ہو گئی تھی۔ ذہن میں آیا کہ سید محبوب علی ادھر نہیں ہیں۔ شام ہی کو اُن کا بندہ آ گیا کہ شاہ صاحب نے کینیڈا سے فون کر کے کہا کہ فوراً ڈاکٹر صاحب کو زلزلہ زدگان کے لیے رقم دے کر آؤ۔ مسز ہمایوں سلیم، بہن ارم ناصر اور عظمیٰ عاقب کے فون شروع ہو گئے۔ ایڈن ہومز سے مسز ہمایوں سلیم اپنی ویلفیئر سوسائٹی کی پوری ٹیم، کپڑوں، راشن کے مزدے اور دوسری اشیاء کے ساتھ پہنچ گئیں۔ نئی اُمید فاؤنڈیشن کی آنٹی اشرف النساء نے تو پہلے دن سے رابطہ شروع کر دیا تھا۔ اخوت کلاتھ نیک اور کارکنان ختم نبوت کی طرف سے گرم کپڑے اور دوسری ریلیف اشیاء پہنچ گئیں۔ عظمیٰ عاقب اور عاقب نذیر گرم کپڑوں اور رقم کے ساتھ آئے۔ سجاد شاہ نے دو دن لگا کر بہترین جیکٹیں، بچوں کے لیے تحائف اور گرم چادریں جمع کر لیں۔ اشفاق نے دوائیاں اکٹھی کر لیں۔ اِدھر سے زندگی اور شفقت برابر رپورٹس بھیج رہے تھے کہ چترال میں زلزلے سے پورے کے پورے گاؤں ملیا میٹ ہو گئے ہیں۔ جوں جوں رقم مل رہی تھی اس کی ترسیل جاری تھی۔ وہ دونوں برباد بستیوں میں جا کر راشن بانٹنے میں لگے ہوئے تھے۔ جونہی کسی جگہ پہنچتے۔ راشن بانٹتے تو لوگ بتاتے کہ آپ پہلی دفعہ آئے ہیں۔ سہیل فدا کی قیادت میں ہماری ٹیم سہیل خان، گلشن فرید، عبدالرؤف اور تازہ گل

کے ساتھ لوئر دیر، باجوڑ ایجنسی میں متاثرین کی خدمت میں مصروف تھے۔ ہمیشہ کی طرح ڈاکٹروں کے امام پروفیسر خالد مسعود گوندل نے اپنے وارڈ سے ڈاکٹر معین ارشد کو ہمارے ساتھ جانے کا کہہ دیا۔

لاہور سے سوات:

بدھ کی رات 449 جہانزیب بلاک میں خوب رونق رہی۔ عطیات کے پیکٹ آتے رہے۔ پروفیسر رف رف صاحب نے گلشن اقبال میں آواز لگائی۔ معین شریف رقم کے ساتھ پہنچ گئے۔ کپڑوں کی پیکنگ ساری رات جاری رہی۔ رات گئے لدھے پھدے موبائل ہسپتال کو پرویز اور توفیق کے ساتھ روانہ کیا۔ اسماء اور بچے آفٹر شاکس کی وجہ سے جانے کے بارے میں متفکر تھے۔ یمنیٰ کے امتحانات بھی ہو رہے تھے۔ بابا آپ جائیں۔ میری فکر نہ کریں اللہ خیر کرے گا۔ اسماء پوری رات چیزوں کو سمیٹتی رہی تا کہ کچھ رہ نہ جائے۔ اس موقع پر دادا جان مرحوم یاد آ گئے۔ جنہوں نے کئی سال پہلے تبلیغ کے سفر پر جانے کے لیے بستر تیار کر کے دیا تھا۔ اس کے بعد اللہ نے اپنی مخلوق کی خدمت کے لیے دیر اور دور کے لیے خوب نکالا۔ خیبر سے کراچی تک ملک کا کوئی گوشتہ نہیں جہاں نہ گئے ہوں اور جا کر مصیبت زدوں آفت زدوں کی خبر گیری نہ کی ہو۔ قافلہ تیار ہو گیا اور صبح سویرے ڈاکٹر معین ارشد، جاں نثار ساتھی محمد اشفاق، پنجاب ٹی وی کے کامران سکندر اور محمد اعظم کے ہمراہ سوات کے لیے روانہ ہوئے۔ رات گئے نوروز آباد پہنچے۔ حاجی صاحب اپنے حجرے کے بڑے گیٹ پر کھڑے منتظر تھے۔ آنکھوں میں 2009ء میں سوات کے IDPs اور 2010ء کے سیلاب کا منظر آ گیا۔ 50، 50 بندوں کی ہماری ٹیمیں آتی تھیں۔ حاجی صاحب کا حجرہ بھی بڑا تھا اور دل اس سے بھی بڑا۔ جتنے بھی لوگ آتے، حاجی صاحب کی پوری فیملی مہمانوں کی خدمت کے لیے تیار ہوتی۔ حاجی صاحب فجر کی نماز کے بعد چائے کی کیتلی لیے آ جاتے۔ گرم چائے کی چسکیوں کے ساتھ حالات حاضرہ پہ بحث ہوتی۔ ملکی اور غیر ملکی معاملات پر حاجی صاحب تبصرہ کرتے، دن بھر کی مصروفیات کا شیڈول طے ہوتا اور حاجی صاحب کے مشورے کام آتے۔ وقت گذرتا رہا۔ 2009ء کا IDPs کرائسس ختم ہوا۔ پھر 2010ء میں سیلاب نے تباہی مچائی۔ نوشہرہ اور چارسدہ سوات میں گھر بنانا شروع کیے۔ گذشتہ برسوں میں جب بھی مردان آنا ہوتا بڑے دل والے حاجی صاحب کا حجرہ ہمیشہ ہمارے لیے کھلا ہوتا۔ حاجی صاحب کی ساری فیملی خدمت میں پیش پیش ہوتی بلکہ ان کے بڑے بیٹے محمد اقبال اکثر ہمارے ساتھ جاتے اور خدمت اور علاج کے کام میں معاون بنتے۔ حاجی صاحب کے پاس بیٹھ کر پرانی یادوں کو تازہ کیا۔ 26 اکتوبر کے زلزلے کو یاد کیا۔ حاجی صاحب نے کہا کہ 1948ء میں اس سے بھی بڑا زلزلہ آیا تھا جس کی شدت بھی زیادہ تھی۔ زمین 6 منٹ تک شمالاً جنوباً اور شرقاً غرباً گھومتی رہی۔ زیادہ نقصان اس لیے

نہ ہوا کہ اس وقت آبادی بہت کم تھی اور عمارتیں بھی اتنی نہیں تھیں۔ حاجی صاحب کی معیت میں چند لمحے گزار کر سوات کا رُخ کیا۔ رات گئے مینگورہ سوات پہنچے۔ سہیل فدا کے والد فدا صاحب نے استقبال کیا۔ رات کا قیام مینگورہ میں دریا کے دوسری طرف خوبصورت ہوٹل ہلٹن میں ہوا۔

مینگورہ سے شانگلہ کی یخ بستہ فضاؤں تک:

صبح کا سہانا وقت ہے۔ ہوا میں خنکی ہے۔ فضا میں آڑو، ناشپاتی، سیب اور پھولوں کی خوشبو بسی ہوئی ہے۔ سامنے خوبصورت دریائے سوات رواں دواں ہے۔ سڑکوں پہ رونق ہے۔ چہل پہل ہے۔ سورج کی پہلی شعاع پہاڑوں پر پڑی ہے۔ اللہ میرے ملک کو سلامت رکھے۔ اس کی فوج کو ہمیشہ وطن کی سرحدوں کی حفاظت کے لیے شاد رکھے۔ پاکستان کی بہادر افواج کی قربانیوں کی بدولت سوات اب امن کا گہوارہ ہے، یہاں کے لوگ امن اور سکون سے زندگی گزار رہے ہیں۔ فدا صاحب بتا رہے تھے کہ اب ہر طرف امن، چین، سکون اور سلامتی ہے۔

ابھی سپیدہ سحر طلوع نہیں ہوا۔ شانگلہ کی ٹھنڈی ہواؤں اور پر کیف فضاؤں میں رات گزاری۔ سب ساتھی نیند کے مزے لے رہے ہیں۔ اللہ نے تہجد کے لیے جگا دیا۔ باہر دریا میں پانی چلنے اور پتھروں سے لگنے کی ایک سی جلترنگ سی آواز نے ماحول کو پراسرار، پر کیف اور رومان پرور بنایا ہوا ہے۔ سردی ایسی ہے کہ ہڈیوں میں گھسی جا رہی ہے۔ شانگلہ کے علاقے کہروڑہ میں ہم سید محبوب الرحمان کے وسیع و عریض حجرہ کے ڈرائنگ روم میں محوِ استراحت ہیں۔ دن بھر کی سخت تھکان اور پہاڑوں پہ کام کی وجہ سے سارے جسم کی ہڈیاں چیخی ہوئی ہیں۔ ایسے لگ رہا ہے کہ ایک ہڈی دوسری سے الگ ہے بلکہ یوں کہیئے کہ جسم کا اَنگ اَنگ دُکھ رہا ہے۔ وہ تو بھلا ہو تازہ گل کی مٹھی چاپی کا جس سے جسم کو سکون ملا اور پھر کہیں لیٹنے کے قابل ہوئے۔ میزبانوں نے بھی سب کی حالتِ زار دیکھتے ہوئے جلدی سے شام کا کھانا کھلا دیا۔ عشاء کی نماز مسجد میں ادا کی۔ پٹھان کی میزبانی واقعی ضرب المثل ہے۔ شاہ صاحبان کے سارے صاحبزادے اور وہ خود ہماری میزبانی میں لگے ہوئے تھے۔ گھر کے سارے میٹس اور کمبل رضائیاں لے کر ہمارے لیے بچھا دیں اور پتہ نہیں اہل خانہ نے خود ہڈیوں میں سرایت کرنے والی اس سردی میں کیسے گزارا کیا ہوگا؟ کھانا کھا کر سب ساتھی 9 بجے ہی لیٹ گئے اور جلد ہی نیند کی وادیوں میں کھو گئے۔ ہلٹن ہوٹل سے ناشتہ کر کے صبح سویرے مینگورہ سے عازمِ سفر ہوئے۔ مینگورہ کی سہانی صبح بہت ہی مزیدار تھی۔ سورج کی کرنیں دور پہاڑوں پر پڑ رہی تھیں تو برف سے ڈھکے پہاڑ چاندی کی طرح چمک رہے تھے۔ دریائے سوات اپنی پوری جولانیوں کے ساتھ رواں دواں تھا۔ زندگی اپنی پوری رعنائیوں کے ساتھ

جاری تھی۔ ہوٹل سے نکلتے ہی اندازہ ہو گیا کہ موسم نے انگڑائی لی ہوئی ہے۔ جوں جوں شانگلہ قریب آ رہا تھا توں توں سردی میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ پاؤں سے سردی گھس کر سارے جسم کو متاثر کر رہی تھی۔ سڑکوں اور پہاڑوں کے بیچ تنگ راستوں پر رفیق گاڑی کو خراماں خراماں آگے بڑھا رہا تھا۔ بعض اوقات لگتا تھا کہ پہاڑ گاڑی پر آ گریں گے۔ راستے میں زلزلے کے باعث جگہ جگہ لینڈ سلائیڈنگ کے باعث چھوٹے اور بڑے پتھر گرے ہوئے تھے جن کی وجہ سے راستہ اور بھی دشوار گزار ہو گیا تھا۔ یہ سارے راستے دیکھے بھالے لگ رہے تھے کیونکہ 2010ء کے سیلاب کے دوران اِدھر آنا ہوا تھا۔ شانگلہ اور الپوری کے دور دراز علاقوں میں آ کر خدمت اور علاج کا کام کیا تھا۔ سیلاب زدگان کی بھرپور مدد کی تھی۔ وہ بھی عجیب دن تھے۔ سیلاب کی تباہ کاریوں نے پورے خیبر پختونخوا کو متاثر کیا تھا اور شانگلہ میں پہاڑوں پہ سفر کر کے ریلیف پہنچایا تھا اور متاثرین کی دادرسی کی تھی۔ شانگلہ ٹاپ پر پہنچ کر سردی کی شدت میں اضافہ ہو گیا۔

مینگورہ سے ڈیڑھ گھنٹے سفر کے بعد شانگلہ کے ضلعی ہیڈ کوارٹر الپوری پہنچ گئے۔ شہر میں بھرپور رونق تھی۔ لوگ اپنے اپنے کاموں میں مشغول تھے۔ احساس ہی نہ ہو رہا تھا کہ چند دن پہلے یہاں ایک قیامت گذری تھی جس سے پورا پاکستان عموماً اور شانگلہ خصوصاً لرز اُٹھا تھا۔ اللہ نے انسان کو کمزور پیدا کرنے کے ساتھ مضبوط بھی بڑا بنایا ہے۔ انسان پر مشکلات آتی ہیں مگر ''مشکلیں اتنی پڑیں مجھ پہ کہ آسان ہو گئیں'' کے مصداق یہ ہر مشکل سے نکل کر پھر زندگی کے سفر پر رواں دواں ہو جاتا ہے اور یوں زندگی کا پہیہ رواں دواں رہتا ہے۔ گاڑی سے اترتے ہی ہڈیوں میں سرایت کرتی سردی اور ٹھنڈی ہوا نے استقبال کیا۔ عبدالرؤف، سہیل فدا، سہیل خان، تازہ گل، پرویز، توفیق اور فریدہ گلشن پہلے سے موجود تھے۔ اسلم مروت نے پہلے سے رابطے ملائے ہوئے تھے۔ پرائیویٹ سیکرٹری شانگلہ کے پولیس آفیسر راحت اللہ خان کو ہمارے آنے کے بارے میں پہلے سے خبر تھی۔ جونہی الپوری پہنچے ان سے رابطہ ہو گیا۔ انہوں نے اپنے دفتر میں مزیدار چائے پلائی اور اپنے ڈی ایس پی ریاض خان کی قیادت میں پولیس اسکواڈ ساتھ کر دیا۔ الپوری شانگلہ کا ڈسٹرکٹ ہیڈ کوارٹر ہے، خوبصورت ترین علاقہ ہے۔ یہ پیالہ نما شہر ہے جس کے بیچ میں دریا بہہ رہا ہے۔ سڑک کے دونوں جانب سرسبز اور مٹی کے پہاڑ ہیں۔ سڑک پر جابجا جاپانی پھل کے درخت ہیں۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں چل رہی ہیں۔ جن میں سیب، ناشپاتی اور جاپانی پھل کی خوشبوئیں رچی بسی ہوئی ہیں۔ پہاڑوں پر چھوٹے چھوٹے خوبصورت گھر بنے ہوئے ہیں۔ حد نگاہ تک نظر آنے والی پہاڑوں کی چوٹیوں پر گھر بنے ہوئے ہیں۔ ان گھروں کو دیکھ کر عقل دنگ رہ جاتی ہے کہ ان کے مکین کیسے گزارہ کرتے ہوں گے۔ روزانہ پہاڑ پر کیسے چڑھتے ہوں گے اور ان کی زندگی کتنی مشکل سے گزرتی ہوگی۔ سبزے اور درختوں کے درمیان خوبصورت چھوٹے چھوٹے گھر اور پہاڑوں کی چوٹیوں پر پڑی

ہوئی برف عجیب مسحور کن مناظر ہیں۔ یہ مناظر دیکھ کر آنکھیں خیرہ ہو جاتی ہیں۔ اللہ کی قدرت کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ بلاشبہ شانگلہ پاکستان کا خوبصورت ترین علاقہ ہے۔

کہروڑہ میں علاج اور خدمت:

DPO کے مشورہ سے آج یہی طے پایا تھا کہ الپوری کے علاقے کہروڑہ میں کیمپ لگایا جائے۔ آدھے گھنٹے میں کہروڑہ کے ہسپتال پہنچ گئے۔ یہاں پہلے سے ہمارے بارے میں اطلاع دے دی گئی تھی۔ دور دراز کے پہاڑوں سے آ کر متاثرین یہاں جمع تھے اور ہمارے منتظر تھے۔ میو ہسپتال کے ڈاکٹر معین ارشد پہلی دفعہ ہمارے ساتھ آئے تھے۔ ڈاکٹر معین کو ہسپتال کے اندر بٹھا دیا، موبائل ہسپتال سج گیا۔ اشفاق، سہیل خان نے ڈسپنسری سنبھال لی۔ فریدہ گلشن ہسپتال کے اندر بیٹھ گئی۔ شانگلہ میں ہمارا پہلا کیمپ شروع ہو گیا۔ شروع شروع میں لوگ موبائل ہسپتال دیکھ کر حیران رہ گئے۔ اسلم مروت کو ایک ہی دھن سوار ہوتی ہے کہ ریلیف کا سارا سامان اس کے حوالے کر دیا جائے اور وہ اس کو اپنی مرضی سے تقسیم کرے۔ اس کا فوری حل یہ نکالا کہ اس کو مریضوں کی پرچیوں پر لگا دیا تا کہ مصروف بھی رہے اور ہنگامہ بھی نہ کرے کیونکہ صبر کرنا اور نچلا بیٹھنا اسلم مروت کے بس میں نہیں۔ مریضوں کی آمد و رفت شروع ہوگئی۔ شروع میں مریض کم تھے لیکن جلد ہی مریضوں اور متاثرین کا ہجوم ہو گیا۔ بچے، بوڑھے، جوان سب آنے لگے اور اپنی داستان غم سنانے لگے۔ پٹھانوں کے ساتھ کام کرتے کئی سال بیت گئے، اس لیے زبان کا مسئلہ نہیں ہوتا لیکن اپنی تکالیف بتاتے بتاتے، جب پٹھان متاثرین پوری داستان غم سنانے لگتے ہیں تو پھر ذرا مشکل ہوتی ہے۔ کیمپ شروع ہو گیا۔ سردی کی وجہ سے لوگوں کو خاصی مشکلات کا سامنا ہے۔ اس خوبصورت علاقے کے لوگ خاصے غریب ہیں۔ رمضان شریف میں سیلاب نے یہاں تباہی مچائی، اب رہی سہی کسر زلزلہ نے پوری کر دی۔ ابھی تو سردی کا آغاز ہوا ہے کہ ہمارا پورا جسم کانپ رہا ہے اور سردی ہڈیوں میں سرایت کرتی لگتی ہے، لیکن یہاں کے سینکڑوں مکین اس جان لیوا سردی میں کھلے آسمان تلے پڑے امداد کے منتظر ہیں۔ گھر بھی گیا اور گھر کی اشیاء بھی۔ اکثر بوڑھے ایک قمیض میں تھے جبکہ موبائل ہسپتال میں بیٹھنے اور گرم کوٹ پہننے کے باوجود ہمیں سردی لگ رہی تھی۔ ان لوگوں میں نئی اُمید فاؤنڈیشن اور ایڈن ویلفیئر سوسائٹی کے طرف سے عطیہ کیے ہوئے گرم کپڑے اور نئی جیکٹیں تقسیم کیں تو وہ خوشی سے نہال ہو گئے۔ دعائیں دینے لگے۔ بلائیں لینے لگے۔ ہر کوئی اپنی اپنی داستان غم سنا کر ہمیں غمگین اور اداس کر رہا تھا۔ متاثرین میں کیش بھی تقسیم کیا۔ کیمپ کے دوران اسلم مروت بار بار متفکر چہرے اور خشمگیں نگاہوں سے بار بار چکر لگا رہا تھا۔ جب بھی داخل ہوتا، جلدی جلدی پرچی بناؤ، کا نعرہ لگا کر اسے الٹے قدموں باہر بھجوا

دیتا لیکن ڈر کر کہ کہیں اس کے صبر کا پیمانہ لبریز نہ ہو جائے، اسے تسلی بھی دے دیتا کہ ابھی کرتے ہیں۔ ڈاکٹر معین ارشد بھی بڑی دل جمعی سے مریض چیک کر کے پرچیاں بھجواتے جا رہے تھے۔ سہیل خان اور اشفاق مریضوں کو دوائیں دیتے جا رہے تھے۔ بچوں کو تحائف کا پتہ چلا تو بچوں کی کثیر تعداد نے ہمارا گھیراؤ کر لیا اور زبردستی اندر آ کر تحائف لینے لگے۔ اشفاق نے چند عمر رسیدہ متاثرین دیکھ کر ان میں رضائیاں اور جیکٹیں تقسیم کر دیں۔

جمعہ کی نماز کا وقت قریب تھا۔ 300 مریضوں کا چیک اپ اور علاج ہو گیا تھا۔ اسلم مروت نے مقامی ساتھیوں کے ساتھ مل کر لسٹیں بنالی تھیں۔ میڈیکل کیمپ کا اختتام کر کے اور تمام مریضوں کو بھگتا کر اسلم مروت شو شروع ہو گیا۔ مقامی ساتھیوں نے بڑی عرق ریزی سے لسٹیں بنائی تھیں۔ اشفاق اور توفیق نے راشن کے پیکٹ، کپڑے، جیکٹیں اور عورتوں کی گرم چادریں ایک جگہ اکٹھی کر لیں۔ مقامی ساتھی ایک ایک کر کے متاثرہ اشخاص کو بلاتے اور اسلم مروت کے ہاتھوں ریلیف اشیاء تقسیم ہونا شروع ہوئیں۔ لسٹ کے مطابق سب کو کچھ نہ کچھ ضرور ملا۔ جمعہ کی نماز کا وقت قریب تھا۔ مسجد نمازیوں سے کچھا کچھ بھری ہوئی تھی۔ مولانا صاحب پشتو میں خطیبانہ اور عالمانہ انداز میں قرآنی تعلیمات کا ذکر کرتے ہوئے کہہ رہے تھے کہ اللہ سے ڈریں۔ اللہ نے تنبیہہ کر دی ہے۔ اب بھی سمجھ جائیں۔ اللہ سے معافی مانگ لیں۔ اللہ سے لو لگا لیں۔ اللہ کو منا لیں۔ نماز جمعہ ادا کر کے سید محبوب الرحمٰن اور میاں سعید رحمٰن کے گھر کھانا کھایا۔ شاہ صاحب نے خوب حق میزبانی ادا کیا۔ گرما گرم چاول، گوشت اور پھلوں سے تواضع کی۔ صبح سے سفر اور پھر سارا دن کام کر کے ساتھی تھکے ہوئے تھے اور بھوک بھی زوروں پر تھی۔ سب نے خوب ڈٹ کر کھایا۔

ڈرائیور نے ایمان تازہ کر دیا:

کھانے کے فوراً بعد پہاڑوں کا رخ کیا۔ محبوب الرحمٰن نے کہا کہ اب آپ کو پہاڑوں کی چوٹیوں پر لے جاتے ہیں وہاں چونکہ ہماری گاڑیاں نہیں جا سکتی تھیں۔ اس لیے پرائیویٹ 4x4 گاڑیاں لیں۔ ان میں سامان اور خود لد کر پہاڑوں کے بیچوں بیچ چلتے ہوئے روانہ ہوئے۔ ڈرائیور اپنی آنتوں کا پورا زور لگا کر کچے پکے، کٹے پھٹے تنگ اور خطرناک راستوں پر گاڑیوں کو خراماں خراماں آگے بڑھا رہا تھا۔ چلتے چلتے گاڑی اوپر چڑھتے ہوئے نیچے کا رُخ کرتی تو ڈر لگتا کہیں گاڑی کی بریکیں فیل ہو کر نیچے نہ گر جائے کیونکہ تین چار فٹ کی تنگ خطرناک سڑک کے دونوں اطراف کوئی دیوار وغیرہ نہ تھی۔ گاڑی ذرا سی اِدھر اُدھر ہوئی تو نیچے گہری کھائیاں اور چلتا دریا، گاڑی بچے گی نہ سوار۔ ڈرائیور طارق پورا زور لگا کر گاڑی کو آگے بڑھا رہا تھا اور ساتھ ساتھ لاہور میں قیام کے اپنے قصے بھی سنا رہا تھا کہ کیسے بچپن میں اس نے لاہور میں وقت گزارا۔ ٹھوکر نیاز بیگ کی باجی کا

بڑا تذکرہ کر رہا تھا۔ اپنی کامیابی کی داستان سنا رہا تھا۔ کہنے لگا کہ میں باجی کے پاس 1200 روپے میں نوکری کرتا رہا، بعد میں 2500 کا ملازم ہو گیا۔ ذرا بڑا ہوا تو ڈرائیوری شروع کر دی۔ پیسے جمع ہوئے تو ایک گاڑی قسطوں پر لی۔ اللہ نے مہربانی کی۔ گاڑی لے لی ہے اور بہترین گزارا ہو رہا ہے۔ اللہ کی رضا پہ بہت خوش ہوں۔ کہنے لگا زلزلہ آیا۔ بہت بربادی ہوئی۔ میرا گھر تو محفوظ رہا لیکن دیواریں کہیں کہیں سے کریک ضرور ہوئی ہیں۔ سروے والے آئے تو لوگوں نے کہا کہ ایک دیوار گرا لو، زیادہ پیسے مل جائیں گے۔ میں نے کہا۔ اللہ کا خوف کرو۔ اللہ نے مجھے اور خاندان کو بچا لیا اور اب میں جھوٹ بول کر اللہ اور اپنے آپ کو دھوکہ دوں۔ ڈرائیور کی ایمانی طاقت اور سچائی نے اس کا گرویدہ بنا دیا۔

اترائی اور چڑھائی کا پیدل سفر:

گاڑیاں ایک کھلی جگہ پر رک گئیں۔ اب پیدل جانا تھا۔ کچے پکے، کٹے پھٹے راستوں کا سفر تھا۔ کہیں اونچائی اور اترائی پھر چڑھائی۔ کہیں کہیں تو ایسے لگتا کہ فضا میں اُڑ رہے ہیں۔ اگست میں چترال کے پہاڑوں پر چلنے کا تجربہ بہت کام آیا۔ مروت صاحب نے کھونٹی ساتھ رکھی ہوئی تھی۔ کہیں خود سے اور کہیں سہارا لے کر چلتے رہے۔ چلتے چلتے منزل مقصود ٹانگہ کس گاؤں پہنچے۔ اوپر پہنچ کر اندازہ ہوا کہ کتنی بلندی پر ہیں۔ نیچے حد نگاہ تک سڑک نظر نہ آ رہی تھی۔ مسجد میں نماز عصر ادا کر کے کیمپ شروع کر دیا۔ ڈاکٹر معین مسجد کی چھت کے اوپر اور راقم نیچے مسجد میں بیٹھ گیا۔ مسجد سے اعلان ہوا۔ بچے، بوڑھے، جوان، مرد و زن اپنے اپنے گھروں سے نکل آئے۔ فلک بوس پہاڑوں کی چوٹیوں پر ان کے کچے گھروندے زلزلے کے جھٹکے برداشت نہ کر سکے اور پل بھر میں زمین بوس ہو گئے۔ شروع میں کم لوگ تھے لیکن شام تک مریضوں کی آمد و رفت جاری رہی۔ اسلم مروت، اشفاق، عبدالرؤف، سہیل فدا اور دوسرے ساتھی ریلیف کی اشیاء تقسیم کرتے رہے۔ دور دراز پہاڑوں سے لوگ آ کر کیمپ میں جمع ہو گئے۔ فارغ ہو کر واپسی کا پیدل سفر شروع ہوا۔ پہاڑوں پہ چڑھائی جتنی مشکل ہے۔ اترائی بھی آسان نہیں۔ کہیں خود اور کہیں سہارا لے کر چلنا شروع کیا۔ سید محمد تو چھلاوے کی طرح پہاڑوں کو عبور کرتا ہم سے پہلے پہنچ گیا۔ محبوب الرحمٰن نے ٹوٹے، بکھرے زمین بوس گھر دکھائے۔ ٹانگہ کس کی اماں 120 سالہ اماں، زوجہ دوست محمد خاں کا گھر زلزلہ کی نذر ہو گیا۔ تین خاندان اب دو کمروں میں گزار رہے تھے۔ اماں کو سلام کیا۔ کیش دیا۔ اماں نے دعا دی۔

ملنگ جان کی کہانی:

ملنگ جان اپنے تین بیٹوں کے ساتھ پہاڑوں کی چوٹی پر رہ رہا تھا۔ بڑی محنت سے بچوں کو پالا اور مزدوری کر کے گھر بنایا تھا۔ 26 اکتوبر کی دوپہر تک سب کچھ ٹھیک تھا۔ بچے مزدوری کے لیے چلے گئے۔ بیبیاں

گھر کے اِدھر اُدھر کام میں مشغول تھی کہ یکا یک قیامت آ گئی۔ پہلے جھٹکے نے وارننگ دی کہ باہر آ جائیں۔ دوسرے جھٹکے نے گھروں کو زمین بوس کر دیا۔ جہاں گھر تھے وہاں اب ملبہ پڑا تھا۔ شکر ہے جانیں بچ گئیں مگر گھر اور مال و اسباب سب تباہ ہو گیا۔ بچے زخمی ضرور ہوئے۔ ملنگ جان کی خدمت کی اسے امدادی اشیاء دیں اور مزید بھیجنے کا وعدہ کیا۔ ٹوٹے، بکھرے گھروں کا ملاحظہ کر کے واپسی کا سفر شروع ہوا۔ اوپر سے لگ رہا تھا کہ بڑی مشکل سے نیچے جائیں گے۔ شانگلہ کی پولیس کے سپاہی فدا الرحمٰن نے خوب ساتھ دیا۔ ہاتھ پکڑے رکھا، سہارا دیے رکھا۔ کچھوے کی چال چلتے رہے۔ کبھی اوپر نیچے کبھی چڑھائی پھر اترائی۔ آہستہ آہستہ پھونک پھونک کر قدم رکھتے ہوئے نیچے آ رہے تھے مگر جوں جوں نیچے آتے جا رہے تھے ایسے لگتا تھا کہ ابھی بہت اُترائی باقی ہے۔ سڑک نظر نہ آ رہی تھی کہ پہاڑوں سے ٹکراتی ہوئی اسلم مروت کی اذان کی آواز نے تسلی دلائی کہ تھوڑا سفر باقی ہے۔ اسلم مروت نے اتنی بلند آواز میں ایمانی طاقت سے اذان دی جس سے گویا پہاڑ دہل گئے۔ بیس منٹ کے سفر کے بعد نیچے پہنچ گئے۔ نماز ادا کی اور اللہ کا شکر ادا کیا۔ پہاڑوں کو پھلانگتے اور اترتے چڑھتے ٹانگیں شل ہو گئیں، اَنگ اَنگ دکھنے لگا۔ پورا بدن درد کر رہا تھا۔ آتے ہی سب بستروں پر دراز ہو گئے۔ عشاء کی نماز مسجد میں ادا کی۔ جلد ہی کھانا کھایا اور 9 بجے سب خواب خرگوش کے مزے لینے لگے۔ صبح سویرے اللہ نے جگا دیا۔ فجر کی نماز جامع مسجد برکلے (اونچا گاؤں) کہروڑا میں ادا کی۔ نماز کے بعد اسلم مروت کے پُراثر، پُرسوز، درد بھرے اور پُرجوش بیان نے ماحول کو گرما دیا۔ مروت نے کہا کہ اب بھی وقت ہے۔ اللہ ناراض ہے، ناراضگی کا بار بار اظہار ہو رہا ہے۔ اللہ کو راضی کر لو۔ اللہ کو منا لو۔ اس سے معافی مانگ لو۔ اس کی طرف رجوع کر لو ورنہ بڑا عذاب دور نہیں۔

ننھے فرشتوں کے لیے قالین:

کہروڑہ کی مسجد میں صبح سویرے قرآن اور حدیث کی تعلیم لینے والے چھوٹے اور بڑے بچوں کے لیے کیمپ لگایا۔ قرآن سینے میں رکھنے والے بچوں کی خدمت کر کے ان میں تحائف، نقد رقم اور جیکٹیں بانٹ کر دل خوشی سے نہال ہو گیا۔ مسجد کے دوسرے کنارے پر ڈاکٹر معین بیٹھ گئے۔ کیمپ کا سن کر آس پاس سے بچے اور بڑے بھی آ گئے۔ سب کو چیک کیا۔ زرولی معذور بچہ آیا۔ اسے چیک کیا۔ بچے کو جیکٹ دی۔ کیش دیا تو بچہ ہنسنے لگا۔ باپ نے کہا دعا دو۔ اُس نے ہاتھ اُٹھا لیے۔ آسمان کی طرف دیکھا۔ 50 بچوں اور سینکڑوں بڑوں کو چیک کیا۔ دوائیں دیں۔ کیمپ کے دوران قاری صاحب گرما گرم چائے لے آئے۔ میاں سعید الرحمٰن ناظم وی سی کروڑہ آ گئے اور کہنے لگے کہ اوپر پہاڑوں میں چند متاثرین ہیں۔ وہ صبح سے راشن کے منتظر ہیں۔ اشفاق نے

سب میں راشن تقسیم کیا۔ ڈاکٹر معین ارشد موبائل ہسپتال گئے تو آس پاس کے لوگ جمع ہو گئے۔ ڈاکٹر معین نے سب کو چیک کیا۔ مروت صاحب پھر مسجد گئے۔ طالب علموں میں کیش تقسیم کیا۔ سردی زوروں پر ہے۔ حمام میں جا کر غسل کیا۔

ایک نابینا بابا مسجد میں آیا۔ سردی کے باعث کانپ رہا تھا۔ اس کے ساتھ ہاتھ ملایا اور کیش دیا تو دعائیں دینے لگا۔ گل رحمٰن اپنے چار بچوں کو لے آیا۔ تحائف دیے تو کہنے لگا کہ بچوں کو جیکٹیں دیں۔ وہ خوشی خوشی سب بچوں کو جیکٹیں پہنا کر دعائیں دینے لگا۔ نصیب تاجہ بیوہ بھی گھر آ گئی۔ محبوب الرحمٰن نے بتایا کہ اس کا کوئی پرسان حال نہیں۔ غریب ہے، اس کو کیش دیا تو خوش ہو کر دعائیں دیں۔

مسجد میں مروت صاحب بچوں کو کیش دینے گئے تو دیکھ کر دَنگ رہ گئے کہ قرآن اور حدیث کو سینوں میں محفوظ رکھنے والے ننھے منے پھول کمرے کے یخ بستہ فرش پر اپنے اپنے بستروں میں گھسے ہوئے تھے۔ کسی کے پاس مکمل بستر تھا، کسی کے پاس نہیں۔ بچے سردی میں ٹھٹھر رہے تھے جبکہ ننگے فرش پر سخت سردی میں پاؤں رکھنا بھی دشوار ہے۔ برف باری کے دوران ان ننھے پھولوں پہ کیا گذرتی ہوگی۔ مروت نے آتے ہی شور مچا دیا کہ ان بچوں کے لیے قالین کا انتظام کریں۔ سید محبوب الرحمان نے صبح سویرے شہر میں ایک دکان کھلوائی۔ یوں مدرسہ کے چالیس بچوں کے لیے 64x30 کا قالین لا کر بچھا دیا۔ قالین بچھتا دیکھ کر بچے خوشی سے ہمیں دیکھ رہے تھے۔ ان کی تشکر آمیز آنکھیں اور دعا دیتے ہونٹ ہل رہے تھے۔ بچے خوش تھے کہ وہ اب نرم گرم قالین پر مزے کی نیند سوئیں گے۔

اولیندر کی اُونچی فضاؤں کے درمیان:

رات کے سائے گہرے ہوتے جا رہے ہیں۔ ماحول پر سکوت طاری ہے۔ پتھروں سے پانی ٹکرانے کی ایک جیسی آوازیں اگرچہ برابر آ رہی ہیں۔ گھپ اندھیرے میں پہاڑوں کی چوٹیوں پر ٹمٹماتے قمقمے نقطوں کی طرح نظر آ رہے ہیں۔ ابھی ظہراب خان کے گھر کے برآمدے میں عشاء کی نماز ادا کر کے رب جلیل کا شکر ادا کیا ہے جس نے مصیبت کی اس گھڑی میں دور دراز کا میلوں سفر کر کے پہاڑوں کی بلندیوں اور پُرخطر راستوں کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے اپنے بندوں کی خدمت کرنے کی توفیق دی۔

شانگلہ کے دور دراز خوبصورت فلک بوس پہاڑوں کو عبور کر کے کچے پکے راستوں کو عبور کرتے گرتے پڑتے، پھسلتے، سنبھلتے، ہانپتے کانپتے علاج اور خدمت کا سفر جاری رہا۔ اولیندر میں دن کا تیسرا میڈیکل اور ریلیف کیمپ سمیٹ کر خدمت اور علاج کے قافلہ نے کوزہ گنشال بوسی پیر خانہ کا رخ کیا۔ سامنے سے عجیب

خیرہ کن مناظر نظر آ رہے تھے۔ فلک بوس پہاڑوں پر برف کی پڑی ہوئی سفید چادر مسحور کن منظر پیش کر رہی تھی۔ پہاڑوں پر جا بجا سبزہ، اونچے لانبے آسمان کو چھوتے درخت، سڑک کے دونوں جانب جا پانی پھل کے سبز اور سرخ پتوں والے درخت جنت ارضی کا منظر پیش کر رہے تھے۔

ظہراب خان کا پاور ہاؤس:

پانی کے چشمے چھوٹی چھوٹی آبشاروں کی مانند اُبل رہے تھے۔ خاں خرڈ دریا پر ڈیم بھی بنا ہوا ہے جس سے 82 میگا واٹ بجلی پیدا ہوتی ہے۔ ظہراب خان نے اپنے گھر کے پاس بنا ہوا بجلی گھر دکھایا جس سے گنشال کے 280 گھروں کو بجلی کی سپلائی جاری ہے۔ اس نے بتایا کہ اس کے مرحوم والد نے اس علاقے میں چھوٹا سا ڈیم بنا کر سب سے پہلے بجلی پیدا کی۔ دو سال پہلے SRSP کے تعاون سے ہائیڈل پاور منی بجلی گھر بنایا جس سے علاقے کے سب گھروں کو بجلی کی سپلائی جاری ہے۔ 5 روپے یونٹ چارج کیا جاتا ہے، مسجدوں کو بجلی مفت دی جاتی ہے۔ سب خوشی سے بل دیتے ہیں۔ اگر کوئی غریب بل نہ دے سکے تو اسے بل معاف کر دیا جاتا ہے۔ تین مہینے تک بل ادا نہ کرنے والے کی بجلی کاٹ دی جاتی ہے لیکن ایسی نوبت کبھی نہیں آئی۔ جو بجلی استعمال کرتا ہے بل بھی دیتا ہے۔ بجلی کی فراہمی 24 گھنٹے جاری رہتی ہے۔ کوئی لوڈ شیڈنگ نہیں ہوتی۔ پاکستان کے اکثر علاقوں میں پانی کی اتنی فراوانی ہے کہ اگر منصوبہ بندی سے ڈیم بنائے جائیں تو بجلی کی کمی پوری کی جا سکتی ہے۔ مغرب کے وقت یہاں پہنچے تھے۔ اعلان ہوتے ہی بچے بوڑھے، عورتیں، جوان دور دراز پہاڑوں سے اتر کر علاج کے لیے آنے لگے۔ یہاں بھی مردوں میں زیادہ تر جسم درد، سانس اور معدہ کی تکلیف بچوں میں سینہ خراب، بخار، ڈائریا وغیرہ کی تکالیف تھیں۔ رات گئے تک مریض آتے رہے۔

کوزکاناں میں میڈیکل کیمپ:

صبح سویرے کہروڑہ کی مسجد میں کیمپ لگا کر پہاڑوں سے گزرتے ہوئے کوزکاناں کے دیہی مرکز صحت پہنچے۔ پہلے یہاں اطلاع ہو چکی تھی۔ مریضوں کی ایک کثیر تعداد جمع تھی۔ جاتے ہی کیمپ شروع کر دیا۔ راقم نے موبائل کیمپ میں اور ڈاکٹر معین ارشد نے ہسپتال کی عمارت میں مریضوں کو دیکھنا شروع کیا۔ فریدہ گلشن بھی ہسپتال کے ایک کمرے میں بیٹھ گئی۔ خدمت اور علاج کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ اسلم مروت نے امدادی اشیاء تقسیم کرنا شروع کر دیں۔ بچے بوڑھے سب آنے لگے۔ زلزلہ متاثرین کی کثیر تعداد آئی۔ کسی کا ہاتھ زخمی تھا کسی کا پاؤں۔ کسی کے سر پہ چوٹ لگی تھی تو کسی کا فریکچر تھا۔ کوئی زلزلے کے دن سے اب تک ڈیپریشن کا شکار تھا۔ کسی کا گھر زمین بوس ہوا۔ کسی کا عزیز جاں بحق ہوا۔ کسی کا مال و متاع لٹ گیا غرضیکہ ہر کوئی اپنی داستان غم سنا رہا

تھا۔ سنائے جاتا تھا اور روئے جاتا تھا مگر ساتھ ساتھ جان بچنے پر اللہ کا شکر بھی ادا کر رہا تھا۔ کوزکاناں میں کراچی سے مسلم لیگ (ق) کے حلیم عادل شیخ، خبیب فاؤنڈیشن کے عہدے دار زبیر احمد خان اور پاکستان تحریک انصاف کے وقار احمد خان سے ملاقات ہوئی۔ وہ بھی اپنے طور پر امدادی کارروائیوں میں مصروف تھے۔ اللہ کا شکر ہے کہ اب کسی بھی حادثے یا آفت کے دوران مقامی فلاحی تنظیمیں میدانِ عمل میں نکل آتی ہیں اور بھرپور خدمت کرتی ہیں۔ حلیم عادل شیخ اور خبیب فاؤنڈیشن کے لوگ متاثرین میں خیمے تقسیم کرنے میں لگے ہوئے تھے۔ چار سو مریضوں کا معائنہ کر کے آگے کا رخ کیا تو راستے میں شانگلہ کے ایڈیشنل ڈپٹی کمشنر جنرل فرحت اللہ مروت سے ملاقات ہوگئی۔ مروت سے مروت ملے تو ڈاکخانہ فوراً مل جاتا ہے۔ اسلم مروت نے فرحت اللہ سے راہ و رسم نکال لی۔

پیسے نہیں، کوٹ کہاں سے لوں:

بل کھاتی تنگ سڑکوں، کچے پکے، کٹے پھٹے راستوں سے گزر کر اولیندر کا رخ کیا۔ گائیڈ بار بار کہتا کہ اب تھوڑا سا آگے جانا ہے لیکن تھوڑا تھوڑا کہتے ڈیڑھ گھنٹہ گزر گیا۔ علاقے کی مسجد میں ظہر کی نماز ادا کی۔ سورج نکلا ہوا تھا اس لیے سردی کی شدت میں کمی تھی۔ ساتھی صبح فجر کی نماز کے بعد سے کام پہ لگے ہوئے تھے۔ بھوک زوروں پر تھی۔ راستے میں ایک ہوٹل نظر آیا تو وہاں چپل کبابوں کی بھینی بھینی مصالحے دار خوشبو نے سب کا رخ ادھر کر دیا۔ گرما گرم روٹیاں اور گرم چپل کباب کھا کر مزا آ گیا۔ سڑک پر ہی کیمپ کا آغاز کر دیا۔ شروع میں مریض کم تھے مگر آہستہ آہستہ جم غفیر اکٹھا ہوگیا۔ ایک بابا آیا۔ سردی سے کانپ رہا تھا، پرانی سی قمیض پہنے ہوا تھا۔ پوچھا بابا کوٹ نہیں ہے۔ پیسے نہیں، کوٹ کہاں سے لوں۔ بابا کو کہا، کوٹ مل جائے تو پہنو گے کہنے لگا کیوں نہیں۔ بابا کو نیا کوٹ دیا، پہن کر خوشی سے نہال ہوگیا اور دعائیں دینے لگا۔ یہاں بھی پولیس کے سپاہی ہمارے ساتھ ڈیوٹی دیتے رہے۔ شانگلہ پولیس کے افسروں اور سپاہیوں نے ہمارے ساتھ بھرپور تعاون کیا اور تمام جگہوں پر سیکیورٹی مہیا کی تاکہ کسی جگہ پر بدنظمی نہ ہو۔ اولیندر میں شام تک 450 مریضوں کا علاج کر کے اور بچوں میں تحائف اور امدادی اشیاء تقسیم کر کے فارغ ہوئے تو پھر گھنشال کا رُخ کیا۔

کوز گھنشال یوسی پیر خانہ کی صبح:

فجر کا وقت ہے۔ گھپ اندھیرا لیکن دور پہاڑوں پہ لگے ہوئے برقی قمقمے ٹمٹما رہے ہیں۔ ٹھنڈی یخ ہوائیں چل رہی ہیں۔ سردی ہڈیوں میں گھسی جا رہی ہے۔ ایسے میں ان زلزلہ زدگان کا تصور کرتے ہوئے دل بے چین ہو رہا ہے جو کھلے آسمان تلے اپنے بیوی بچوں سمیت رہ رہے ہیں۔ شانگلہ کی یخ بستہ ہواؤں اور بلند

فضاؤں میں یہ چوتھا دن ہے۔ گھنشال کی فضاؤں میں اذان دے کر نعرہ تکبیر بلند کیا۔ وہی اللہ ہے جس نے اتنے خوبصورت اور حسین علاقے تخلیق کیے۔ اس ذاتِ باری کا کروڑوں دفعہ شکر ہے جس نے ہمیں اتنی دور آ کر اپنے بندوں کی خدمت کرنے کی توفیق بخشی۔

گھنشال سے صبح سویرے نکل کھڑے ہوئے۔ ہمارے میزبان کی بڑی خواہش تھی کہ ہم ان کا بجلی گھر اور پن چکی دیکھ لیں۔ شانگلہ کے علاقے میں اتنی جھیلیں، پانی کی ندیاں اور آبشاریں ہیں جن کی مدد سے جابجا بجلی گھر بنائے گئے ہیں۔ ایک دفعہ پھر اُونچائی اور اترائی کا پیدل سفر درپیش تھا۔ مضراب خاں تو منٹوں میں نیچے پہنچ گیا اور ہمیں آوازیں دینے لگا۔ ہم اپنی رفتار سے نیچے اترے۔ کبھی رؤف صاحب نے سہارا دیا۔ کبھی اشفاق نے، نیچے اترتے ہوئے پھسلن بہت تھی اس لیے پھونک پھونک کر قدم اٹھاتے۔ ذرا سی غفلت اور لغزش زندگی بھر کا معذور بنا سکتی ہے۔ پانی کی رفتار سے چلتی ہوئی پن چکی دیکھی جس میں گندم اور مکئی کی پسائی جاری تھی۔

اپنا بجلی گھر اور لکڑی کا جھولتا پل:

ہائیڈرل پاور بجلی گھر بھی دیکھا جس میں ایک بڑی واٹر ٹربائن لگی ہوئی تھی جو پانی کو کھینچتی ہے۔ اس کے ساتھ لگے جنریٹر میں بجلی پیدا ہوتی ہے اور 90 کلو واٹ کی یہ بجلی سارے گاؤں کو سپلائی کی جاتی ہے۔ بجلی کا ضیاع ہوتا ہے اور نہ چوری کا۔ بل زیادہ آنے کا خدشہ ہوتا ہے اور نہ کنکشن کٹنے کا۔ زلزلہ سے اس چھوٹے سے بجلی گھر کو کوئی نقصان نہیں پہنچا۔ گھنشال میں شام اور رات گزاری جہاں بغیر کسی تعطل اور لوڈ شیڈنگ کے بجلی آتی رہی۔ صبح سویرے ظہراب خاں اسی بجلی کی طاقت سے پانی گرم کر کے لے آیا۔ مروت صاحب ہر شے میں اپنی ٹانگ اونچی رکھتے ہیں اور کوئی نہ کوئی انہونی اور انوکھی بات کہہ جاتے ہیں۔ کہنے لگے یہ زور آور بجلی ہے اس سے موبائل جھٹ سے چارج ہو جاتا ہے اور اس کو نقصان پہنچنے کا بھی خدشہ نہیں ہوتا۔ بجلی گھر دیکھ کر دریا کے اوپر لکڑی کے پل پر جھولا جھولتے خراماں خراماں چلتے آگے بڑھے۔ اگرچہ صبح صبح گھنشال میں کیمپ کر لیا تھا لیکن تشفی نہ ہوئی تھی۔ جب بھی مصیبت زدوں کی خدمت کے لیے نکلتے ہیں تو یہی کوشش ہوتی ہے کہ وقت کا ایک ایک لمحہ خدمت اور علاج میں گزرے۔ الحمدللہ گزشتہ چار پانچ دنوں سے ایسے ہو رہا تھا۔ سب ساتھیوں کے دِل و دماغ پہ ایک ہی دھن سوار ہوتی ہے کہ مشکل اور دشوار گزار راستوں سے گزر کر ایسی جگہ پہنچا جائے جہاں کوئی نہ گیا ہو۔ آدمی کی نیت ہو اور نیک ارادہ ہو تو پھر اللہ تعالیٰ بھی مدد کرتا ہے۔ اگرچہ عمر کے ساتھ ساتھ قویٰ اتنے مضبوط نہیں رہے لیکن اللہ کا شکر ہے کہ عزم جواں ہے اور اللہ ہر دفعہ ہمت دے دیتا ہے اور ہر جگہ پہنچا دیتا ہے۔ صبح کے وقت شانگلہ کے قدرتی مناظر مزید حسین ہو گئے تھے۔ بلند فضاؤں اور یخ بستہ ہواؤں کے بیچ خدمت

اور علاج کا قافلہ رواں دواں تھا۔ فضاؤں میں پھلوں کی بھینی بھینی خوشبو رچی بسی ہوئی تھی۔ سورج کی کرنیں دور پہاڑوں پر پڑی تو ہر طرف روشنی ہوگئی۔ ایسے لگ رہا تھا کہ پہاڑوں پر چاندی چمک رہی ہے۔

ملالہ یوسف زئی کے گاؤں میں:

پہاڑوں کے دامن سے لے کر ہزاروں فٹ دور اُوپر آخری چوٹی تک لوگوں نے اپنے کچے پکے گھر بنا رکھے ہیں۔ آدمی سوچ کر حیران ہو جاتا ہے کہ یہ گھر کیسے بنے ہوں گے اور ان کے مکین کیسے اوپر سے نیچے آتے ہوں گے۔ داموڑی گاؤں کے قریب گاڑیاں خود بخود رُک گئیں۔ مروت صاحب نے اتر کر بات کی تو چند منٹوں میں بچے، بوڑھے، جوان اور عورتیں سب آنا شروع ہو گئے۔ داموڑی میں علاج اور خدمت کا میلہ سج گیا۔ اسلم مروت نے امدادی اشیاء سمیٹ لیں اور بچوں کو اپنے پیچھے لگا لیا۔ بچوں کو تحائف اور کیش ملنے لگا تو انہوں نے اسلم مروت کا گھیراؤ کر لیا۔ ماما ٹافی، ماما پیسے۔ موبائل ہسپتال میں بیٹھ کر مریضوں کا چیک اَپ شروع کیا۔ ڈاکٹر معین ارشد ساتھ کی دکان میں بیٹھ گئے۔ دو ننھے منے بچے سردی سے کانپ رہے تھے۔ ان کو نئی جیکٹیں پہنائیں تو وہ خوشی سے نہال ہو گئے۔ ان کے خوبصورت ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔ یہاں بھی زیادہ تر بچوں کو کھانسی، نزلہ، زکام، بخار اور پیٹ خراب وغیرہ کی تکالیف تھیں۔ عورتوں کو جسم اور کمر درد، گھٹنوں میں درد اور معدے میں درد وغیرہ کی شکایت تھی۔ جب بھی کیمپ شروع ہوتا ہے۔ مریضوں کا جم غفیر جمع ہو جاتا ہے۔ کام کے دوران کھانے پینے کی ہوش نہیں رہتی لیکن چائے کی ضرور بار بار طلب ہوتی ہے۔

چائے کا سوچا ہی تھا کہ داموڑی کا بابا رفیق چائے اور بسکٹ لے کر آ گیا۔ ڈاکٹر صاحب پہلے آپ چائے پئیں، پھر کام کریں۔ ایک دوسرے گھر سے بھی چائے آ گئی۔ پاکستان اسٹینڈرڈ پبلک سکول داموڑی کے پرنسپل محمد علی خاں بھی آ گئے۔ ان سے تبادلہ خیال ہوا تو بتانے لگے کہ ان کا اسکول علاقے میں بہت مشہور ہے۔ تعلیم کا معیار بہت اعلیٰ ہے۔ فخر کی بات یہ ہے کہ ان کے اسکول میں حال ہی میں نوبل انعام پانے والی ملالہ یوسف زئی نے بھی 9 مہینے تعلیم حاصل کی۔

کیمپ چلتا رہا۔ مریض آتے گئے۔ دوپہر تک چار سو پچاس مریضوں کو چیک کر کے اور دوائیں دے کر اور اس بات کی تسلی کر کے کہ اور کوئی مریض نہیں، آگے بڑھے۔ شانگلہ کی چھوٹی تنگ خطرناک سڑکوں سے گذرتے ہوئے جا بجا ایسے حسین مناظر نظر آتے ہیں کہ بندہ دیکھتے دیکھتے حیران ہو جاتا ہے۔ اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرتا ہے کہ جس نے ایسی حسین وادیاں تخلیق کی ہیں۔ ڈیڑھ گھنٹے کے سفر کے بعد الپوری پہنچے۔ الپوری میں پاک افغان زم زم ہوٹل سے مزیدار کھانا کھایا۔ کھانے کے لیے ہوٹل کے کارندوں نے ساتھ چھت پر

کرسیاں اور میز لگا دیں۔ کھانا بھی کھائیں اور حسین مناظر سے بھی لطف اندوز ہوں۔ کھانے سے فارغ ہو کر الپوری سے شانگلہ ٹاپ کا رخ کیا۔

کالام کا سلیم خان:

گھبرال، کالام کا سلیم خان گذشتہ دو دن سے منتظر تھا۔ زلزلے میں گھر گر گیا ہے، کسی نے ابھی تک مدد نہیں کی۔ شانگلہ ٹاپ سے گزر رہے تھے کہ دور سلیم خان کھڑا نظر آ گیا۔ اس کو راشن، جیکٹیں اور نقد رقم دی وہ خوش ہو گیا۔ سلیم خان سے گذشتہ کئی سالوں سے رابطہ ہے۔ عجیب بات یہ ہوئی کہ جونہی شانگلہ جانے کا پروگرام بنا۔ کئی مہینوں بعد سلیم خان کا فون آ گیا۔ شکر ہے اس کی مراد بھی پوری ہو گئی۔ اللہ ہی ہے جو غریبوں کے کام بناتا ہے۔ شانگلہ سے خوازہ خیلہ کا رخ کیا۔ راستے میں عصر کی نماز ادا کی۔ مسجد کے ساتھ ہی پھلوں کی دکان تھی۔ تازہ تازہ لال لال انگور دیکھ کر دل للچایا۔ چھوٹا سا پٹھان بچہ موجود تھا۔ ریٹ پوچھا 120 روپے کلو، کہا کم کرو۔ مروت صاحب نے بھی زور دے کر کہا۔ بولا ریٹ ایک ہی ہے۔ رؤف صاحب کہنے لگے کوئی فائدہ نہیں اس سے بات کرنے کا۔ پٹھان چھوٹا ہو یا بڑا ایک ہی بات کرتا ہے۔ اگرچہ اسلم مروت پہ یہ بات پوری نہیں آتی۔ خوازہ خیلہ سے گزرتے ہوئے پرانی یادیں تازہ ہو گئیں۔ 2009ء میں جب سوات کے IDPs واپس آئے تو یہاں آ کر ان کی خدمت کی تھی پھر 2010ء کے سیلاب کے بعد تو اکثر یہاں آنا جانا لگا رہتا تھا۔

لاہور سوات ماڈل سکول بحرین کا دورہ:

ایک گھنٹے کے سفر کے بعد مدین اور پھر بحرین پہنچے، 2010ء کے سیلاب کے بعد بحرین میں سیلاب زدگان کے لیے اپنا گھر ہاؤسنگ پراجیکٹ کے تحت خوبصورت گھر بنوائے تھے۔ سہیل فدا سے راہ و رسم بڑھی تو یہاں سب سے پہلے ایک کلینک بنایا جس میں توسیع ہوتی رہی۔ عورتوں اور بچیوں کے لیے سلائی سنٹر بھی بن گیا اور کمپیوٹر سنٹر بھی۔ سہیل فدا نے بتایا کہ اس علاقے میں غربت بہت ہے اور خاص کر یتیم بچے جن کے والد فوت ہو چکے ہیں وہ پیسے نہ ہونے کی وجہ سے سکول نہیں جا سکتے۔ اللہ کا نام لے کر سوات میں چھوٹے بچوں کے لیے لاہور، سوات ماڈل سکول شروع کر دیا۔ الحمدللہ! گذشتہ دو سال سے یہاں قائم سکول کامیابی سے چل رہا ہے اور سو کے قریب ننھے منے پیارے گلابی گالوں اور نیلی آنکھوں والے بچے پڑھ رہے ہیں۔ عورتیں اور بچیاں سلائی سیکھ رہی ہیں۔ طالب علم کمپیوٹر سیکھ رہے ہیں اور روزانہ کی بنیاد پر مریضوں کا علاج ہو رہا ہے۔

بحرین بازار سے ہوتے ہوئے چھوٹی اور تنگ گلیوں سے گزر کر سنٹر پہنچے۔ پہاڑوں پر اوپر اور نیچے گھر بنے ہوئے نظر آتے ہیں۔ درمیان میں سے دریائے سوات رواں دواں ہے۔ پانی کے چلنے کی آوازیں ایک ہم

آہنگی کے ساتھ آ رہی تھیں۔ سنٹر پہنچے تو وہاں عورتوں اور بچوں کا جم غفیر تھا۔ بچے، لڑکیاں عورتیں لاہور سے آئے ہوئے ڈاکٹروں کی منتظر تھیں۔ جاتے ہی کیمپ شروع کر دیا۔ شروع میں لڑکیاں اور عورتیں ہماری گلابی پشتو سن کر ہنستی، شرماتی رہیں پھر جب پتہ چلا گزارا ہو رہا ہے تو سب جلدی جلدی اپنی اپنی تکلیف بتا کر چیک اَپ کروانے لگیں۔ ایک کمرہ میں ڈاکٹر معین ارشد بیٹھ گئے۔ ننھے منے پھول جیسے گلابی گالوں اور سبز آنکھوں والے بچے بچیاں بھی آ گئے۔ ٹھنے (کھانسی)، طبع (بخار)، معدہ تکلیف، پیٹ خراب، ٹول زان وردگئی (تمام جسم میں درد ہے) خارکھ (خارش) نور تکلیف (کوئی اور تکلیف) سب اپنی اپنی تکلیف بتا کر دوائیں لینے لگے۔ سکول کے چھوٹے پیارے راج دُلارے بچے بھی آ گئے غریب اور معصوم بچے سردی سے کانپ رہے تھے۔ بچوں کو نئی جیکٹیں ملیں تو وہ خوشی سے جھومنے لگے۔ مروت صاحب بچوں میں تحائف بانٹنے میں لگ گئے۔

کمال اے بابا:

عشاء کی نماز کے لیے مسجد میں گئے۔ ٹھنڈا یخ پانی جونہی ہاتھوں کو لگا تو ایسے لگا کہ ہاتھ منجمد ہو گئے ہوں۔ مروت صاحب کہنے لگے مسجد میں گرم پانی ہوگا۔ اندر سے پتہ کیا۔ مسجد کے بابا نے کہا کہ ''گرم پانی نشتہ'' (گرم پانی نہیں ہے) مروت صاحب کے منہ سے نکلا ''کمال اے'' بابا نے مروت کا ''کمال اے'' سن کر ان کا نام ہی ''کمال اے'' رکھ دیا۔ جب بھی دوبارہ مسجد گئے تو بابا مروت صاحب کو دیکھ کر ''بابا کمال اے'' آ گیا کا نعرہ لگاتا۔

رات کا کھانا ہوٹل میں کھایا۔ دن بھر کام اور گھنٹوں پہاڑوں میں سفر کر کے ساتھی خوب تھکے ہوئے تھے۔ جلدی سب سو گئے۔ اشفاق اور اعظم بحرین میں اپنے بنائے ہوئے گھر دیکھنے چلے گئے۔ ساتھ ہی منگنی کی تقریب تھی جہاں آتش بازی ہو رہی تھی۔ خوشیاں منائی جا رہی تھیں۔ کچھ ساتھی تقریب میں جا کر اور بحرین کے باسیوں کی خوشیوں میں شامل ہو گئے۔ صبح سویرے تہجد کے وقت آنکھ کھل گئی۔ اللہ سے پاکستان کی بقاء، بچوں کی سلامتی اور آفتوں سے پناہ کی دعا کی۔

''کمال اے بابا'' والی مسجد میں نماز کے لیے گئے۔ بحرین میں بھی سردی خوب تھی۔ دور پہاڑوں پر برف پڑ رہی تھی۔ یخ بستہ ہوائیں چل رہی تھیں۔ سردی جسم کے اندر ہڈیوں تک پہنچ رہی تھی۔ سہیل فدا اور اشفاق نے ناشتہ بنایا۔ بحرین سے خوازہ خیلہ، مینگورہ، بری کوٹ، چکدرہ، بٹ خیلہ، درگئی، مردان، رشکئی، صوابی، برہان، اسلام آباد سے ہوتے ہوئے بذریعہ موٹروے لاہور پہنچے۔

زلزلہ زدگان کس حال میں ہیں؟

صبح کا وقت ہے۔ سردی زوروں پر ہے۔ ہاتھ پاؤں یخ ٹھنڈے ہیں اور دانت بج رہے ہیں۔ اسلم مروت ہیٹر چلانے کی کوشش میں بار بار ناکام ہو چکے ہیں۔ اللہ نے صبح چار بجے اٹھنے کی توفیق دی ہے۔ چار سو خاموشی ہے۔ دریائے سوات کی جلترنگ آوازوں نے ماحول کو رومان پرور بنایا ہوا ہے۔ دور پہاڑوں پر ٹمٹماتے برقی قمقمے بے شمار چمکتے نقطوں کی مانند دکھائی دے رہے ہیں۔ آسمان تاروں سے بھرا ہوا ہے۔ دریائے سوات میں پانی چلنے کی آواز کے ساتھ کبھی کبھی کسی گاڑی کے چلنے کی آواز سے پتہ چلتا ہے کہ زندگی اپنی پوری رعنائیوں اور جولانیوں کے ساتھ رواں دواں ہے۔ اوپر سے نیچے تک گرم کپڑے پہنے، گرم چادر اور کمبلوں میں لپٹے ہونے کے باوجود سردی ہڈیوں میں سرایت کرتی جا رہی ہے۔ ایسے میں 26 اکتوبر 2015ء کے زلزلہ زدگان کا تصور کر کے دل پریشان ہو رہا ہے کہ وہ کھلے آسمان تلے کس حال میں ہونگے۔ زلزلہ زدگان کی دوبارہ خبر گیری کے لیے کل (3 دسمبر) سے لاہور سے نکلے ہوئے ہیں۔ اللہ کا شکر ہے کہ وہ ہمیشہ دردمندوں اور آفت زدوں کی خبر گیری کے لیے گھر سے نکالتا ہے۔ اللہ کا عجیب نظام ہے۔ بندہ جب نیکی کا ارادہ کر لے تو اللہ تعالیٰ بندے کے ساتھ ہو جاتا ہے۔ بندہ جو سوچتا ہے وہی ہوتا ہے کیونکہ اللہ اور بندہ جب ایک ہو جاتے ہیں تو پھر اللہ خود بندے کی آواز بن جاتا ہے۔ فرمایا کہ ''جب بندہ اللہ کی طرف چل کر جاتا ہے تو وہ دوڑ کر اسے اپنے دامن میں لے لیتا ہے''

الحمدللہ! 26 اکتوبر 2015ء سے آج 04 دسمبر 2015ء تک چترال اور شانگلہ کے زلزلہ زدگان کی مسلسل خدمت جاری ہے۔ وسائل بھی مہیا ہو رہے ہیں اور اشیاء بھی۔ میڈیکل کیمپ بھی لگ رہے ہیں اور امدادی اشیاء بھی تقسیم ہو رہی ہیں۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ چترال میں زلزلہ زدگان کے گھروں کی تعمیر بھی شروع کر دی گئی ہے۔

آفت کی ہر گھڑی آفت زدوں کے لیے تو امتحان اور قیامت کی گھڑی ہوتی ہی ہے لیکن یہ آفت سے محفوظ رہنے والوں کے لیے بھی آزمائش ہوتی ہے۔ مصیبت کی اس گھڑی میں قوم جس طرح سے آفت زدوں کی مدد کے لیے نکلتی ہے۔ اس سے قوموں کی عظمت، خود داری، جذبہ حب الوطنی اور دوسروں کے لیے قربانی و ایثار اور جذبے کا پتہ چلتا ہے۔ الحمدللہ! پاکستانی قوم میں جذبہ ہے، صلاحیت ہے، ایثار ہے، قربانی ہے، ایک دوسرے کے لیے تڑپ ہے۔ وطن عزیز میں جب بھی مصیبت کی کوئی گھڑی آتی ہے تو بہت سے ہم وطن کشاں کشاں

آفت زدوں کی مدد کے لیے نکل کھڑے ہوتے ہیں۔ مصیبت زدوں پر صدقے واری ہوتے ہیں۔ جب سے زلزلہ زدہ علاقوں میں ریلیف آپریشن شروع کیے ہیں، ملک بھر سے عطیات آ رہے ہیں۔ کراچی سے شیخ غلام احمد نے رقم بھجوائی۔ ملک میں ٹینٹ بنانے والے بڑے ادارے کے سربراہ فرحان سرور نے اپنے نوجوان آفیسر ساجد محمود کے ذریعے شانگلہ اور چترال کے زلزلہ زدگان کے لیے اعلیٰ اور دیدہ زیب خیمے اور ترپالیں مہیا کیں۔ خدمت اور ایثار کے لیے ہر دم تیار اعجاز سِکا نے پانچ سو رضائیاں تیار کروا کے بھیجیں اور کیش بھی دیا۔ عمر رسید کرنل ظفر اور اُن کی اہلیہ ہسپتال آئے اور کیش کے علاوہ گرم کپڑوں کا عطیہ دیا۔ ڈاکٹر نہدیٰ اشرف کے ماموں چوہدری امین کا بھی عطیہ پہنچ گیا۔ راشن اور ادویات کا بھی انتظام ہو گیا۔ سجاد شاہ، اقبال، فائزہ نے بچوں اور بڑوں کے لیے جیکٹیں خریدیں۔ علی عمر اور حافظ اشعر نے ساہیوال سے بچوں کے لیے جرسیاں، سویٹرز اور ٹوپیاں بھجوائیں۔ سجاد شاہ نے بچوں کے لیے تحائف پیکس تیار کروائے۔ ہسپتال میں ساری رات رونق رہی اور امدادی اشیاء پیک ہوتی رہیں۔ سب سے پہلے خیموں اور ترپالوں سے لدا ہوا ٹرک چترال روانہ کیا۔

وادی کیلاش کا چھلاوہ:

چترال میں ہمارا ہر دم مستعد اور تیار چھلاوے کی طرح غائب اور حاضر ہونے والا اسرار احمد عرف زندگی وادیٔ کیلاش میں سیلاب آنے سے لے کر زلزلے تک اکیلا ریسکیو، ریلیف اور بحالی سیلاب زدگان اور زلزلہ زدگان کے عمل میں مصروف ہے۔ اسلم مروت نے پتہ نہیں اسے کہاں سے ڈھونڈ نکالا۔ کبھی کبھی تو گمان ہوتا ہے کہ انسان نہیں بلکہ جن ہے۔ ابھی وادیٔ کیلاش میں تھا۔ کچھ دیر پتہ چلتا ہے ایون ویلی میں ہے۔ اگلے لمحے وہ چترال کے دور دراز گاؤں میں زلزلہ زدگان میں گرم کپڑے اور راشن تقسیم کرتا نظر آتا ہے اور پھر بعد میں پتہ چلتا ہے کہ وہ زلزلہ سے مکمل تباہ شدہ ہُون گاؤں میں پہنچا ہوا ہے اور نذیر احمد کے گھر کی چھت پر سٹیل کی چادریں ڈلوا رہا ہے۔ زندگی نے چترال کی خواتین کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا ہے۔ اب وہ اس کے شانہ بشانہ چل کر زلزلہ زدگان کی خدمت کر رہی ہیں اور وہ چترال میں کسٹمز ہیلتھ کیئر سوسائٹی کی کارکن بن گئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا خاص کرم ہے کہ 2005ء سے لے کر آج تک ملک کے کونے کونے میں مصیبت زدوں کی دادرسی کے لیے سب سے پہلے پہنچ کر ان کی خدمت کرتے ہیں۔ ان کا دُکھ درد شیئر کر کے انہیں دنیاوی آسانیاں اور روحانی سکون پہنچاتے ہیں۔ چترال ٹرک روانہ کر کے دوسرا ٹرک شانگلہ کے لیے تیار کیا۔ رات گئے تک سامان لوڈ ہوا اور ٹرک کے ڈرائیور رحمت اور عمر کے ساتھ پرویز کو روانہ کیا۔ موبائل ہسپتال کے ساتھ توفیق اور اس کا چھوٹا بھائی روانہ ہوئے۔ ڈاکٹر قدرت اللہ نیازی قدرت کا حسین تحفہ ہے۔ میانوالی کا نوجوان اور خوبصورت ڈاکٹر پچھلے دو

سال سے ہمارے علاج اور خدمت کے قافلے کا مستقل ساتھی ہے۔ صبح سویرے ڈاکٹر قدرت کو میو ہسپتال سے لیا۔ پنجاب ٹی وی کے کامران سکندر اور اعظم بھی آن ملے۔ غلام غوث بھی صبح سویرے پہنچ گئے۔ اشفاق نے 10 بجے تک ساری تیاریاں کر لیں۔ اسماء نے کپڑے اور سامان پیک کر دیا۔

دھند ہی دھند میں سفر:

چند دنوں سے دھند کا راج شروع ہو گیا ہے۔ سڑکوں، دالانوں، مکانوں، کھیتوں، راستوں، انسانوں اور جانوروں غرضیکہ ہر جاندار اور غیر جاندار شے پر دھند پڑی ہوئی ہے۔ دھند کی وجہ سے موٹر وے صبح سویرے بند کر دی جاتی ہے۔ آج بھی ایسے ہی ہوا۔ صبح 6 بجے سے 9 بجے تک موٹر وے بند رہی۔ اس لیے 10 بجے کے قریب لاہور سے روانہ ہوئے۔ سورج پوری آب و تاب کے ساتھ چمک رہا تھا۔ اس وجہ سے دھند جلدی چھٹ گئی۔ راستے میں ظہر کی نماز چکری میں ادا کی۔ 3 بجے کے قریب مردان پہنچ گئے۔ مردان سے تو اپنا پرانا رشتہ ہے۔ 2009ء میں جب سوات سے در بدر ہو کر 30 لاکھ IDPs مردان اور صوابی پہنچے تو اپنا اِدھر آنا شروع ہوا۔ 2010ء میں سیلاب آیا تو پھر مردان اور نوشہرہ میں مستقل ڈیرے لگ گئے۔ اپنا گھر ہاؤسنگ پراجیکٹ شروع ہوا۔ سیلاب زدگان کے لیے سینکڑوں گھر بنائے۔ نوشہرہ، مردان اور سوات میں کسٹمز ہیلتھ کیئر سوسائٹی کے تحت سکول کمیونٹی سنٹرز اور کلینکس سالہا سال سے چل رہے ہیں۔ شیلٹن ہوٹل میں کھانا کھایا۔ پرانی یادیں تازہ ہو گئیں۔ 2009ء اور 2010ء میں سارا دن کام کر کے تھکی ہاری ٹیمیں اکثر شیلٹن ہوٹل آ کر کھانا کھاتیں۔ اُس وقت میو ہسپتال کے ڈاکٹرز پروفیسر خالد مسعود گوندل کے طفیل ہمارے ساتھ ہوتے تھے اور آج بھی ڈاکٹر خالد کا تربیت یافتہ ڈاکٹر قدرت نیازی ہمارے ساتھ ہے۔ سخا کوٹ، درگئی، مالاکنڈ ٹاپ، بٹ خیلہ، بری کوٹ سے ہوتے ہوئے رات گئے مینگورہ پہنچے۔ سہیل فدا ہلٹن ہوٹل میں ہمارے استقبال کے لیے موجود تھا۔ پچھلے ماہ کے شروع میں بھی اسی ہوٹل میں رات گزاری تھی۔ سہیل فدا کے والد صاحب کی مہمان نوازی کا لطف اُٹھایا تھا۔ پٹھان بلا کے مہمان نواز ہوتے ہیں۔ محبت بھی ٹوٹ کر کرتے ہیں اور نفرت بھی ٹوٹ کر۔ جب تک نفرت کی آگ میں جل کر بھسم نہ ہو جائیں نفرت جاتی نہیں۔ دریائے سوات کے کنارے بنا ہوا ہلٹن ہوٹل وسیع و عریض رقبے پر پھیلا ہوا ہے۔ عمارت نئی بنی ہے اس وجہ سے کمرے، صاف، کشادہ، ہوادار اور ساری سہولیات سے مزین ہیں۔ باتھ روم اچھے اور صاف ہیں مگر یہاں گرم پانی کا ان کا اپنا معیار ہے۔ جو ہمارے ہاں نارمل پانی ہوتا ہے اسے یہاں گرم گردانا جاتا ہے کیونکہ ٹھنڈے یخ پانی میں ہاتھ ڈالنے سے تو وہ منجمد سے ہو جاتے ہیں۔ رات کمرہ نمبر 119 میں گزری۔ رات جیسے تیسے گزری۔ صبح جلدی آنکھ کھل گئی۔ اسلم مروت نے اپنی فلک شگاف آواز میں اذان دی۔ آس پاس کے کمروں سے بھی لوگ نکل آئے۔ فجر کی نماز باجماعت ادا کی۔

پٹھان چائے کے بغیر کلمہ بھی نہیں پڑھتا:

صبح سویرے چائے مل جائے تو اس سردی میں نعمت ہوتی ہے۔ ویسے پٹھان کا چائے سے چولی دامن کا ساتھ ہے۔ اسلم مروت کے بقول پٹھان چائے کے بغیر کلمہ بھی نہیں پڑھتا۔ مینگورہ کی صبح بہت سہانی، دلکش اور رومانٹک تھی۔ فضا میں خنکی تھی۔ سورج دور پہاڑوں کی اوٹ سے اپنا چہرہ نکالنے کی کوششوں میں مصروف تھا۔ دریائے سوات اپنی جولانیوں کے ساتھ رواں دواں تھا۔ سوات میں اب امن وسکون اور آشتی کا دور دورہ ہے۔ لوگ مزے سے دریا کے کنارے صبح کی سیر کا لطف اُٹھا رہے تھے۔ صبح سویرے ناشتہ کیا اور شانگلہ کے لیے عازم سفر ہوئے۔ دور پہاڑوں کی چوٹیوں پر برف کی سفید چادر تنی ہوئی نظر آ رہی تھی۔ سورج کی کرنیں جونہی برف پر پڑتیں تو وہ کرسٹل اور چاندی کی طرح چمکتی دمکتی نظر آتیں۔ کھڑکی کھولنے سے ہڈیوں میں سرایت کرتیں یخ بستہ ہوائیں جسم سے ٹکراتیں تو ایک جھرجھری سی لگتی اور ہڈیوں میں خون جمتا ہوا محسوس ہوتا۔ بل کھاتی وادیوں اور کچے پکے راستوں سے گزر کر شانگلہ ٹاپ پہنچے تو سردی کی شدت میں اور اضافہ ہو گیا۔ ایسے لگ رہا تھا کہ سردی سے پورا بدن منجمد ہو جائے گا۔

حافظ الپوریؒ کی وصیت اور چوہوں کی نقل مکانی:

الپوری میں داخل ہوئے تو سب سے پہلے صوفی بزرگ، شاعر اور مبلغ اسلام حافظ الپوریؒ کے مزار پہ حاضری دی۔ حافظ الپوریؒ کی کاوشوں سے اس علاقے میں اسلام پھیلا۔ حافظ الپوری آنکھوں سے نابینا تھے۔ بہت خوبصورت جوان تھے۔ نابینا ہونے کے باوجود ان کے اساتذہ حافظ صاحب سے بہت محبت کرتے تھے۔ اس محبت کی وجہ سے ان کے ساتھی طالب علم ان سے نالاں تھے۔ انہوں نے حسد میں حافظ الپوری کو دور جنگل میں دریا کے کنارے بھجوا دیا کہ دریا میں گر کر خود ہی مر کھپ جائیں گے مگر اللہ نے ان سے کام لینا تھا۔ انہوں نے دریا کے قریب لکڑی کے پل کے ساتھ ڈیرہ جما لیا اور اسلام کی تبلیغ شروع کر دی۔ لوگ دھڑا دھڑ اِن کے حلقہ ارادت میں شامل ہو کر حلقۂ بگوش اسلام ہونے لگے۔ 1013 ہجری بمطابق 1593ء کو جب حافظ الپوری کا انتقال ہوا تو ان کی وصیت کے مطابق ان کو دریا کے کنارے دفن کیا جانے لگا۔ وہاں ان دنوں بڑے بڑے جنگلی چوہوں کی بہتات تھی۔ ارادت مندوں نے وصیت سن کر کہا کہ یہاں چوہے ہیں، آپ کو کیسے دفن کریں گے تو بابا نے کہا جونہی مجھے دفن کرنے لگو گے، چوہے چلے جائیں گے۔ بابا الپوری کے مزار پر کھڑا چشم تصور سے دیکھ رہا ہوں کہ جونہی ان کا جسدِ خاکی قبر میں اتارا گیا۔ پورے علاقے سے بڑے بڑے چوہے قطار بنا کر لکڑی کے پرانے پل سے کوچ کر کے جنگل میں غائب ہو گئے اور آج تک ان کے مزار کے اردگرد کوئی چوہا نظر نہیں آتا۔ بابا الپوری کے مزار پر ان کے لیے فاتحہ پڑھی۔ وہاں جا کر روحانیت اور انوارات کی روشنی محسوس ہوئی۔

ڈھیری میں علاج اور خدمت:

آگے ڈھیری میں عبدالرؤف، توفیق، سہیل خان موجود تھے۔ جاتے ہی کیمپ کا آغاز کر دیا۔ ڈاکٹر قدرت اللہ نیازی ڈھیری میں یونیسف کے طرف سے بنے نئے مرکز میں بیٹھ گئے۔ موبائل کلینک سج گیا۔ اسلم مروت، عبدالرؤف اور اشفاق پر مشتمل ٹیم مقامی ساتھیوں سے مل کر امدادی اشیاء کی تقسیم میں لگ گئے۔ مریضوں کی آمد شروع ہوگئی۔ بچے، بوڑھے، جوان، عورتیں، لڑکیاں سب جمع ہو گئے۔ سخت سردی میں مریضوں کا تانتا بندھ گیا۔ مریضوں کا چیک اَپ دوپہر تک جاری رہا۔ بچوں میں تحائف بھی بانٹے جاتے رہے۔ شور و غل، ہنگامہ سب کچھ ہو رہا ہے۔ لوگ چھینا جھپٹی بھی کر رہے ہیں۔ ہر کسی کی خواہش ہے کہ سب اشیاء اسے مل جائیں۔ دوسروں کو کچھ ملے یا نہ ملے۔ ہم اپنے علاج اور خدمت کے کام میں مگن رہے۔ جمعہ کی نماز تک 350 مریضوں کا چیک اَپ اور علاج ہوا۔ میڈیکل کیمپ میں بچے، بوڑھے، عورتیں لڑکے، لڑکیاں سب چیک اَپ اور علاج کے لیے آئے۔ پٹھان عورتیں آج بھی مرد ڈاکٹر کے پاس جانے سے پرہیز کرتی ہیں۔ شانگلہ کے بازاروں میں بھی ایسا ماحول ہے کہ صبح سے شام تک پورے شہر میں کوئی عورت نظر نہیں آتی۔ یہاں کی خواتین میں زیادہ تر خون کی کمی کی وجہ سے جسم میں کمزوری اور دردوں کی شکایت تھی۔ لڑکیوں کی بہت جلد شادی کر دی جاتی ہے۔ پھر پے در پے بچے پیدا ہونے کی وجہ سے 25 سال کی لڑکی 40 سال کی بوڑھی خاتون لگتی ہے۔ اس کے باوجود اس علاقے کی عورت بڑی سخت جان ہے۔ صبح سے رات گئے تک گھر میں کام کرے گی مگر مجال ہے حرفِ شکایت زبان پر لائے۔ جمعہ کی نماز کے لیے ڈھیری مسجد کی طرف چلے۔ ٹھنڈے یخ پانی سے وضو کرنے سے انگلیاں جامد ہوگئیں۔ تین منزلہ مسجد اوپر سے نیچے تک کھچا کھچ بھری ہوئی تھی۔ تل دھرنے کو جگہ نہ تھی۔ بڑی مشکل سے کونے میں جگہ ملی۔ نماز ادا کر کے مرکز صحت میں کھانا کھایا۔ مقامی ساتھیوں نے گرما گرم بریانی کھلائی۔ اسلم مروت، اشفاق اور عبدالرؤف زلزلہ زدگان کی لسٹیں بنانے میں محو ہو گئے تاکہ بلقیس سرور فاؤنڈیشن کی طرف سے عطیہ کیے گئے خوبصورت دیرپا اور دیدہ زیب ٹینٹ اور ترپالیں ایسے متاثرین کو دیے جائیں۔ جن کے گھر زلزلہ میں تباہ ہوئے ہیں اور وہ اسی سخت سردی میں کھلے آسمان تلے زندگی گزارنے پر مجبور ہیں کیونکہ اشیاء کی تقسیم میں ابھی خاصا وقت صرف ہونا تھا۔ اس لیے ریلیف ٹیم کو چھوڑ کر آگے بڑھے۔ 5 کلومیٹر کے فاصلے پر چکٹ گاؤں میں کیمپ کا آغاز کر دیا۔

پانچ بھائی، دس بہنیں اور چکٹ:

ڈھیری کے مکین سکندر خان نے کیمپ کے دوران ہماری خوب مدد کی۔ سارے کیمپوں میں مریضوں کو

دوائی کھانے کی ترکیب بتاتا رہا۔ سکندر خان بڑا ہنس مکھ جوان ہے، سوات میں پڑھتا ہے۔ اس نے اپنے بارے میں بتایا کہ ہم پانچ بھائی اور دس بہنیں ہیں۔ باپ نے دو شادیاں کیں۔ عمر 80 سال ہے۔ سب سے بڑی بہن 50 سال کی اور سب سے چھوٹا بھائی 12 سال کا ہے۔ پٹھانوں میں دو دو تین شادیوں کا عام رواج ہے اور بچے بھی ڈھیر ہوتے ہیں۔ سکندر خان نے چکٹ میں مریضوں کو بلانا شروع کر دیا۔ چھوٹے بچے تحائف ملنے کا سن کر جمع ہو گئے۔ مرد اور عورتیں بھی دوا لینے آ گئے۔ شانگلہ کے خوبصورت اور قدرتی مناظر سے بھرپور علاقوں میں کام کرتے ہوئے یہ دیکھ کر بڑا تعجب اور افسوس ہوتا ہے کہ ان حسین علاقوں میں ترقی اور تعمیر کا کوئی خاص کام نہیں ہوا۔ غربت، جہالت اور پس ماندگی عام ہے۔ لوگوں کے پاس کوئی ذریعہ معاش ہے اور نہ یہاں کسی طرح کی کوئی انڈسٹری ہے۔ زیادہ تر لوگ کھیوڑہ، جہلم، مچھ، کوہاٹ، بلوچستان میں کوئلہ اور نمک کی کانوں میں کام کرتے ہیں یا پھر پنجاب کے مختلف علاقوں میں محنت مزدوری کر کے گزارا کرتے ہیں۔ چکٹ میں 100 مریضوں کا چیک اَپ اور علاج کر کے جلدی فارغ ہو گئے تو آگے کا قصد کیا۔

کہروڑہ میں آشنائی اور خدمت:

کہروڑہ بازار آ کر گاڑیاں خود بخود رُک گئیں۔ موبائل ہسپتال اور ہماری گاڑی کو دیکھ کر ایک دم لوگ جمع ہو گئے۔ کئی لوگ محبت سے آگے بڑھ کر ملے۔ شناسا چہرے بھی نظر آئے، ایک مہینہ پہلے زلزلے کے فوراً بعد اِدھر آنا ہوا تھا۔ یہاں آ کر زلزلہ زدگان کی خدمت کی تھی۔ عصر کی نماز کے لیے مسجد گئے تو چھوٹے چھوٹے پھول جیسے ننھے فرشتے پہچان کر آگے بڑھ کر محبت سے ملے اور گلے لگ گئے۔ ان بچوں کی چند دن پہلے خدمت کی تھی۔ بچے ننگے فرش پر سو رہے تھے، ان کے لیے خوبصورت قالین فوری طور پر خرید کر ان کے کمرے میں بچھایا تھا۔ ننھے فرشتے قالین پر مزے سے بیٹھے خوش گپیوں میں مگن تھے۔ ان کو خوش اور مطمئن دیکھ کر دل باغ باغ ہو گیا۔ عصر کے بعد پھر کیمپ شروع ہوا۔ مزید مریض آئے۔ زرولی سپیشل بچہ بھی اپنے والد کے ساتھ آ گیا۔ پچھلی دفعہ بھی اس بچے کو خصوصی طور پر دیکھا تھا۔ خدمت کی تھی۔ بچے نے خوش ہو کر ہاتھ اُٹھا کر دعا دی تھی۔ زرولی کو دیکھا، چیک کیا اور دوا دی تو اس نے پھر دعا کے لیے ہاتھ اُٹھا لیے۔ مغرب کی نماز کہروڑہ کی مسجد میں ادا کی تو مزید شناسا چہرے نظر آ گئے۔ بابا گل جان کے گھٹنوں میں درد تھا۔ گرم پٹی باندھی تو مسجد میں سب لوگ پوچھنے لگ گئے اور محبت سے مصافحہ اور معانقہ کرنے لگے۔ کہروڑہ میں 250 مریضوں کا علاج کر کے آگے بڑھے۔ کیمپ کے دوران خائستہ گل نے اپنی غریبی کا رونا رویا۔ اپنی داستان غم سنائی۔ اس کا چیک اَپ کیا، علاج کیا۔ دواؤں کے ساتھ خدمت بھی کی تو دُعا دیتا رخصت ہوا۔ پتاؤ کی طالب علم علیمہ خان اپنے بھائی کے ساتھ آ گئی میرے گاؤں

کا کوئی پرسان حال نہیں۔ لوگ بے گھر ہیں۔ ان کی مدد کریں۔ اُن کو خیمے دیں۔ بیمار ہیں ان کا علاج کریں۔ اس کا اپنے لوگوں کے لیے جذبہ ہمدردی دیکھ کر اس کا ساتھ دینے کا وعدہ کیا۔

اور ہنگامہ ہو گیا:

ڈھیری میں اسلم مروت دوسرے ساتھیوں کے ہمراہ مختلف اشیاء تقسیم کرنے میں لگے ہوئے تھے۔ مقامی ساتھیوں کے مشورے سے لسٹ بنائی۔ بڑے خیمے اور ترپالیں صرف ان لوگوں کو دیے جن کے گھر منہدم ہوئے تھے مگر لوگوں کا جم غفیر قابو میں نہ آ رہا تھا۔ ہزار کوششوں کے باوجود ہنگامہ ہو گیا۔ لوگوں نے دھاوا بول دیا۔ اسلم مروت نے پولیس کو بلایا اور ہجوم پر بڑی مشکل سے قابو پایا۔ مگر ڈھیری کے لوگ بھی اپنے ارادے کے پکے تھے، پولیس اور نگرانی کے باوجود رات گئے تک کھڑے رہے۔ اسلم مروت اور عبدالرؤف مستعدی سے پہرہ دیتے رہے تاکہ امدادی اشیاء صرف حقداروں کو ملیں۔ محمد اشفاق، سہیل فدا، کامران سکندر مقامی ساتھیوں کے ساتھ مل کر دور پہاڑوں کی طرف چلے تاکہ ایسے زلزلہ زدگان تک پہنچا جائے جہاں پہلے کوئی نہ گیا ہو۔ چلتے چلتے رات ہو گئی۔ سردی ہڈیوں میں سرایت کرتی گئی۔ مگر خدمت اور علاج کا قافلہ چلتا رہا اور رات گئے 11000 فٹ کی بلندی پر جا کر متاثرین کی حالت زار دیکھ کر ان کی لسٹ بنا کر اور انہیں تین ڈاٹسن گاڑیوں میں بٹھا کر واپس پلٹے تاکہ راتوں رات ریلیف اشیاء ان کے حوالے کریں۔ اسلم مروت نے اپنے ذرائع استعمال کر کے الپوری میں شانگلہ ریسٹ ہاؤس میں کمروں کی ریزرویشن کروا رکھی تھی۔ رات گئے ریسٹ ہاؤس پہنچے۔ شانگلہ الپوری ریسٹ ہاؤس پولیس چوکی کے پاس پُرفضا مقام پر واقع ہے۔ اوپر سے پورا شہر نظر آتا ہے۔ رات کے اندھیرے میں پہاڑوں پر ٹمٹماتے برقی قمقمے عجیب رومان پرور منظر پیش کر رہے ہیں۔ سردی زوروں پر ہے۔ ہاتھ پاؤں کانپ رہے ہیں۔ دانت بج رہے ہیں۔ ابھی ابھی عامر نے چائے لا کر پلائی تو ذرا جان میں جان آئی ہے۔

شانگلہ ریسٹ ہاؤس میں:

شانگلہ کے خوبصورت ریسٹ ہاؤس میں صبح سویرے کا وقت ہے۔ سورج پہاڑوں کی اوٹ سے نکلنے کو ہے۔ یخ بستہ ہوائیں چل رہی ہیں۔ شانگلہ کی ٹھنڈی فضاؤں میں علاج اور خدمت کا سلسلہ جاری و ساری ہے۔ تہجد کے وقت اللہ نے جگا دیا۔ نماز تہجد پڑھ کر ملک کی سلامتی اور خیر و برکت کے لیے دعا کی اور اللہ کا شکر ادا کیا جس نے مصیبت کی ہر گھڑی میں دور دراز کا پرخطر سفر کر کے اپنے بندوں کی خدمت کی توفیق عطا کی۔ تہجد کے بعد آنکھ لگ گئی۔ فجر کی اذان دی اور ساتھیوں کے ساتھ باجماعت نماز ادا کی۔ اللہ کا شکر ہے جس نے سفر و

حضر میں با قاعدگی سے اپنے سامنے جھکنے کی توفیق عطا کی ہے۔ آدمی ارادہ کر لے تو اللہ بھی ساتھ ہو جاتے ہیں اور سبب پیدا فرما دیتے ہیں۔ پچھلی رات کافی پریشانی اور فکر میں گزری۔ ڈھیری میں سامان کی تقسیم کے دوران ہنگامہ ہوگیا۔ کسی بھی ریلیف مہم کے دوران متاثرین کے ساتھ سامان لوٹنے والوں کا جم غفیر بھی جمع ہو جاتا ہے اور اکثر یوں ہوتا ہے کہ متاثرین پیچھے رہ جاتے ہیں اور مال غنیمت سمجھ کر مال لوٹنے والے آگے ہوتے ہیں جو سب کچھ چھین کر لے جاتے ہیں پھر اکثر شکایات آتی ہیں کہ ریلیف کا سامان کمبل اور راشن وغیرہ بازار میں سستے داموں فروخت ہو رہا ہے۔ یہاں بھی کچھ ایسا ہوا مردان کے ساتھی عبدالرؤف نے مقامی ساتھیوں کے ساتھ مل کر ریلیف اشیاء ڈھیری کے مرکز صحت میں رکھوائی تھیں۔ جب خیمے اور ترپالیں تقسیم ہوگئیں اور راشن کی باری آئی تو ہجوم نے دھاوا بول دیا اور تالا توڑ کر سارا سامان لے اُڑے۔ اسلم مروت نے بہتیری کوشش کی کہ ہجوم پر قابو پایا جائے لیکن بپھرے ہجوم پر قابو پانا مشکل ہوتا ہے۔

11 ہزار فٹ کی بلندی کا خطرناک سفر:

ادھر سے اشفاق، سہیل فدا، کامران سکندر دور پہاڑوں میں زلزلہ زدگان کے گھروں کا معائنہ کرنے گئے ہوئے تھے۔ نیٹ ورک میں سگنل نہ آنے کے باعث ان سے رابطہ نہ ہو رہا تھا۔ عجیب پریشانی تھی۔ خدا خیر کرے۔ رات گئے انہوں نے 11000 فٹ کی بلندی سے اطلاع دی کہ ہم خیریت سے ہیں اور گھروں کا سروے کر کے واپس آ رہے ہیں۔ اس اطلاع سے اور بھی زیادہ پریشانی ہوگئی کہ رات کے گھپ اندھیرے میں 11 ہزار فٹ بلندی سے اترائی کا خطرناک سفر کیسے کٹے گا۔ اللہ کے سہارے پر وہ لوگ چلے اور رات گئے زلزلہ زدگان کے ساتھ ڈھیری پہنچے اور گاڑیوں میں خیمے، ترپالیں اور دوسری اشیاء لادیں۔ اگرچہ رات کے 2 بجے کا وقت تھا مگر مال غنیمت لوٹنے والے تاک میں تھے انہوں نے گاڑیاں روک لیں اور ایک گاڑی سے سارا سامان لوٹ لیا۔ شکر ہے کہ باقی دو گاڑیاں لے کر متاثرین اوپر پہنچ گئے۔

ابھی سورج نکلا ہے اور اس کی کرنیں چار سو پھیلی ہیں تو سردی کی شدت میں ذرا کمی آئی ہے۔ سورج کی کرنیں پہاڑوں پر پڑتی ہیں تو ان پہ پڑی برف چاندی کی طرح چمکتی دمکتی نظر آتی ہے۔ بڑا ہی سہانا منظر ہے۔ ریسٹ ہاؤس سے الپوری شہر پورا نظر آ رہا ہے۔ پہاڑوں پر ابھی تک کہیں کہیں برقی قمقمے ٹمٹماتے نقطوں کی مانند نظر آ رہے ہیں۔ اللہ کا شکر ہے کہ رات گئے ٹیم کے ارکان پہاڑوں کے خطرناک، جاں گسل اور دشوار گزار راستوں سے گزر کر واپس لوٹے اور آتے ہی بلقیس سرور فاؤنڈیشن کی طرف سے دیے گئے خیمے، ترپالیں، نئے سوٹ اور جرسیاں پہاڑوں سے آنے والے متاثرین کے حوالے کیں۔ پہاڑوں کی اوٹ اور چوٹیوں میں رہنے

والے متاثرین رات گئے اس نعمت غیر مترقبہ کو پا کر خوشی سے پھولے نہ سمائے۔ وہ تو اپنے خیموں اور ٹوٹے گھروں میں سو رہے تھے جب اشفاق، سہیل فدا اور دوسرے ساتھیوں نے ان کو جگایا۔ ساتھ لیا اور تین گھنٹے کا سفر کر کے ساری ریلیف اشیاء ان کے حوالے کیں۔ رات کو چیزیں تقسیم کرنے کا یہ عمل صبح فجر کی نماز تک جاری رہا۔ لدی پھدی ڈاٹسن گاڑیاں روانہ ہوئیں تو ساتھیوں نے سکھ کا سانس لیا۔ سہیل فدا کے ساتھ رات گئے تک دل کی باتیں ہوتی رہیں۔ زندان کے حالات، زندان میں گذارے شب و روز اور زنداں سے باہر آنے کے بعد کے حالات پر سیر حاصل گفتگو ہوئی۔

شانگلہ ریسٹ ہاؤس کے باہر کیمپ:

فجر کی نماز کے بعد شانگلہ ریسٹ ہاؤس کے نیچے جہاں آس پاس چند گھر آباد تھے، وہاں کیمپ کا آغاز کر دیا۔ بچے، بچیاں سکول جا رہے تھے، ان کو خوبصورت تحائف دیے۔ شروع میں کیمپ میں زیادہ رش نہ تھا لیکن جونہی آس پاس کے لوگوں کو پتہ چلا کہ میڈیکل کیمپ لگا ہوا ہے۔ لاہور سے آئے ہوئے ڈاکٹر مریضوں کو چیک کر کے ادویات مفت دے رہے ہیں تو اوپر پہاڑوں سے لوگ نیچے آنا شروع ہو گئے۔ راہ چلتے مسافر بھی آ گئے۔ دو گھنٹے تک سخت سردی لیکن سہانے موسم میں کیمپ چلتا رہا۔ سورج نکلنے کے ساتھ ہی سردی کی شدت میں کمی آ گئی۔ موبائل کلینک میں بھی دھوپ آ گئی جو بہت بھلی لگ رہی تھی۔ چائے کی طلب ہوئی تو دیکھا کہ سامنے کے گھر کا خان جس کے بچوں کو چیک کیا تھا۔ چائے کی ٹرے اُٹھائے آ رہا ہے۔ اس کیمپ میں زیادہ تر بچے کھانسی، بخار، پیٹ خراب، ڈائریا، جسم پہ دانے وغیرہ کی تکالیف کے ساتھ آئے۔ عورتیں بھی آئیں جن کو زیادہ تر سانس اُکھڑنے، جسم میں دردوں اور معدہ خراب ہونے کی علامات تھیں۔ سہیل خان اور رفیق الپوری شہر سے ناشتہ لے آئے۔ شانگلہ ریسٹ ہاؤس کے ڈائننگ روم میں بیٹھ کر ناشتہ کیا جہاں سے پہاڑوں کا خوبصورت اور دیدہ زیب منظر نظر آ رہا تھا۔ پہاڑوں پر پڑی برف کرسٹل اور چاندی کی طرح چمک رہی تھی۔

اللہ کی قدرت، ڈاکٹر قدرت نیازی:

ڈاکٹر قدرت اللہ نیازی پچھلے دو سال سے ہمارے ساتھ منسلک ہے۔ پروفیسر ڈاکٹر خالد مسعود گوندل (تمغۂ امتیاز) نے انہیں ہمارے ساتھ جوڑا اور جب بھی علاج اور خدمت کا کوئی سفر ہوتا ہے تو کوشش ہوتی ہے کہ ڈاکٹر قدرت ساتھ ہو کیونکہ وہ کیمپوں کے دوران بہت دل جمعی، محبت اور پیار کے ساتھ مریضوں کا معائنہ کرتا ہے اور سب مریض اس سے مطمئن ہو کر واپس جاتے ہیں۔ ہنس مکھ طبیعت نوجوان اور خوبصورت ڈاکٹر قدرت اللہ نیازی سفر کے دوران بھی ہمیشہ سب ساتھیوں کے ساتھ گھل مل جاتا ہے اور اس سے مل کر ذرا بھی

اجنبیت کا احساس نہیں ہوتا۔ اللہ اس نوجوان ڈاکٹر کو اچھا سرجن بنائے اور وہ ہمیشہ اسی طرح خوش وخرم رہ کر مریضوں کی خدمت کرتا رہے۔ اسلم مروت اور عبدالرؤف بھی ساری رات کی گہما گہمی اور چھینا جھپٹی سے فارغ ہو کر صبح سویرے پہنچ گئے۔

پورن میں علاج اور خدمت:

ناشتے کے بعد شانگلہ کے دوسرے بڑے شہر ''پورن'' کا رخ کیا۔ پورن جانے کا راستہ بھی بڑا پرخطر اور جاں گسل ہے۔ اوپر نیچے پہاڑوں کے بیچوں بیچ تنگ سڑکوں سے گذرنا اور نت نئے موڑوں سے گاڑی کو کبھی اوپر اور پھر نیچے لانا واقعی بڑے دل گردے کا کام ہے۔ اس سلسلے میں رفیق اور توفیق کو داد دینا پڑتی ہے کہ انہوں نے بڑی مہارت اور تندہی سے گاڑیوں کو آگے بڑھایا۔ موبائل کلینک کو ایسی کچی پکی راہوں، کٹے پھٹے راستوں پر کبھی اوپر چڑھانا اور کبھی نیچے لانا واقعی بہت مشکل کام ہے۔ اگر ڈرائیور مستعد اور ماہر نہ ہو تو ذرا سی لغزش نیچے گہری کھائیوں تک پہنچا سکتی ہے۔ ڈھیری کا وزیر ساتھ تھا۔ اس نے بتایا کہ سفر ایک گھنٹے کا ہے لیکن دو گھنٹے کے بعد پورن شہر پہنچے۔ جاتے ہی سڑک کے کنارے جہاں سے پورن شہر کا خوبصورت منظر نظر آ رہا تھا کیمپ شروع کر دیا۔ شروع میں لوگ کم تھے مگر جیسے ہی خبر پھیلی ہر طرف سے لوگ امڈ آئے۔ بچوں کو جب پتہ چلا کہ مٹھائی اور ٹافیاں بھی مل رہی ہیں تو انہوں نے یلغار کر دی۔ پرویز کو گھیر لیا۔ پرویز کہیں سے اپنے ہمزاد کو ڈھونڈ لایا۔ بالکل وہی چہرہ، ایک جیسی داڑھی اور بال، قد بھی برابر، جہازی مونچھوں کا سائز بھی ایک جیسا ..... ایسے لگتا تھا کہ دونوں جڑواں بھائی ہیں۔

پورن شہر میں ہمارا علاج اور خدمت کا سلسلہ دوپہر تک چلتا رہا۔ یہاں بھی ہر طرح کے مریض آئے۔ اپنا حالِ دل وجسم سنا کر اور دکھا کر دوائی لیتے اور دعائیں دیتے جاتے رہے۔ خیبر پختونخواہ کے مختلف شہروں میں کام کرتے ہوئے کئی سال ہو گئے ہیں۔ مریضوں کے ساتھ ان کی اپنی زبان میں گفتگو کر کے ہسٹری لینے کا اپنا مزا ہے۔ حالانکہ اپنی پشتو ابھی تک گلابی ہے اور کبھی کبھار مترجم کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ ہماری پشتو سن کر شانگلہ کی لڑکیاں اور عورتیں خوب محظوظ ہوتیں لیکن داد بھی دیتیں کہ ڈاکٹر کو پشتو آتی ہے۔

جسے اللہ رکھے اُسے کون چکھے:

350 مریضوں کا چیک اَپ اور علاج کر کے پورن سے واپس پلٹے۔ تنگ سڑکوں، خطرناک موڑوں، پیچ دار راستوں، سانپ کی طرح بل کھاتی وادیوں سے گذر کر واپسی کی راہ لی۔ سفر کے دوران ذرا سی لغزش آپ کو نیچے گہری کھائیوں تک لے جا سکتی ہے۔ ہمارے آگے جانے والی جیپ کے ساتھ کچھ ایسا ہی ماجرا ہوا۔ جیپ

بڑی تیزی سے آگے جا رہی تھی۔ موڑ سے گزرتے ہوئے بھی تیزی میں کمی نہ آئی اور ڈرائیور سٹیئرنگ کو پوری قوت سے گھمانے کے باوجود اس پر قابو نہ پا سکا۔ گاڑی سڑک کے کنارے سے پھسل کر سو فٹ نیچے گرنے جا رہی تھی کہ نیچے چند فٹ کے فاصلے پر کھڑے ایک چھوٹے درخت کے ساتھ ٹکرا کر ایک دھماکے سے رُک گئی۔ اگرچہ گاڑی اُلٹ چکی تھی۔ جیپ میں سوار لوگ جلدی سے کپڑے جھاڑتے ہوئے باہر نکل آئے۔ سب کو اللہ نے بچا لیا۔ چھوٹے سے درخت کو دیکھ کر سب یہی کہہ رہے تھے کہ اللہ نے اپنی قدرت سے بچا لیا ورنہ اس کمزور درخت میں اتنی سکت کہاں تھی کہ جیپ کو روک لیتا۔ صحیح کہتے ہیں ''جسے اللہ رکھے اُسے کون چکھے''۔ شانگلہ سے خوازہ خیلہ، مینگورہ، بری کوٹ، بٹ خیلہ، مالاکنڈ ٹاپ، درگئی، مردان سے ہوئے ہوئے اگلے دن صبح سویرے واپس لاہور پہنچے اور اللہ کا شکر ادا کیا جس نے اتنی سخت سردی میں سینکڑوں میل سفر کر کے آفت زدوں کی مدد کرنے کی توفیق دی۔

اور غیبی مدد آ گئی

چترال کے ہون گاؤں کا نذیر اپنے چار بچوں کے ساتھ خوشی خوشی رہ رہا تھا۔ تین کمروں کے مکان میں اچھی بھلی گذر بسر ہو رہی تھی۔ چھوٹی سی دکان تھی۔ جس سے کاروبار زندگی چل رہا تھا۔ 26 اکتوبر آیا۔ دوپہر کے وقت ابھی دُکان کھولی ہی تھی کہ آناً فاناً زلزلے کے جھٹکے آئے اور مکان ملبے کا ڈھیر بن گیا۔ سامان رہا نہ گھر۔ شکر ہے بچے بچ گئے اور میاں بیوی بھی۔ جو مال و اسباب تھا وہ سب کچھ تباہ ہو گیا۔ چند لمحوں نے گھر سے بے گھر کر دیا۔ چترال کے مقامی لوگوں نے سب سے پہلے ریلیف پہنچایا۔ فلاحی تنظیمیں بھی میدان عمل میں آئیں۔ حکومت نے بھی انگڑائی لی۔ وزیر اعظم پاکستان نے زلزلہ زدہ علاقوں کے طوفانی دورے کیے۔ مقامی عہدیداروں نے فوج کے ساتھ مل کر فوری طور پر زلزلے سے مسمار گھروں کا سروے کیا اور زلزلوں کی تاریخ میں پہلی بار زلزلے کے 15 دن بعد معاوضے کے چیک مل گئے۔ نذیر نے بچوں کو چترال شہر میں بھائی کے گھر شفٹ کر دیا اور معاوضہ کی رقم اور کچھ دوستوں، رشتے داروں سے قرض لے کر گھر کی تعمیر شروع کر دی۔ چند دنوں میں دیواریں کھڑی ہو گئیں۔ کھڑکیاں اور دروازے بھی لگ گئے۔ صرف چھت ڈالنے کا کام باقی رہ گیا۔ چترال اور شانگلہ میں چونکہ موسم سخت سرد رہتا ہے، برف باری بھی ہوتی ہے۔ اس لیے لکڑی کا فریم بنا کر اس کے اوپر سٹیل کی چادریں ڈال کر چھت ڈالی جاتی ہے۔ اب نذیر کے پاس پیسے ختم ہو گئے۔ مزید اُدھار مانگنے سے شرم آنے لگی مگر چھت کا کام بھی تو ضروری تھا۔ اللہ سے دُعا کی اور دُعا کے بعد اطمینان سے بیٹھ کر غیبی مدد کا انتظار کرنے لگا۔ اسے یقین ہو گیا تھا کہ غیبی مدد ضرور آئے گی۔ کوئی اللہ کا بندہ خود اس کے پاس آئے گا اور اس کے مکان کی چھت ڈلوا دے گا۔ ابھی ایک دن بھی نہ گذرا تھا کہ زندگی (اسرار احمد) کی صورت میں غیبی مدد آ گئی۔ گوٹھ گوٹھ، نگر نگر، پہاڑوں اور وادیوں میں پھرتا زلزلہ زدگان کی دادرسی کرتا، زندگی نذیر کے گاؤں پہنچا۔ اس کے گھر کے قریب آ کر کھڑا ہو گیا۔ منہ میں بڑبڑایا۔ ''دیواریں مکمل ہیں، چھت کیوں نہیں ڈال رہے۔'' نذیر نے زندگی کو گھر کے قریب دیکھا تو حال احوال پوچھا۔ زندگی کے استفسار پہ سارا ماجرا سنایا اور کہا کہ میں چھت کے لیے غیبی مدد کا منتظر ہوں۔ زندگی نے کہا کہ ایک منٹ ٹھہرو۔ فوراً لاہور فون ملایا اور نذیر کے گھر کی چھت ڈالنے کی منظوری لی۔ اللہ اپنے بندوں کی ضرور سنتا ہے اس سے جیسا گمان کرو ویسا ہی فیصلہ ہوتا ہے۔ زندگی نے فوراً

مستری ڈھونڈ لیا۔ بازار سے لکڑی اور چادریں لیں۔ نذیر کا یقین تھا کہ غیبی مدد آئے گی۔ مدد آ گئی اور اس کے گھر کی چھت بن گئی۔ تیسرے دن نذیر بچوں کے ساتھ اپنے گھر میں شفٹ ہو گیا۔ نذیر کے گھر کی چھت سے چترال میں کسٹمز ہیلتھ کیئر سوسائٹی کا اپنا گھر ہاؤسنگ پراجیکٹ شروع ہو گیا۔ زندگی نے اور بھی ایسے گھر ڈھونڈ نکالے جن کی چھتیں نامکمل تھیں۔ ویسے تو وادیٔ کیلاش بمبوریت میں گھروں کی تعمیر پہلے سے جاری ہے۔ پانچ چھ گھر مکمل ہو چکے ہیں۔ پتھروں کے ان خوبصورت گھروں میں لوگ ہنسی خوشی رہ رہے ہیں اور دن رات کسٹمز ہیلتھ کیئر سوسائٹی کے کارکنان اور عطیہ دینے والے مخیّر حضرات کو دعائیں دیتے ہیں۔ ان شاء اللہ مخیّر حضرات کے تعاون سے چترال میں زلزلہ زدگان کے گھروں کی تعمیر جاری رہے گی اور جتنا بھی ہو سکا گھر بنائیں گے۔

دیر اور باجوڑ کے زلزلہ زدگان کے لیے مزید ریلیف

علاج اور خدمت کے کاموں میں اللہ کی مدد ہر وقت شامل حال رہتی ہے۔ 26 اکتوبر 2015ء سے لے کر آج تک زلزلہ زدگان کے لیے ریلیف اور ان کی خدمت کا کام بلا کسی تعطل کے جاری ہے۔ مالاکنڈ ڈویژن کے تقریباً تمام متاثرہ علاقوں میں کسٹمز ہیلتھ کیئر سوسائٹی کی ٹیموں نے پہنچ کر ہر طریقے سے زلزلہ زدگان کی دادرسی کی ہے۔ شانگلہ اور چترال میں کسٹمز ہیلتھ کیئر سوسائٹی کی ٹیموں کا مستقل آنا جانا لگا ہوا ہے۔ چترال میں زندگی پہلے اکیلا پوری ٹیم کا کام کر رہا تھا اب اس نے متاثرہ علاقوں کی لڑکیوں اور عورتوں کو اپنی ٹیم میں شامل کر لیا ہے۔ وہ اس کے ساتھ مل کر متاثرہ علاقوں میں جا کر خواتین میں ریلیف اشیاء کمبل، خیمے، رضائیاں، جیکٹیں اور دوسرے گرم کپڑے تقسیم کرتی ہیں۔ بلقیس سرور فاؤنڈیشن کی طرف سے دیے گئے خوبصورت خیمے اور دیدہ زیب ترپالیں زندگی اور اس کی ساتھیوں نے دور پہاڑوں پر بسنے والے متاثرین میں تقسیم کیں۔ اس دوران ایسی جگہوں کا بھی پتہ چلا جہاں ابھی تک کسی قسم کی کوئی امداد نہ پہنچی تھی۔ لوگ اس جاں لیوا سردی میں ٹوٹے پھوٹے گھروں کے ملبے پر چند چادریں لٹکائیں اپنے بچوں کے ساتھ رہ رہے تھے۔ انہیں دیدہ زیب ترپالیں اور خیمے ملے تو انہوں نے دل کھول کر زندگی، کسٹمز ہیلتھ کیئر سوسائٹی اور بلقیس سرور فاؤنڈیشن کے لوگوں کو دعائیں دیں۔ ابھی پچھلے ہفتے امدادی اشیاء کے دو ٹرکوں اور ڈاکٹروں کی ٹیم کے ساتھ شانگلہ کا دورہ کیا تھا۔ وہاں متاثرین کا علاج بھی کیا۔ ان کی خدمت بھی کی اور 11 ہزار فٹ کی بلندی کا رات کی تاریکی میں سفر کر کے انہیں خیمے ترپالیں، گرم کپڑے اور ادویات پہنچائیں۔ ریاض فوم سنٹر، کریٹو فرنیشیرز، پرنٹ این کٹ کے مالکان نے متاثرین کے لیے کھانے پینے کی اشیاء کے کارٹن بشمول آٹے کے بورے، رضائیاں اور فوم کے گدے تیار کروائے تھے۔ اشفاق سے رابطہ ہوا تو انہوں نے سارا سامان کسٹمز ہیلتھ کیئر سوسائٹی کے حوالے کر دیا۔ ٹرک کا انتظام کر کے رات گئے سامان لوڈ ہوا۔ خدمت اور سفر کے لیے ہر لمحہ تیار بے لوث کارکن قاری عبدالرحمٰن کو سامان کے ساتھ سوات کے لیے روانہ کیا۔ مردان سے عبدالرؤف آن ملے اور بٹ خیلہ سے سہیل فدا۔

ادھر زندگی چترال میں ریلیف سرگرمیوں میں ہمہ تن مصروف ہے۔ زندگی کی ہر وقت خواہش ہوتی ہے کہ اس کے پاس زیادہ سے زیادہ ریلیف اشیاء پہنچیں تاکہ وہ سب اشیاء چترال کے زلزلہ متاثرین تک پہنچا

دے۔ چترال کے متاثرہ علاقوں میں زندگی اور ریلیف لازم وملزوم ہو چکے ہیں۔ زندگی ہر پل ہر لمحے مصروف رہتا ہے۔ بیوی بتاتی ہے کہ رات کو سوتے میں بھی وہ رضائیوں، خیموں اور گھروں کی باتیں کرتا بڑبڑاتا رہتا ہے۔ لگتا ہے خواب میں بھی زندگی کو زلزلہ متاثرین مختلف چیزوں کا مطالبہ کرتے نظر آئے ہیں۔ زندگی کا فون ہر وقت بجتا رہتا ہے۔ زندگی بھائی! ہمیں کمبل چاہیے۔ زندگی بھائی! ہمارے پاس راشن نہیں۔ زندگی بھائی! ہمارے پاس خیمہ نہیں۔ بچے سردی میں بیمار ہو گئے ہیں۔ زندگی سب کی سنتا ہے اور سب کے کام آتا ہے۔ اس لیے زندگی سب میں مقبول ہے سب اس سے پیار کرتے ہیں۔ چترال کے زلزلہ زدگان اب زندگی اور کسٹمز ہیلتھ کیئر سوسائٹی سے خاصے مانوس ہو چکے ہیں اور زندگی دو دن شکل نہ دکھائے تو وہ زندگی اے زندگی پکارنا شروع کر دیتے ہیں۔ زلزلے کے فوراً بعد مردان سے کسٹمز ہیلتھ کیئر سوسائٹی کی ٹیمیں دیر اور باجوڑ پہنچی تھیں اور متاثرہ علاقوں میں جا کر میڈیکل کیمپ لگائے تھے۔ یہاں کے زلزلہ متاثرین کی خدمت کی تھی۔ قاری عبدالرحمٰن، سہیل فدا اور عبدالرؤف ٹرک لے کر رات گئے چکدرہ پہنچے اور رات کو چکدرہ میں قیام کر کے صبح سویرے دیر کے علاقے ثمر باغ، جندول میں حنفیہ گاؤں کا رُخ کیا۔ حنفیہ گاؤں زلزلے سے سب سے زیادہ متاثرہ ہوا۔ یہاں زیادہ تر غریب لوگ آباد ہیں جن کے کچے گھروندے 26 اکتوبر 2015ء کے زلزلے کے جھٹکے برداشت نہ کر سکے اور پل بھر میں زمین بوس ہو گئے۔ چونکہ دوپہر کا وقت تھا اس لیے جانی نقصان کم ہوا مگر کافی لوگ زخمی ہوئے۔ اس علاقے میں کسٹمز ہیلتھ کیئر سوسائٹی کی ٹیمیں پہلے بھی آئی تھیں اور یہاں متاثرین کے لیے میڈیکل کیمپ لگائے تھے۔ کسٹمز ہیلتھ کیئر سوسائٹی کی ٹیم کو دیکھ کر متاثرین کی کثیر تعداد جمع ہو گئی۔ بچے بھی آ گئے اور بڑے بھی۔ رضائیاں اور فوم کے خوب صورت گدے دیکھ کر خواتین بھی آ گئیں۔ عبدالرحمٰن نے بچوں میں تحائف کے پیکٹ تقسیم کرنا شروع کر دیئے۔ عبدالرؤف اور سہیل فدا نے مقامی لوگوں کے ساتھ مل کر بطورِ خاص اُن متاثرین کی لسٹ بنائی جن کے گھر زلزلہ میں تباہ ہوئے تھے۔ لسٹ بنا کر سب متاثرین میں بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ آٹا اور راشن کے پیکٹ تقسیم کیے۔ خواتین بھی کیمپ میں موجود تھیں، ان میں رضائیاں اور فوم کے گدے تقسیم کیے گئے۔

ثمر باغ سے فارغ ہو کر پروگرام بنا کہ اب باجوڑ ایجنسی کا رُخ کیا جائے کیونکہ باجوڑ میں بھی زلزلہ نے کافی تباہی مچائی اور قبائلی اور خطرناک علاقہ ہونے کی وجہ سے وہاں بہت کم ریلیف پہنچا۔ منجمد کرنے والی سردی میں لوگ ابھی تک منہدم گھروں کے ملبے پر بیٹھے آسمان تلے زندگی گزار رہے ہیں۔ کسی کو ٹینٹ ملا ہے اور کسی کو نہیں۔ کہیں کہیں لوگوں نے اپنے کچے گھروں کی اپنی مدد آپ کے تحت تعمیر شروع کر دی ہے۔ باجوڑ میں کسی سے کوئی رابطہ بھی نہ تھا۔ سالارزئی کے علاقے میں ایک مولانا عباداللہ مل گئے۔ ان کو پتہ چلا کہ ریلیف ٹیم

لاہور سے آئی ہے تو ساتھیوں کو اپنے ساتھ لے گئے۔ اپنے گھر میں ٹھہرایا، بہترین کھانا کھلایا۔ صبح سویرے فجر کے بعد مقامی ساتھیوں کے ساتھ مل کر امدادی اشیاء کی تقسیم شروع کی۔ ریلیف کیمپ میں سالارزئی، ملکانہ اور ڈھیری سے متاثرین کی کثیر تعداد جمع ہوگئی۔ سب میں کھانے پینے کی اشیاء کے کارٹن اور آٹے کے بورے تقسیم کیے۔ باجوڑ ایجنسی کے زلزلہ متاثرین کسٹمز ہیلتھ کیئر سوسائٹی کے جذبہ خدمت سے بہت متاثر ہوئے۔ باجوڑ سے دوپہر کے قریب واپسی ہوئی۔ اس دورے کے آخری حصے میں کسٹمز ہیلتھ کیئر سوسائٹی کی ٹیم شاموزئی گاؤں سوات پہنچی۔ اس گاؤں میں بھی زلزلہ کے پہلے جھٹکے سے کئی گھر مسمار ہوئے تھے۔ یہاں آ کر مقامی زعماء سے مل کر متاثرین کی لسٹ بنائی اور سب سے پہلے بے گھر متاثرین میں امدادی اشیاء تقسیم کیں۔ شاموزئی کے متاثرین کھانے پینے کی اشیاء اور آٹا حاصل کر کے بہت خوش ہوئے کیونکہ گذشتہ کئی دنوں سے امداد آنا بالکل بند ہو چکی تھی۔ اللہ کا شکر ادا کیا جس نے خیبر پختونخواہ کے دور دراز علاقوں میں پہنچ کر آفت زدوں کی مدد اور خدمت کرنے کی توفیق دی۔

پہلا حصہ

(ج)

سیلاب، پتھر اور خوابوں کی وادیٔ کیلاش

وادیٔ کیلاش میں رات کے سائے گہرے ہوتے جا رہے ہیں۔ تاروں بھری رات ہے۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی ہے۔ چشموں اور دریائے بھنبھوریت سے پانی کے چلنے کی آوازیں مستقل آ رہی ہیں۔ ٹھنڈک کا ماحول ہے۔ ہلکی ہلکی سردی محسوس ہو رہی ہے۔ خوش گوار رات ہے۔ فضاؤں میں سیب، ناشپاتی اور انگور کی خوشبو بسی ہوئی ہے۔ وادی کیلاش میں آج ''اور چال'' کا تہوار منایا جاتا ہے۔ بچے، بچیاں، لڑکے، لڑکیاں، بوڑھی خواتین اور نئے کپڑے پہنے خاص کر بچیاں اور نوجوان لڑکیاں بن سنور کر اور چہرے پر نقش و نگار بنائے میلے میں جا رہی ہیں۔ ہوٹل کی بالکونی میں بیٹھے یہ سطریں رقم ہو رہی ہیں۔ عجب رومان پرور ماحول ہے۔ میلہ شروع ہونے کو ہے۔ موج و مستی کا نظارہ ہے۔ ڈھول بجانا اس کی تھاپ پر رقص کرنا اور روایتی گیت گانا کیلاش کلچر ہے۔ ڈھول کے ساتھ گانے بجانے کی مستقل آوازیں بھی آ رہی ہیں۔ میلہ ساری رات جاری رہے گا جب کیلاشی تھک جائیں گے تو گھروں کو لوٹیں گے۔

خوابوں کی وادیٔ کیلاش کا سفر

علاج اور خدمت کے قافلے میں گذشتہ دو سال سے ڈاکٹر قدرت اللہ نیازی شامل ہیں۔ تھر کے ریگزار ہوں یا چترال کی برف پوش وادیاں وہ تمام پرخطر وادیوں میں ہمارے ساتھ ہم سفر ہوتے ہیں۔ ایسے ہی ایک سفر کی تفصیل ڈاکٹر قدرت اللہ نیازی کی زبانی سنئے۔ ''جمعہ 31 جولائی 2015ء کو صبح نیوروسرجری وارڈ میں ابھی مریض دیکھنا شروع ہی کیے تھے کہ مربی اور سرپرست پروفیسر خالد مسعود گوندل کا فون آیا کہ نیازی! راجن پور چلو گے یا چترال؟ جواب دیا سر جہاں آپ بھیج دیں ناچیز حاضر ہے۔ پھر ڈاکٹر آصف جاہ صاحب کا فون آیا اور ہمارا چترال جانے کا پروگرام پکا ہو گیا۔ جب بھی ڈاکٹر آصف محمود جاہ کی ٹیم کے ساتھ جانا ہوتا ہے۔ مجھے اس بات کی بے حد خوشی ہوتی ہے کہ سارا سال ہم پیسوں کی خاطر لوگوں کا علاج تو کرتے رہتے ہیں لیکن ان سفروں کے دوران ایسا موقع میسر آتا ہے جس دوران میں اپنے شعبے اور اپنی صلاحیتوں کا صدقہ اور زکوٰۃ ان دور دراز علاقوں میں خدمت خلق اور علاج معالجے کا کام کر کے ادا کر آتا ہوں۔ دل کو بہت سکون میسر آتا ہے اور لوگوں کے پیغامات اور ستائش حوصلہ بڑھا دیتی ہیں۔ رب تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ پاک ہم سب کی یہ کاوش قبول و منظور فرمائے۔ (آمین)

یکم اگست 2015ء کو صبح کسٹمز ہیلتھ کیئر سوسائٹی کے ساتھیوں کے ساتھ چترال جانے کے لیے عازمِ سفر ہوئے۔ چونکہ چترال کا سفر زندگی میں پہلی دفعہ کیا جا رہا تھا، پس چترال کی وادیوں بالخصوص کیلاش کی وادیوں کے حسین مناظر کا سوچتے سوچتے پتہ بھی نہ چلا اور 455 کلومیٹر کا فاصلہ طے پا گیا۔ 1 بجے کے قریب ہم تخت بھائی مردان کسٹمز ہیلتھ کیئر سوسائٹی کے تحت قائم لاہور سوات میٹرنٹی ہوم پہنچ گئے۔

پاک فوج زندہ باد:

مردان سے نکلتے ہی موسم مزید سہانا ہو گیا۔ وادیوں پر جھکے بادلوں کے مناظر کو اعظم اپنے کیمرے میں محفوظ کیے جا رہا تھا۔ درگئی، چکدرہ، مالاکنڈ ڈویژن سے گزرتے ہوئے یہ محسوس کیا کہ اب صوبہ خیبر پختونخواہ بالخصوص سوات اور مالاکنڈ ڈویژن سیاحوں کے لیے بالکل محفوظ جگہیں ہیں۔ اس بات کا کریڈٹ افواجِ پاکستان

کو جاتا ہے جنہوں نے اس جنت نظیر خطے کو دہشت گردوں سے پاک کیا۔ اب راستے میں ہر جگہ افواجِ پاکستان کی چوکیاں ہیں اور بغیر کسی خوف وخطر کے ان علاقوں کا سفر ممکن ہے۔ راستے میں سہیل فدا کو لیا۔ بٹ خیلہ میں لمبی ٹریفک جام ہونے کی وجہ سے شام کے سائے گہرے ہو گئے اور بائیں جانب دریائے سوات کے شور نے گاہے بگاہے سراسیمگی پیدا کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ لوئر دیر سے ہوتے ہوئے ہم اپر دیر پہنچے تو رات کے 11 بج چکے تھے۔ بہت تگ و دو کے بعد گرین ہل ریسٹورنٹ میں رہائش کا بندوبست ہوا۔ چاول کھاتے ہی سب اپنے اپنے کمروں میں جا گھسے۔ دن بھر کے سفر کے بعد بستر ملنا ہی تھا کہ خراٹوں کی آوازیں آنا شروع ہو گئیں مگر ہوٹل کے ساتھ میں بہتے دریائے سوات کے شور میں سب کچھ دَب گیا تھا۔

لواری ٹاپ اور لواری ٹنل:

صبح 5 بجے نماز پڑھی اور بغیر ناشتہ عازمِ سفر ہوئے۔ 6 بجے کے قریب ڈرائیور کی غفلت کی وجہ سے گاڑی سڑک کے گڑھے میں پھنس گئی۔ طوفانی آبشار کے ٹھنڈے یخ پانی میں فلاح انسانیت کے رضا کاروں نے رسے ڈال کر گاڑی کو گڑھے سے نکالا۔ راستے میں بعض مقامات پر سڑک اس قدر تنگ اور پُرخطر تھی کہ اللہ اکبر کہہ کر گزرتے۔ ذرا سی غلطی نیچے ٹھاٹھیں مارتے دریائے سوات میں پہنچا دیتی۔ نہ گاڑی کا پتہ چلتا نہ سواروں کا۔ رہے نام اللہ کا! بہر حال چترال کا اب بھی فاصلہ 216 کلو میٹر تھا۔ لواری ٹاپ کا ذکر سنا تھا اور ٹنل (Tunnel) کا بھی۔ چترال کو دیر سے ملانے کے لیے 1970ء کی دہائی میں شروع کردہ ٹنل کی لمبائی محض 8 کلو میٹر ہے مگر اس کی اہمیت کا اندازہ ان علاقوں کے باسیوں کو ہی ہو سکتا ہے جب شدید برفباری میں لواری ٹاپ بند ہو جاتا ہے تو ٹنل مخصوص اوقات کے لیے کھولی جاتی ہے۔ لواری ٹاپ کی سطح سمندر سے اونچائی 10,230 فٹ ہے۔ 2 گھنٹے کی مسافت کے بعد لواری ٹاپ کو عبور کیا تو چترال کی حدود شروع ہوئی۔ دروش سے ہوتے ہوئے نسبتاً محفوظ علاقے ''گہریت'' پہنچے۔ دریائے سوات کی جگہ اب ہمارے ساتھ ساتھ دریائے چترال تھا جس کی طغیانی کا سن کر ہم آئے تھے۔ سروں پر لگتے جھولتے انگور کے خوشوں اور ناشپاتی اور سیب کے درختوں کے نیچے سے گزرتے ہوئے اقبال کے دوست سرور ایڈووکیٹ کے گھر پہنچے جنہوں نے کھانے کا بندوبست کیا ہوا تھا۔ چترال کے لوگ بہت مہمان نواز لگے۔ سب اِس طرح ملتے ہیں جیسے مدتوں سے آشنائی ہے۔ جب بندہ اللہ کے بندوں کی خدمت کے لیے نکلتا ہے تو اللہ لوگوں کے دلوں میں محبت ڈال دیتا ہے۔ اب ہماری اگلی منزل چترال کا سیلاب سے متاثرہ علاقہ ایون ویلی تھا۔ ماشاء اللہ ایون میں ہمارا پہلا میڈیکل اور ریلیف کیمپ لگا تو شہر امڈ آیا۔ سہیل فدا نے پرچیاں بنانا شروع کیں اور سہیل سرور کے ساتھ لوگوں کو دوائی دینے

میں مصروف ہوگیا۔ ڈیڑھ گھنٹے کے کیمپ میں 100 سے زائد مریضوں کو چیک کیا۔ اس دوران اشفاق، رؤف ماما، اقبال اور میڈیا کے لوگ دریائے چترال کے بالکل نشیب میں واقع سیلاب سے متاثرہ گھروں میں سامان تقسیم کرنے چلے گئے۔ مغرب کے قریب ان کی واپسی ہوئی تو ہم سب چترال شہر کے لیے عازم سفر ہوئے۔ پورے سفر میں تازہ گل کی ایمبولینس ہمارے لیے باعثِ مصیبت رہی۔ ایمبولینس ان دشوار گزار راستوں کے لیے بنی ہی نہیں اور پھر گاڑی کا ڈرائیور بھی اگر تازہ گل جیسا پٹھان ہو تو سونے پر سہاگا۔ رات آرام کر کے اگلے دن صبح سویرے اُٹھے۔ ناشتہ کیا اور ایون سے دور ایک سیلاب زدہ علاقے کی طرف رُخ کیا۔ ماما رؤف نے اشفاق کی ہدایت پر ایمبولینس کو مزید راشن اور ریلیف گڈز سے دوبارہ بھر دیا تھا۔

آفت زدہ علاقوں میں علاج اور خدمت:

دوپہر 12 بجے کے قریب ایک اور متاثرہ گاؤں پہنچے وہاں راقم نے سہیل خان، سہیل فدا اور گلشن فرید کے ساتھ کیمپ کیا۔ اس دوران وہاں کی مقامی رضا کار شازیہ نے ہماری بہت معاونت کی۔ مریض بہت تھے اور ہماری توانائیاں بھی بہت۔ 2 گھنٹے میں 200 مریضوں کو چیک کیا۔ حالات دیکھ کر اندازہ ہو رہا تھا کہ سیلاب نے کتنی تباہی مچائی ہے۔ لوگوں کے گھر اُجڑ چکے تھے اور وہ درختوں کے نیچے رہنے پر مجبور تھے۔ وہاں پر ہمیں کسی تنظیم کے کیمپ نظر نہیں آئے۔ بچوں کی کتابیں جو سیلابی پانی کی نذر ہو چکی تھی وہ سب مٹی سے اَٹی پڑی تھیں اور لوگوں کے گھروں میں کئی فٹ سیلابی مٹی موجود تھی جس کو وہ بیلچوں کی مدد سے اپنی مدد آپ کے تحت باہر نکال رہے تھے۔ یہ خیال آتے ہی ہی وحشت ہوتی تھی کہ جس جگہ پر راقم نے کیمپ لگایا ہوا ہے یہاں پر 2 ہفتہ قبل پانی ہی پانی تھا۔ بڑے بڑے پتھر جن کو کرین بھی بڑی مشکل سے ہلا سکتی تھی وہ سب پہاڑوں سے لڑھک کر آبادیوں پر آن گرے تھے اور تباہی مچائی تھی۔ اشفاق اور باقی ٹیم کے لوگ ایک دور افتادہ گاؤں ''گول کچ'' میں سامان لے کر چلے گئے۔ اس کام کے لیے ایک لکڑی کے پل سے گزرنا تھا مگر راقم اور کامران سکندر کی ہمت نہ ہو سکی کہ دریا کو عبور کیا جائے۔ مگر آفرین ہے ٹیم کے ارکان پر جو جان پر کھیل کر کندھوں پر سامان لادے پل عبور کر گئے۔ یہ لوگ قیامت کے دن پل صراط بھی اسی برق رفتاری سے عبور کریں گے۔ یہ میرا گماں ہے.....!

غم کی تصویر پریشان بابا کو تسلی:

عصر کے قریب ہماری ٹیم سامان تقسیم کر کے آئی تو ہم گرین لشٹ کی طرف روانہ ہوئے۔ وہاں کے سکول میں ایک جم غفیر ہمارا منتظر تھا، فوراً کیمپ شروع کر دیا۔ 150 کے قریب مریضوں کا چیک اپ کیا۔ وہاں

راقم کو انتہائی خوبصورت چھوٹی بچی کا ساتھ نصیب ہوا جس کی باتیں اور لہجہ ابھی تک یاد ہے۔ وہاں سے واپسی پر مغرب کے وقت ایک لڑکا کہنے لگا کہ میرے دادا کو چیک کریں جو سیلاب کے بعد سے مکمل قوت گویائی کھو بیٹھے ہیں اور گم سم پڑے رہتے ہیں۔ ٹیم اور سرور کے ہمراہ بزرگ کے گھر گئے تو ایک 80 سال کا بزرگ 2 رضائیاں اوڑھے اور آنکھوں میں آنسو لیے لیٹا تھا۔ بابا کی آنکھوں میں ان گنت سوالات تھے جن کے جوابات ہمارے پاس نہیں تھے۔ پوتا بولا کہ دادا بات نہیں کرتے۔ انہوں نے زندگی میں پہلی اور آخری مرتبہ اتنا سیلاب اور تباہی دیکھی ہے۔ ہمارا گھر بھی گیا اور سب مال و متاع پانی کی نذر ہوگیا۔ دادا ابو بہت پریشان ہیں اور غم کی کیفیت سے نکل نہیں رہے۔ ان سے بات چیت کی بہت کوشش کی مگر بے سود۔ ان کو ادویات اور سامان کی کافی مقدار دی تاکہ زخموں پر کچھ مرہم رکھا جا سکے۔ ہم اسی مرہم رکھنے کے لیے تو اتنی مسافت طے کر کے آئے تھے۔ چترال کے کسی بھی بزرگ کو میں نے شوگر یا بلڈ پریشر کی شکایت کرتے نہیں سنا۔ اتنے بڑھاپے میں بھی ان لوگوں کے خون میں ہیموگلوبن کی مقدار پنجاب کے میدانی علاقوں میں بسنے والے نوجوانوں کے خون سے زیادہ ہے۔ اس لیے کہ سب محنتی ہیں۔ تازہ سبزیاں اور پھل کھا کر گزارہ کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ تازہ آب و ہوا اور کھلی فضاؤں میں ان کا بسیرا ہے۔

وادیٔ کیلاش کا مشکل سفر:

صبح اٹھتے ہوئے ذرا لیٹ ہو گئے۔ ناشتہ کیا اور اپنی بہترین اور تصوراتی منزل وادیٔ کیلاش کی طرف عازمِ سفر ہوئے۔ ماما رؤف نے ایمبولینس کو دوبارہ راشن کے پیکٹوں سے بھر دیا۔ اعظم نے ہر خوبصورت اور انفرادی اہمیت کے منظر کو کیمرے کی آنکھ میں محفوظ کیا۔ چترال سکاؤٹ ہسپتال دن کے 11 بجے پہنچے مگر کرنل صاحب سے ملاقات زیادہ حوصلہ افزا ثابت نہ ہوئی۔ اب ہمیں کیلاش کی وادی تک پیدل سفر کا مشکل ترین مرحلہ درپیش تھا۔ سر پہ خوب صورت ہیٹ، گلے میں رنگ برنگے بیسیوں ہار اور لمبے لمبے کالے، سرخ، نارنجی اور اورنج رنگ کے دیدہ زیب چغے پہنے کیلاش کے باسیوں کو ہم نے ملنے جانا تھا اور وہاں جا کر اُن کی خدمت کرنا تھی ان کو ضروری اشیاء پہنچانی تھیں۔ ان کے دُکھ درد دور کرنا تھے۔ ایک دیرینہ خواہش آج پوری ہونے جا رہی تھی۔ وادیٔ کیلاش کے مختلف گاؤں ہیں جن میں بمبوریت اور رمبور سرفہرست ہیں۔ ہماری پہلی منزل بمبوریت تھی۔ کیلاش کے لوگوں کا اپنا علیحدہ کلچر اور ثقافت ہے۔ ان کی تعداد تین ہزار کے قریب ہے۔ ان کو کافر اور ان کے علاقے کو کافرستان بھی کہا جاتا ہے مگر کافرستان کا علاقہ حقیقت میں افغانستان کے علاقہ نورستان میں ہے اور یہ پاکستانی کیلاش سے ذرا فاصلہ پر ہے مگر ان کی بودوباش آپس میں ملتی جلتی ہے۔ یہ مقامی لوگ ہیں، ان کے رسم و رواج

اپنے اور منفرد ہیں۔ شادی بیاہ بس ان 3000 لوگوں کے درمیان آپس میں ہوتی ہے۔ یہ کافی پراسرار لوگ لگتے ہیں۔ کیلاشی زبان میں جام جام یعنی ٹھیک ٹھیک ایک ہی لفظ سیکھ پایا۔ سنسکرت زبان میں مختلف ملاوٹوں کے بعد کیلاشی زبان کا وجود آیا۔ بہرحال 12 بجے جب پہاڑی سلسلے پر پہنچے تو سامان پہنچانے کا مشکل ترین مرحلہ سرانجام دینا تھا۔ ان علاقوں میں 500 روپے فی گدھا کے عوض بے شمار گدھوں کو سامان سے لاد دیا گیا۔

پل صراط کا سفر، گدھوں کے ساتھ:

پانی کی بوتلیں ہاتھوں میں پکڑ کر سب ساتھی زندگی کے مشکل ترین سفر کے لیے روانہ ہوئے۔ سب سے پہلے اُس آبی گزرگاہ سے گزرنا تھا جو ذوالفقار علی بھٹو مرحوم نے 1970ء کی دہائی میں بمبوریت کے اولین پہاڑوں کے دامن میں واقع کھیتوں کو سیراب کرنے کے لیے بنائی تھی مگر توجہ نہ ہونے کی وجہ سے یہ عظیم منصوبہ زبوں حالی کا شکار ہو گیا۔ ہمارے نقطہ آغاز سے بمبوریت کیلاش کے پہلے گاؤں کی مسافت کوئی 4، 5 گھنٹے کی تھی۔ یہ غالباً 12 سے 15 کلومیٹر کی ٹریکنگ تھی جو کہ بہت ہی دشوار گزار تھی۔ نیچے ٹھاٹھیں مارتا دریائے چترال، اوپر کٹے پھٹے نوکیلے خطرناک اور تنگ راستے..... ذرا پاؤں پھسلا تو گئے جان سے..... بیچ میں ایک فوارے کے پاس انگور کے خوشے لٹک رہے تھے۔ سب نے ادھر آرام کیا۔ شام 5 بجے مسافت ختم ہوئی تو وادیوں میں گھرے ایک میدان کے قریب جا پہنچے مگر خوابوں کی وادی کیلاش ابھی دور تھی۔ دریا کے اک طرف گدھے ہم سے پہلے سامان لے کر پہنچ چکے تھے۔ ماموں رؤف اور سہیل کو ایک گھر میں سامان کے ساتھ بٹھا دیا۔ یہ مقامی کونسلر کا گھر تھا جس کے صحن میں لگے سیبوں کے خوبصورت درخت دیکھ کر یوں لگتا تھا کہ دنیا بھر کا سیب یہاں پیدا ہوتا ہے۔ ہم نے اقبال کو ساتھ لیا اور اشفاق، کامران سکندر وغیرہ سے ملنے دریا عبور کر کے گئے اور تھک ہار کے بیٹھ گئے۔ مقامی لڑکوں سے بار بار پوچھتے کہ بھائی کیلاش ابھی کتنا دور ہے۔ جواب ملتا سر بس 5 منٹ۔ یہ 5 منٹ 50 منٹ ثابت ہوئے اور ہم آخر کار وادیٔ کیلاش کے پہلے گاؤں انیش کے مرکزی بازار کے مرکز میں پہنچے جہاں کامران سکندر، اشفاق اور سرور ہمارے منتظر تھے۔ اتنا تباہ شدہ بازار زندگی میں پہلی بار دیکھا۔ لگتا ہی نہیں تھا کہ کبھی یہ بارونق بازار ہوگا۔ مجھے تو یوں لگا جیسے ہم ابھی کسی نیم خشک دریا کے پاٹ سے گزر رہے ہیں، جس میں بڑے بڑے پتھر پڑے ہوئے ہیں۔ کامران نے ریکارڈنگ شروع کر دی۔ سخت تھکاوٹ اور چور بدنوں کے ساتھ ہی کیمپ لگانے کا فیصلہ کیا مگر سامان ابھی دریا کے دوسرے کنارے تھا۔ مقامی لوگوں کو سہیل خان، سہیل فدا اور سرور کے ساتھ روانہ کیا، رات 8 بجے سامان آیا۔ اندھیرا بہت تھا۔ سب نے فیصلہ کیا کہ کیمپ صبح لگائیں

گے کیوں کہ 6 گھنٹے مسلسل چلنے کے بعد سب تھک کر چور ہو چکے تھے۔اس دوران رہائش کا بندوبست سب سے مشکل کام تھا۔سب ہوٹل تباہ ہو چکے تھے۔رات کو خدا کا شکر ہوا کہ احمد علی کی رہنمائی میں موبائل لائٹ کی روشنی میں یہ قافلہ پتھروں سے ہوتا 20 منٹ بعد ایک ہوٹل Foreigner's Inn جا پہنچا۔ہوٹل انتظامیہ بھی اپنے غیر متوقع مہمانوں کو دیکھ کر خوشگوار حیرانگی کا شکار ہوگئی۔اس دوران مقامی لوگ بضد تھے کہ کھانا ہمارے ہاں سے کھائیں۔ان کی اس فراخدلی کی وجہ سے ان کے گھر سے ابلے ہوئے چاول اور دال آئی جو کہ مرید اپنے بھائی کے ساتھ رات 10 بجے کیلاش کے اندھیرے میں لیکر آیا۔سبحان اللہ.....کیا مہمان نوازی ہے۔

پتھروں کی بارش:

اس دوران وہاں ہماری ملاقات ایک بزرگ حاجی صاحب سے ہوئی جو پشاور سے تعلق رکھتے تھے اور ادھر اپنے سسرال آئے ہوئے تھے۔وہ رمضان المبارک کے مہینے سے ادھر موجود تھے۔وہ بتانے لگے کہ وہ غالباً آخری روزے کی سحری کر رہے تھے کہ ایسی چنگھاڑ سنی کہ کانپ اٹھے۔پھر اوپر کی چوٹیوں سے فوج کے جوانوں کا فون آیا کہ مقامی آبادی فوراً گھر چھوڑ کر چلی جائے کیونکہ پہاڑوں پر بارش اور بجلی چمکنے کے بعد سے اب سیلابی ریلہ اور اس کے ساتھ پہاڑ جتنے پتھر نیچے آنے والے ہیں۔پھر اس کے بعد ایسی آوازیں آئیں جیسے زبردست گولہ باری شروع ہوگئی ہو۔سب ڈر گئے اور اور ہر چیز چھوڑ چھاڑ کے جان بچانے کے لیے گھروں سے بھاگ گئے۔قوم عاد وثمود پہ عذاب بھی رات کے پچھلے پہر اسی طرح آیا کرتا تھا۔یہ سننا تھا کہ راقم کی طبیعت خراب ہونے لگ گئی اور پورے جسم میں سراسیمگی سی پھیل گئی۔یہی حالت باقی سب کی بھی ہوئی۔

اور زلزلہ بھی آ گیا:

رات کو 4 بجے زلزلے نے باقی کسر پوری کر دی سیلاب کے بعد زلزلے نے ساتھیوں کے حوصلے پست نہ کیے۔صبح سویرے ناشتہ کر کے ہم سب دوبارہ انیش گاؤں میں اپنے کام کی جگہ جا پہنچے اور کیمپ شروع کر دیا۔کیمپ شروع ہوتے ہی مریضوں کی بہتات ہوگئی۔اس دوران خوبصورت کیلاشی عورتیں اور بچیاں اپنے خوب صورت پہناوے پہنے ہمارے کیمپ میں روشنیاں بکھیرنے کے لیے آ گئیں۔اس کیمپ کے دوران یہاں مجھے ''حسنا'' Hussna ننھی سے کونپل ملی جس کو ٹافیاں دیں۔کیلاشی عورتیں، اپنے بچوں اور عزیوں کو لے کر جوق در جوق آ رہی تھیں۔اشفاق، سرور اقبال اور رؤف سامان کی تقسیم میں مصروف ہوگئے۔فرید کے گھر سے چائے پی کر دوبارہ کیمپ لگایا اور لگ بھگ دگنے مریضوں کا چیک اَپ کیا۔اس کے بعد ایک اور چھوٹا سا کیمپ کرنے

کے بعد دیکھا تو ریلیف کا سارا سامان تقسیم ہو چکا تھا۔ علاج اور خدمت مشن مکمل ہو چکا تھا۔ پورا دن خدمت خلق میں گزرا۔ اگلے دن دوپہر کو واپسی کے سفر میں مقامی لوگوں کے ہمراہ 5 گھنٹے کی ٹریکنگ کی۔ گہریت پہنچے تو ساتھیوں نے سفر جاری رکھنے کا فیصلہ کیا۔ ساری رات چلنے کے بعد اپر دیر کے ٹرک ہوٹل پہنچے۔ پہلے کی طرح اس بار بھی ہمیں لواری ٹنل سے جانا نصیب نہ ہوا۔ رات کو کھانا کھایا اور صبح منہ اندھیرے مردان کے لیے نکلے۔ دن 12 بجے یونیورسٹی آف مالاکنڈ سے آصف جاہ صاحب کو لاہور ڈیٹا بھجوا کر براستہ موٹروے رات 9 بجے یہ قافلہ علامہ اقبال ٹاؤن جا پہنچا اور اللہ کا شکر ادا کیا جس نے زندگی کا مشکل ترین سفر کر کے آفت زدوں کی خدمت کرنے کی توفیق ادا کی۔''

چترال میں تباہی اور ریلیف

چترال اور وادیٔ کیلاش میں جولائی اور اگست کی مہینوں میں سیلاب نے تباہی مچائی۔ سیلاب آنے کی خبریں ملیں تو پشاور سے سیلاب زدگان کی فوری مدد کے لیے اسلم مروت کو رقم اور ریلیف اشیاء کے ساتھ چترال بھیجا انہوں نے اپنے مخصوص انداز میں چترال اور وادیٔ کیلاش کے سیلاب زدہ علاقوں میں تباہی اور وہاں کسٹمز ہیلتھ کیئر سوسائٹی کی کارروائیوں کا ذکر کیا ہے جو اُنہی کی زبانی پیش خدمت ہے۔ ''دوستوں اور بزرگوں اللہ نے اپنے فضل و کرم سے ہمیں اپنے محبوب خاتم الانبیاء کی امت میں پیدا فرمایا ہے اور یہ اعزاز سب سے بڑا ہے اور محض اللہ کے فضل و کرم سے ہمیں ملا ہے۔ ہمیں انسانیت کی خدمت کے لیے منتخب کیا گیا ہے اور اس وقت انسانیت سسک رہی ہے اور ہر طرف سے ہم پر اللہ کے عذاب مختلف شکلوں میں نازل ہو رہے ہیں۔ ایسے ہی ایک عذاب زدہ علاقے ضلع چترال جس میں سیلاب نے وہ تباہی مچائی ہے جس کو دیکھ کر ظالم سے ظالم انسان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور یہ یقین کر لیتا ہے کہ ایک ایسی طاقت اور ذات موجود ہے جو اگر غصے میں آ جائے تو سیکنڈوں میں سب کچھ ختم کر سکتا ہے۔ اللہ کے فضل و کرم اور اپنے اکابرین (ڈاکٹر فدا محمد اور ڈاکٹر آصف محمود جاہ) کے حکم پر چترال کے لیے روانہ ہوئے اور اس کے ساتھ ساتھ ڈاکٹر آصف محمود جاہ صاحب نے لاکھوں روپے چترال کے مصیبت زدہ لوگوں میں تقسیم کرنے کے لیے بھیج دے۔ پشاور سے گاڑی میں سفر کرنے کے 15 گھنٹوں کے بعد چترال پہنچتے ہیں۔ بزرگوں کی دعاؤں سے منزل مقصود پر پہنچے کے لیے جب پشاور سے روانہ ہوا تو دل اتنا مطمئن تھا کہ ایسے لگتا تھا کہ جیسے میں نوشہرہ جا رہا ہوں اور یہ اطمینان بھی تھا کہ ان شاء اللہ! اللہ ہمارا یہ سفر ان مصیبت زدہ لوگوں کی خدمت کے لیے قبول کرے گا۔

برباد بستیوں میں خدمت:

صبح کی نماز کے بعد روانہ ہوا اور راستے میں نمازوں کی پابندی کرتے ہوئے عشاء کی نماز کے لیے رات 10 بجے چترال شہر کی مرکزی مسجد پہنچا۔ مسجد میں تبلیغی اکابرین سے ملاقات ہوئی اور اُن کو بتایا کہ کسٹمز ہیلتھ کیئر سوسائٹی لاہور اور خون جگر فاؤنڈیشن ویلفیئر ہسپتال اینڈ بلڈ ٹرانسفیوژن سروسز یونیورسٹی ٹاؤن پشاور کی طرف سے اپنے غم زدہ بھائیوں کی مالی امداد کے لیے حاضر ہوا ہوں۔ صبح کی نماز کے بعد مقامی ساتھی ساتھ

لیے ٹیکسی سپیشل کی کیونکہ علاقہ بہت دور دور تھا۔ سب سے پہلے سین اور اس کے پاس شالی کے گاؤں میں گئے۔ گھر مکمل طور پر ختم ہو چکے تھے اور ایک خوبصورت مسجد جو دریا کے ساتھ تھی مکمل طور پر شہید ہو چکی تھی۔ غم زدہ بھائیوں کو حسب ضرورت نقد رقم اور کچھ کھانے کا سامان جو اِن کے لیے دیر بالا سے خریدا تھا ان غم زدہ بھائیوں کو دیا۔ اُن کو سینے سے لگایا اُن کے چہروں سے حسرت ٹپک رہی تھی۔ اس علاقے میں ایک پرائیویٹ پرائمری سکول کھلا تھا۔ اس سکول کے بچوں میں پیسے اور مٹھائی تقسیم کی۔ اس سکول میں بچوں کو حفظِ قرآن بھی ساتھ ساتھ پڑھایا جاتا ہے۔ تمام بچوں نے خوشی خوشی اسلام زندہ باد اور پاکستان زندہ باد کا نعرہ لگایا اور اس کے بعد ہمارا کٹھن سفر شروع ہوا۔ پہلے دن کے سیلاب نے بروز میں جو تباہی پھیلائی تھی اسے دیکھنے کی ہمت نہیں تھی۔ اس علاقے میں پانی نے اپنا رخ بدل کر کروڑوں کی املاک اور زمینیں پل بھر میں صفحۂ ہستی سے مٹا دی تھیں اور یہاں پر اموات بھی ہوئی تھیں۔ مرحومین کے لیے دعا مانگی اور اُن میں حسب ضرورت نقد رقوم اور راشن تقسیم کیا۔ یہاں سے دو کلو میٹر دور سیلاب زدہ اُورغوچ نامی گاؤں میں جانا تھا۔ راستے کا پل پانی کی وجہ سے تباہ ہو گیا تھا۔ اس لیے ہم سپیشل گاڑی کے ذریعے انتہائی خطرناک راستہ اختیار کر کے اُورغوچ پہنچے۔ وہاں پر ہم نے جو تباہی کے مناظر دیکھے وہ ناقابل دید ہیں۔ ہر آنکھ اشک بار تھی۔ کچھ بھی نہیں بچا تھا۔ ہم نے اُن غم زدہ بھائیوں کے لیے دل سے رو رو کر دُعا مانگی اور اُن میں بھی نقد رقوم اور کھانے پینے کا سامان تقسیم کیا۔ وہاں سے رات کو واپس اپنے مرکز چترال پہنچے اور راستے میں اللہ کے فضل و کرم سے باجماعت نمازوں کا اہتمام ہوتا رہا ہے۔

پل صراط کا سفر:

صبح کی نماز پڑھ کر ناشتہ کے بعد چترال شہر میں دریائے چترال کے کنارے اُن گھروں میں گئے جو اب کھنڈرات کے مناظر پیش کر رہے تھے۔ اُن کی قیمتی زرعی زمینوں کو دریا کھا چکا تھا اور وہ لوگ حسرت اور بے بسی سے خونی لہروں کو خوف زدہ ہو کر دور سے دیکھ رہے تھے۔ وہاں پر ہم نے اُن میں نقد رقوم اور سامان تقسیم کیا اور اُن کو توبہ کی تلقین کی تا کہ مزید تباہی سے بچ سکیں۔ اگلے دن ہیلی کاپٹر کے ذریعے بونی کی طرف جانے کا ارادہ تھا۔ کیونکہ وہ ایک مکمل دیہات ریشن صفحۂ ہستی سے مٹ گیا تھا۔ ہیلی کاپٹر میں اجازت نہیں ملی کیونکہ وہ اُس میں راشن کا سامان لے جا رہے تھے۔ اب سب سے زیادہ تباہ علاقہ بمبوریت کی وادی کی طرف جانا تھا۔ جہاں پر ابھی تک کوئی آدمی امداد دینے کے لیے نہیں پہنچا تھا۔ سب لوگ اُن کو چترال کی طرف بلا کر امداد دے رہے تھے۔ کیونکہ بمبوریت کی وادی کو جانے کا راستہ حد سے زیادہ خطرناک تھا لیکن بقول ڈاکٹر علامہ اقبالؒ:

فطرت کے مقاصد کی کرتا ہے نگہبانی
یا بندۂ صحرائی یا رد کوہستانی

میں اور میرا ساتھی نصیر محمد اخلاص صحرائی ہیں اور قاضی اسرار احمد عرف زندگی کو ہستانی ہے۔ تینوں نے آنکھیں بند کیں اور اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ کی ذات عالی پر توکل کیا اور بمبوریت کے لیے پیدل روانہ ہوئے۔ درمیان میں پل صراط کی طرح نازک راستہ آیا۔ جس پر اگر کسی کا ایک قدم ڈگمگا جاتا تو پھر اُس کی لاش کراچی کے سمندر سے ملتی لیکن جس کی حفاظت خالق کائنات کرے تو اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔

پتھروں کی وادی بمبوریت:

جب ہم عصر کے بعد بمبوریت کے بازار بیرن پہنچے تو ایسے لگا کہ جسے دنیا ختم ہو چکی ہے۔ ہوٹل، گھر، مساجد، قبرستان سب کچھ غائب تھے۔ ہر طرف صرف بڑی بڑے پتھر میدان میں پڑے تھے یہ سب دیکھ کر تو ہمارے رونگٹے کھڑے ہو گئے اور اللہ کی ذات پر ہمارا یقین اور پختہ ہو گیا کہ ساری دنیا ختم ہو جائے گی صرف اللہ کی ذات عالی باقی رہے گی۔ ہم نے ان گھروں کے کھنڈرات میں جا کر ان بے بسی کی تصویر بنے ہوئے مصیبت زدہ افراد میں نقد رقوم اور تھوڑا سا سامان کھانے کا تقسیم کیا۔ جب اُن لوگوں نے ہمیں دیکھا تو اُن کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ ہم دریا کو عبور کر کے اُن کی مدد کے لیے آئے ہیں۔ ہم نے اُن سب کو توبہ کی تلقین کی اور اُن کو بتایا کہ جب اللہ کے حکم ٹوٹ رہے تھے تو وہ خاموش تھے اگر کوئی برائی سے منع کرتا تو شاید اتنی بڑی تباہی نہ ہوتی۔ اللہ تعالیٰ انتہائی غصے میں آ گیا ہے اور اب صرف اجتماعی توبہ ہی اللہ کے غصہ کو ٹھنڈا کر سکتا ہے کیونکہ عذاب پانی کی صورت میں ان پر آ گیا تھا اور اُن کے گھروں کو امن کے سامانوں کو اور اُن کے کپڑوں کو بہا کر لے گیا تھا اور اب اُن کی حالت یہ تھی کہ اُن لوگوں کے پاس سر چھپانے کے لیے کوئی چیز نہیں تھی۔

بار بار آنے والے سیلاب ریلے اور پتھر:

اگلے دن ہم صبح کی نماز کے بعد بمبوریت سے واپس چترال کے لیے روانہ ہوئے اور اللہ کی مدد سے ایک بار پھر دریا کے نازک راستے کو عبور کیا۔ جیسے ہی ہم چترال پہنچے دوسرے دن قاضی اسرار احمد صاحب نے فون کیا کہ بمبوریت پر صبح دوبارہ سخت سیلاب آیا اور ان کے بعد رات کو تیسری بار سیلاب آیا اور جو مکانات باقی بچے تھے وہ بھی ساتھ بہا کے لے گیا ہے۔ اب میں نے ڈاکٹر آصف محمود جاہ صاحب پیٹرن اِن چیف کسٹمز ہیلتھ کیئر سوسائٹی پاکستان لاہور کو فون کیا اور اُن کو بتایا کہ ابھی تک تو آپ رقم پہ رقم بھیج رہے تھے اور اُس رقم کو ہم ان بے بسوں میں تقسیم کر رہے تھے لیکن اب بمبوریت کے لیے خیمے، ترپالیں اور راشن کی اشد ضرورت ہے۔ دریا کے کنارے والے راستے کو جو انتہائی خطرناک تھا کو ہماری واپسی کے فوراً بعد پانی بہا کر لے گیا تھا۔ اب یہ سامان گدھوں کے ذریعے بمبوریت کے پرانے پیدل جانے والے راستے کے ذریعے پہنچانا ہوگا۔ ڈاکٹر آصف

محمود جاہ نے فوری طور پر دوسری ٹیم سامان کے ساتھ خیموں اور ترپالوں کے ساتھ روانہ کیا۔ وہ گدھوں کے ذریعے سارا سامان بمبوریت پہنچا کر تقسیم کر چکی ہے اور وہ ٹیم بھی واپس آ گئی ہے۔ میں سب مسلمانوں سے یہ اپیل دست بستہ کرتا ہوں کہ وہ فوری طور پر صدق دل سے توبہ کریں۔ اللہ راضی ہونے کے لیے تیار ہے مگر ہم صلح کرنے کے لیے تیار نہیں۔ اب چند دن بعد ہم پھر ڈاکٹر آصف محمود جاہ ''ستارۂ امتیاز'' کے ساتھ چترال جا رہے ہیں۔ اُن کے لیے گھر بھی بنائیں گے، خیمے اور ترپالیں بھی دیں گے۔ اُن میں راشن بھی تقسیم کریں گے لیکن سب سے پہلے خود اور پھر ان سے سچی توبہ کرائیں گے۔ ان شاء اللہ ہمارے پیر صاحب حضرت ڈاکٹر حاجی فدا محمد صاحب دامت برکاتہم بڑی توجہ کے ساتھ وطن عزیز کو عذابوں سے بچانے کے لیے خود اور سب مریدین کو توبہ کی تلقین کر رہے ہیں اور دُعاؤں میں مصرف ہیں۔''

چترال کی حسین وادیاں

چترال کی سہانی صبح چاروں طرف اونچے، نیچے، ملگجی، نارنجی، سرسبز پہاڑ، کہیں کہیں ٹمٹماتے بلبوں کی روشنی، سورج پہاڑوں کی اوٹ سے طلوع ہوا چاہتا ہے۔ سورج کی کرنیں پہاڑوں کی سب سے اوپر والی چوٹیوں پر پڑنے کو ہیں۔ چار سُو قدرتی چشموں سے پانی گرنے کی جلترنگ آوازیں آ رہی ہیں۔ ان آوازوں میں ایک قدرتی ہم آہنگی اور ساز ہے، عجیب روحانی اور رومانی ماحول ہے۔ اللہ کریم کتنے بڑے ہیں۔ کتنی مخلوقات ہیں، دریاؤں، پہاڑوں، سمندروں کو دیکھ لیں، دیکھتے جائیں۔ آپ دنگ رہ جائیں گے۔ چترال کے خوبصورت سرسبز اور فلک شگاف پہاڑوں کو دیکھتے ہوئے عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ رہ رہ کر قرآن پاک کی آیت ''اور تم اُس کی کون کون سے نعمتوں کو جھٹلاؤ گے'' یاد آتی ہے۔ اللہ کی عظمت کا یقین پختہ ہو جاتا ہے۔ قرآن پاک میں فرمایا کہ پہاڑ زمین کی میخیں ہیں۔ یہاں آ کر اس آیت کی صحیح تفسیر سامنے آتی ہے۔ اگر یہ پہاڑ نہ ہوں تو زمین زلزلے کا ایک جھٹکا بھی برداشت نہ کر سکے۔

انور کی داستانِ غم:

بروز کا انور اپنی داستان سنا رہا تھا۔ روئے جا رہا تھا۔ یہ سیلاب نہیں عذاب تھا۔ سیلابی ریلہ تیزی سے زبردست گڑگڑاہٹ کے ساتھ آیا۔ ایسے لگ رہا تھا کہ جیسے بمباری ہو رہی ہو۔ انور اپنی ماں اور بچی کے ساتھ گھر میں سو رہا تھا کہ پانی کے ساتھ ساتھ پتھروں کی بارش شروع ہوگئی۔ اٹھنے کی مہلت بھی نہ ملی۔ پتھر اتنے بڑے تھے کہ کرین بھی نہ اٹھا سکے۔ میں پانی کے ساتھ آنے والے اس دیوہیکل پتھر پہ بیٹھا غور کر رہا تھا کہ اللہ چاہے تو پانی کو حکم دے کہ وہ نافرمان بستیوں کو پل بھر میں برباد کر دے۔ انور کی بیٹی اور ماں پانی اور پتھروں میں گم ہو گئیں، دو دن بعد نعشیں ملیں۔ سرور ایڈووکیٹ بتا رہا تھا کہ سرجہاں ہم کھڑے ہیں۔ یہاں گھر تھے، دکانیں تھیں، مکانات تھے، لوگ اپنے گھروں میں ہنسی خوشی رہ رہے تھے۔ بڑے خوش تھے اور زندگی کا سفر جاری تھا۔ اب گھروں کی جگہ چاروں طرف پتھر ہی پتھر تھے۔ ٹینٹ لگے ہوئے تھے۔ تباہی و بربادی اور بے چارگی کی داستانیں تھیں۔ یہاں سرور ایڈووکیٹ کی معرفت ٹوٹے گھروں کے مکینوں کو لاہور سے لائی گئی ترپالیں اور

چادریں دیں۔ بعض کو رقم بھی دی۔ اسلم مروت نے سب سے پہلے اس علاقے میں پہنچ کر آفت زدوں کی خبر گیری کی تھی۔ کیش بھی تقسیم کیا تھا اور امدادی اشیاء بھی۔ الحمدللہ! کسٹمز ہیلتھ کیئر سوسائٹی کا طرۂ امتیاز ہے کہ مصیبت کی ہر گھڑی میں سب سے پہلے آفت زدہ علاقوں میں پہنچ کر آفت زدگان کی دامے، درمے، سخنے مدد کرتے ہیں۔ چترال میں جونہی سیلاب آیا۔ دوستوں کا تعاون شروع ہوگیا۔ سیلاب کے دو دن بعد پشاور سے اسلم مروت کو چترال کی خوبصورت وادیوں میں مصیبت زدہ افراد کی مدد کے لیے بھیج دیا تھا۔ اس کے بعد دوسری ٹیم نے آکر کام کیا اور گذشتہ دو دن سے چترال کی حسین وادیوں میں مصروف عمل ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ملک کے طول وعرض میں کسٹمز ہیلتھ کیئر سوسائٹی کے علاج اور خدمت کے کارواں کو مصیبت زدوں کی خدمت کرنے کی توفیق دی ہے۔ ملک کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جہاں ہماری ٹیمیں نہ پہنچی ہوں۔ چترال جانے کا پروگرام کئی دن سے تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس 14 اگست 2015ء کو امتیاز بخشا۔

خدمتِ انسانیت پر ستارۂ امتیاز:

صدرِ پاکستان نے ملک بھر میں انسانی خدمات سرانجام دینے کے صلے میں صدارتی ایوارڈ ''ستارۂ امتیاز'' سے نوازا اور یوں ہماری خدمات کو حکومتی سطح پر پذیرائی مل گئی۔ اندرون ملک اور بیرون ملک سے مبارکباد اور نیک خواہشات کے پیغامات آنے لگے۔ مٹھائیاں، کیک، گلدستے غرضیکہ ہر کسی نے اپنی بساط کے مطابق مبارکبادی اور خوشیاں منائیں۔ اللہ کے فضل سے سال 2014ء میں انسانی خدمات کے حوالے سے صرف اس عاجز بندے کو ''ستارۂ امتیاز'' سے نوازا گیا۔ چیئرمین فیڈرل بورڈ آف ریونیو (FBR) طارق باجوہ صاحب ہمارے کام سے محبت رکھتے ہیں اور ہمیشہ تعاون کرتے ہیں۔ آواران کا زلزلہ ہو، IDPs کا مسئلہ، تھر میں قحط سالی اور حالیہ سیلاب انہوں نے ہمیشہ ہماری خدمات اور کارکردگی کو سراہا اور دل کھول کر عطیات دیئے۔ انہوں نے گھر میں بلا کر مبارکباد دی۔

شارجہ سے فضل الرحمٰن صاحب کا فون آگیا۔ ان سے گذشتہ کئی برسوں سے محبت اور عقیدت کا رشتہ ہے۔ ان کے چھوٹے بھائی عزیز الرحمٰن مرحوم کو ہمارے کام سے بڑی محبت تھی۔ انہوں نے 2010ء کے سیلاب اور اس کے بعد ہمارے ادارے کو دل کھول کر امداد دی، ان کے تعاون کے باعث ہم نے سیلاب زدہ علاقوں میں سینکڑوں گھر بنوائے۔ موبائل ہسپتال بھی ان کے مرحوم بھائی عزیز الرحمٰن نے لے کر دیا۔ فضل الرحمٰن چترال جانے کے لیے شارجہ سے آرہے تھے، ان کا ساتھی اعجاز پپوڈونیشن لے کر پہنچ گیا۔ لاہور سے اعجاز سکا کے بھائی

خرم سکا کا عطیہ بھی پہنچ گیا۔ شفقت نے سیلاب زدگان کے لیے ترپالیں، برتن اور دوسری اشیاء لے لیں۔ اشفاق نے دوائیاں خرید لیں۔ سجاد شاہ ہرفن مولا ہے۔ اس نے بچوں کے لیے تحائف، بچیوں کے لیے کلپ پونیاں، خوبصورت سوٹ، عورتوں کے لیے دیدہ زیب چادریں اور دوسری اشیاء خرید لیں۔ ابتدائی کمک کے لیے توفیق کے ساتھ شفقت کو چترال کے لیے ایمبولینس میں روانہ کر دیا۔

منگل کو جانے کا ارادہ تھا کہ پاکستان ٹیلی ویژن (PTV) سے عمران شبیر کا فون آ گیا کہ 17 اگست کو انسانی خدمات سرانجام دینے والوں کا دن منایا جاتا ہے۔ آپ ''مارننگ شو وِد جگن کاظم'' میں آ جائیں۔ پی ٹی وی سے اپنا پرانا رشتہ ہے۔ سینئر پروڈیوسر کے افتخار مجاز نے ہمارے کام کو وسعت دینے میں اہم کردار ادا کیا۔ میڈیا اور ہمارا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ PTV، پنجاب ٹی وی اور City 42 نے ہمارے کام کی ترویج میں اہم کردار ادا کیا۔ PTV کے دوستوں نے بھی ''ستارۂ امتیاز'' ملنے کی خوشی میں خصوصی کیک کاٹا۔ کسٹمز کے سینئر کولیگ، نڈر، بہادر اور جری آفیسر جناب لطف اللہ ورک نے ہمیشہ ساتھ دیا۔ انہوں نے 14 اگست 2015ء کو جم خانہ میں دوسرے ساتھیوں کے ساتھ مبارکباد دی۔

پروگرام ''جگن وِد کاظم'' میں ورسٹائل ہوسٹ، فنکار اور دردِ دل رکھنے والی جگن کاظم اور دوسرے ساتھیوں نے مبارکباد دی۔ پروگرام میں بات کرتے ہوئے اس عاجز نے کہا کہ میں اس ''ستارۂ امتیاز'' کو دُکھی انسانیت اور ان تمام آفت زدگان اور بیمار لوگوں کے نام کرتا ہوں جن کی خدمت کی بدولت اللہ نے اس اعزاز سے نوازا۔ خدمت اور علاج کے سفر میں اسماء اور بچوں کا بھرپور ساتھ رہا ہے۔ خاندان کے سارے افراد اور خصوصاً والدِ محترم جناب بشیر احمد ہمیشہ کام کی قدر کرتے ہیں اور اب تو وہ علاج اور خدمت کے سفر میں ساتھ ہوتے ہیں۔ فضل الرحمٰن صاحب دیر پہنچ چکے تھے۔ ان کے فون آ رہے تھے۔ 12 بجے کے قریب روانہ ہوئے۔ اس دفعہ چترال کے سفر کے لیے خصوصی طور پر دیرینہ ساتھی اور ہمدم ڈاکٹر طاہر اقبال بھی ساتھ ہیں۔ اشفاق، کامران سکندر، اعظم، ڈاکٹر طاہر اقبال، امجد اور رفیق کے ہمراہ چترال کے لیے عازمِ سفر ہوئے۔ خدمت اور علاج کے سفر میں نکلیں تو اللہ فوراً اعزاز و اکرام فرماتے ہیں۔ چکری کے ریسٹورنٹ میں عابد گیلانی صاحب نے سارے دوستوں کے لیے پرتکلف کھانے کا بندوبست کیا۔ مردان سے اسلم مروت اور پشاور کلکٹریٹ کے چترال سے تعلق رکھنے والے محمود الحسن کو ساتھ لیا۔ چترال کے رہنے والے دُور سے پہچانے جاتے ہیں۔ اگرچہ پہلے محمود الحسن کو نہیں دیکھا تھا مگر دور سے کھڑے نظر آ گئے۔ گورا رنگ، سپاٹ چہرہ اور منفرد نقوش کے حامل سارے چترالی ایک ہی خاندان کے افراد لگتے ہیں۔ مردان آتے ہی 2009ء میں سوات سے ہجرت کرنے والے IDPs اور

2010ء کے سیلاب کی یادیں تازہ ہو جاتی ہیں۔

مردان سے چترال بذریعہ لواری ٹاپ:

جونہی رشکئی انٹرچینج سے گاڑی مردان میں داخل ہوتی ہے تو در و دیوار اور سڑکیں دیکھی بھالی لگتی ہیں۔ ایسے لگتا ہے کہ اپنے علاقے میں آ گئے ہیں۔ نوشہرہ میں جب بیس، بیس فٹ پانی تھا تو خدمت اور علاج کا قافلہ ادھر پہنچا تھا۔ عزیز الرحمٰن (مرحوم) کے تعاون سے اللہ نے خدمت اور علاج کے ساتھ سینکڑوں گھر بنوانے کی بھی توفیق دی تھی۔

''اپنا گھر ہاؤسنگ پراجیکٹ'' کا آغاز بھی نوشہرہ سے ہوا۔ اُس وقت سوچا تھا کہ کوئی دس بیس گھر بن جائیں تو غنیمت ہوگی۔ اللہ کی مدد، مخیّر حضرات کے تعاون اور ساتھیوں کی ہمت سے ملک کے طول و عرض میں سینکڑوں گھر بن گئے۔ اللہ تعالیٰ عزیز الرحمٰن کو غریق رحمت کرے۔ یہ سب ان کے لیے صدقہ جاریہ ہے۔ محمود الحسن چترال کے قاضی گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کے والد اور چچا دیوبند سے فارغ التحصیل ہیں، دادا چترال میں قاضی القضاء کے عہدے پر فائز تھے۔ حیرانی ہو رہی تھی کہ چترال سے لوگ مہینوں پیدل سفر کر کے پہاڑوں پر کئی کئی دن چل کر کیسے حصول علم کے لیے دیوبند پہنچتے ہوں گے۔

مردان سے دیر کا سفر شروع ہوا۔ شیر گڑھ، درگئی، سخاکوٹ سے ہوتے ہوئے مالاکنڈ ٹاپ پہنچ کر اسی ہوٹل سے چائے پی جہاں سوات جاتے ہوئے ٹھہرتے تھے اور بابا کی لب سوز، لبریز اور مزیدار چائے سے لطف اندوز ہوتے تھے۔ اللہ کا شکر ہے کہ سوات میں اب امن ہے، سکون ہے، آشتی ہے، راستے میں چیکنگ اب بھی ہوتی ہے۔ مگر 2009ء سے حالات قطعی مختلف ہیں۔ سوات کی فضاؤں اور ہواؤں میں آڑو اور جاپانی پھل کی بھینی بھینی خوشبو چار سو پھیلی ہوئی تھی۔ رات ہونے کو تھی مگر رفیق ڈرائیور بڑی ہوشیاری اور بہادری سے گاڑی کو چلا رہا تھا۔ پہاڑوں پر چھوٹے چھوٹے گھر روشنیوں کے نقطوں کی طرح نظر آ رہے تھے۔ چکدرہ سے دیر کے لیے عازمِ سفر ہوئے۔ صبح سے چلے ہوئے کئی گھنٹے سفر میں گذر چکے تھے لیکن ابھی کوئی خاص تھکاوٹ نہ ہوئی۔ ڈاکٹر طاہر کے ساتھ سفر اچھا گذر رہا تھا۔ اسلم مروت کی شعلہ بیانیاں اور ساتھیوں سے نوک جھونک جاری تھی۔ رات گئے 12 گھنٹے کے طویل سفر کے بعد دیر کے علاقے میں داخل ہوئے تو جان میں جان آئی۔

محمود الحسن نے شاہد اقبال اور ارشاد حکیم کے وسیع و عریض گھر میں رہائش کا بندوبست کیا ہوا تھا۔ پٹھان کی مہمان نوازی واقعی ضرب المثل ہے۔ مہمانوں کو کھلے دل سے خوش آمدید کہتے ہیں۔ گھر کا ہر فرد چھوٹا یا

بڑا مہمانوں کی خدمت کے لیے موجود ہوتا ہے۔ ساتھی بہت تھکے ہوئے تھے، بھوک بھی زوروں پر تھی۔ پرتکلف کھانا آ گیا۔ سب نے جی بھر کر کھایا۔ دیر میں موسم بے حد خوش گوار تھا۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا اور چشموں سے پانی کی جلترنگ نے ماحول کو بے حد خوش گوار بنا رکھا تھا۔ اگرچہ سونے کے لیے چند گھنٹے ملے، فجر کی نماز سے پہلے آنکھ کھل گئی۔ نماز دیر کی خوبصورت مسجد میں ادا کی۔ ناشتے کے بعد چترال کے لیے عازمِ سفر ہوئے۔ دیر کی خوبصورت فضاؤں اور ٹھنڈی ہواؤں میں سفر کر کے تھکاوٹ کا ذرا احساس نہ ہوا۔ سڑک کے دونوں جانب خوبصورت سرسبز پہاڑ دیکھ کر آنکھیں خیرہ ہو جاتی ہیں۔ ایسے مسحور کن مناظر ہیں کہ دیکھتے جائیں اور اللہ کی قدرت پر سبحان اللہ، ماشاء اللہ کہتے جائیں۔ 5 گھنٹے کے سفر کے بعد لواری ٹاپ کے قریب پہنچ گئے۔ لواری ٹاپ کا نظارہ دنیا کے بہترین مناظر میں سے ہے۔ خوبصورت سرسبز پہاڑ، آسمان سے باتیں کرتے نظر آتے ہیں۔ لگتا ہے بادل اوپر سے زمین پر اتر آئے ہیں۔ پہاڑوں کا سینہ پھاڑ کر 8½ کلومیٹر لمبی لواری ٹنل بنائی گئی۔ اگرچہ یہ منصوبہ کئی سال پہلے شروع ہوا مگر ابھی تک بوجوہ مکمل نہ ہو سکا۔

بروز ویلی میں علاج اور خدمت:

محمود الحسن نے بتایا کہ جب یہاں لواری ٹاپ پر برف پڑتی ہے۔ تو ہر طرف برف کی سفید چادر تنی ہوئی نظر آتی ہے۔ عجیب مسحور کن اور آنکھوں کو خیرہ کرنے والا منظر ہوتا ہے۔ چترال کے قریب پہنچ کر ایون ویلی کو دیکھا جہاں سیلاب نے تباہی مچائی تھی۔ اس کے آگے جا کر Broze ویلی میں پہنچ کر پہلا کیمپ لگایا۔ شروع میں مریض کم تھے لیکن جونہی اعلان ہوا مریضوں کی آمد شروع ہو گئی۔

کیمپ سے پہلے محمود الحسن سے مقامی زبان کے چند فقرے سیکھ لیے تا کہ آسانی رہے۔ مثلاً: کھوپک کھانسی، چھامیرا درد وغیرہ۔ جب بھی بولنے کی کوشش کی تو بچے، لڑکیاں اور عورتیں خوب محظوظ ہوتیں۔ ڈاکٹر طاہر نے بھی مریضوں کا علاج شروع کر دیا۔ چترال کے وکیل سرور بھی ساتھیوں کے ساتھ آ گئے۔ چترال ملک کا خوبصورت ترین خطہ ہے۔ یہاں کی آب و ہوا بہت ہی اچھی ہے۔ اس لیے یہاں کے لوگوں کی اوسط عمر 80، 90 سال ہے۔ موٹاپا چترالی کم ہی نظر آتا ہے، سب کے پیٹ کمر کے ساتھ لگے ہوئے ہیں۔ اسلم مروت یہاں بھی ریلیف اشیاء تقسیم کرتے ہوئے لڑ پڑے۔ مسجد میں کیمپ کا آغاز کیا۔ چترال کا ماحول خاصا دینی ہے۔ مسجدوں میں رش ہوتا ہے۔ شام تک مریضوں کو دیکھ کر آگے بڑھے۔ موضع ''گابل'' تک جانے کا پل سیلاب کے باعث ٹوٹ چکا تھا۔ وہاں ہماری گاڑیاں نہ جا سکیں۔ لوکل گاڑیاں لے کر سامان لاد کر آگے بڑھے۔ اگرچہ

سفر کی تھکان تھی۔ صبح سے مسلسل سفر میں تھے مگر جب بھی علاج اور خدمت کے لیے نکلتے ہیں تو ہمیشہ کوشش ہوتی ہے کہ ایک لمحہ بھی ضائع نہ ہو اور کم وقت میں زیادہ سے زیادہ لوگوں کی خدمت اور علاج ہو جائے۔ گابل میں مقامی ایل ایچ وی سعیدہ کے گھر میں کیمپ کا آغاز کر دیا۔ کیمپ شروع ہوتے ہی لوگوں کا جم غفیر اکٹھا ہو گیا۔ عورتیں، بچے، لڑکیاں سب آ گئیں۔ سعیدہ کی بیٹی فرح نے میرے ساتھ سیٹ سنبھال لی، ترجمان بن گئی۔ اچھی بھلی اُردو سمجھ رہی تھی۔ اس کی والدہ سعیدہ بھی مدد کرنے لگی۔ وہ لاہور اور اسلام آباد میں رہی تھی اس وجہ سے اور بھی آسانی ہو گئی۔ مریضوں کا چیک اَپ اور علاج شروع ہو گیا۔ اسلم مروت کو ترپالیں دے کر گاؤں روانہ کر دیا تا کہ مزید جھگڑا نہ ہو۔ فرح کی والدہ کو خوبصورت چادریں دے دیں تا کہ وہ متاثرین میں تقسیم کریں۔ بچوں میں تحفے تقسیم ہونے لگے۔

چترال کے ڈپٹی کمشنر نے ہماری رہائش کا انتظام ریسٹ ہاؤس میں کیا تھا۔ ریسٹ ہاؤس شہر کے سنٹر میں واقع ہے۔ چاروں طرف خوبصورت اونچے، لانبے، چھوٹے، کٹے پھٹے پہاڑ ہیں۔ رات گئے تک چشموں سے پانی گرنے کی آوازیں اتنی ہم آہنگی اور جلترنگ کے ساتھ آتی ہیں کہ کانوں کو بھلی لگتی ہیں۔ کالونی کی مسجد میں عشاء کی نماز ادا کی۔ مسجد میں اچھا خاصا رش تھا۔

چترال کی خوبصورت وادیوں میں متاثرین کی خدمت:

کیمپوں کے دوران چترال کے خوبصورت بچے اور بچیاں کیمپ میں آ کر روشنی پھیلاتے رہے۔ عبدالغنی کی سیلاب سے پہلے اچھی بھلی دکان تھی۔ کاروبار زندگی چل رہا تھا۔ سیلاب آیا اور سب کچھ بہا لے گیا، دکان رہی نہ مکان.....اس کو کیش اور اشیاء دیں تو اس کی آنکھوں میں تشکر کے آنسو آ گئے۔ فرح کی اماں بھاگ بھاگ کر مریضوں کو لا رہی تھی۔ گذشتہ کئی سال سے LHV کی حیثیت سے لوگوں کی خدمت کر رہی ہے۔ وہ خواتین مریضوں کو لانے کے ساتھ ساتھ مترجم کے فرائض بھی ادا کر رہی تھی۔ چترال کی حیا شعار عورتیں اپنا نام نہیں بتاتیں۔ اپنا تعارف فلاں کی بیوی یا فلاں کی ماں کے نام سے کراتی ہیں۔ پہاڑوں میں چلنے پھرنے اور اوپر تلے بچے پیدا کرنے کی وجہ سے یہاں کی عورتیں جلد بوڑھی ہو جاتی ہیں۔ 30 سال کی جوان خاتون 50 سال کی بوڑھی لگتی ہے۔ فرح اپنے گھر میں کیمپ لگا دیکھ کر بہت خوش تھی اور بھاگ بھاگ کر مریضوں کی خدمت میں لگی ہوئی تھی۔ چادریں تقسیم کرتے وقت بدنظمی ہو گئی۔ فرح کی والدہ نے بہتیرا کہا کہ ایسے نہ کرو مگر مروت کب کسی کی مانتا ہے۔ تقسیم میں پھڈا ہو گیا۔ بروز کی عورتوں نے اسلم مروت پر حملہ کر دیا جس کے ہاتھ جو

آیا وہ لے اُڑی۔ کیمپ میں ہر طرح کے مریض آئے۔ عورتیں خون کی کمی، سانس کی تکلیف، جسم میں درد، بخار وغیرہ کا شکار تھیں۔ بچوں میں ڈائریا، بخار، کھانسی، ٹائیفائیڈ وغیرہ کا مرض تھا۔

بڑی عمر کے زیادہ تر لوگ سانس چڑھنے، بدن میں درد ہونے، ہاضمے کی خرابی، گردے میں درد وغیرہ کی شکایت کر رہے تھے۔ آنکھوں کا انفیکشن، کان میں درد وغیرہ کی تکالیف بھی تھیں۔ کچھ لوگوں کے جسم پر خارش کے ساتھ پھوڑے پھنسیاں بھی تھے۔ چترال میں خوبصورت، میٹھے اور ہر طرح کے پھلوں کی بہتات ہے۔ جس طرف جائیں انگور، ناشپاتی، سیب کے پھلوں کے درخت پھلوں سے لدے پھدے نظر آتے ہیں۔ جن کو دیکھ کر منہ میں ایک دم پانی آ جاتا ہے۔ بروز کے علاقے میں پہلا دن بہت اچھا گزرا۔ سفر کی تھکاوٹ کے باوجود بھرپور علاج اور خدمت کی توفیق ہوئی۔ دو کیمپوں میں امدادی اشیاء کی تقسیم کے ساتھ 550 مریضوں کا علاج اور خدمت کی گئی۔ گرم چشمہ کا خوبصورت علاقہ بھی سیلاب سے بہت زیادہ متاثر ہوا۔ ساتھیوں کے مشورہ سے یہی طے پایا کہ کل صبح سویرے گرم چشمہ کا رُخ کیا جائے۔

گرم چشمہ کے ٹھنڈے پانیوں کے درمیان علاج اور خدمت

چترال سے گرم چشمہ تک کا راستہ سیلاب نے ہڑپ کر لیا۔ اب سڑک کے کہیں کہیں صرف نشانات ملتے ہیں۔ FWO کے جانثاروں نے سیلاب کے فوراً بعد اپنی جانوں پر کھیل کر پہاڑوں کو کاٹ کر کچا پکا راستہ بنایا۔ گرم چشمہ سے کئی میل لمبی پائپ لائن لگا کر چترال ٹاؤن کے لیے جرمنی کے انجینئرز نے پانی پہنچانے کا منصوبہ بنایا۔ پانی کا یہ قدرتی ذخیرہ سارے چترال کو کئی سال سے پانی مہیا کرتا رہا ہے۔ یہ پراجیکٹ بھی سیلاب کی نذر ہو گیا۔ توفیق اور رفیق پھیپھڑوں کا پورا زور لگا کر گاڑی کو اونچے، نیچے اور کچے راستوں سے آگے بڑھا رہے تھے کہ ایک دم جھٹکے سے توفیق کی ایمبولینس رُک گئی۔ ساتھی اترے، دھکا لگا کر جیسے تیسے گاڑی سٹارٹ کی۔ گاڑی کچھوے کی چال سے رواں دواں تھی۔ گاڑی میں پورا انجر پنجر ہل رہا تھا۔ صبح اچھا خاصہ ناشتہ کیا تھا لیکن ہلنے جلنے سے ایسے لگ رہا تھا کہ آنتیں قل ھواللہ پڑھ رہی ہیں۔

دریا کا پانی کہیں گدلا، مٹیالا، سفید اور کہیں سبز ماشاءاللہ سبحان تیری قدرت۔ آگے بڑھے تو سڑک بھی کچھ بہتر ہو گئی۔ گرم چشمہ کے راستے میں رجی کے مقام پر رُک کر پہلا کیمپ لگایا۔

رجی کی رس بھری ناشپاتیاں:

رجی کے خوبصورت گاؤں میں دریا کے کنارے ٹھنڈی ہواؤں اور ابر آلود فضاؤں کے درمیان ترپال پہ بیٹھ کر کیمپ شروع کیا۔ شروع میں مریض کم تھے۔ ہر طرف سبزہ، اونچے، لمبے، مٹیالے پہاڑ اور بیچ میں تیزی سے رواں دواں صاف و شفاف پانی اتنا مسحور کن منظر تھا کہ گرم چشمہ تک پہنچے سے پہلے ہی خوبصورت مناظر نے مسحور و مبہوت کر دیا۔ بچوں میں تحائف تقسیم کرنا شروع کیے تو آس پاس کے لوگوں کو خبر ہو گئی۔ پہاڑوں کے نیچے اور سڑک کے عین بیچ راستے کے درمیان میں پتھروں کے بیچ میں ٹھنڈے میٹھے صاف و شفاف پانی کے چشمے بہہ رہے تھے۔ خوبصورت بچے اور بچیاں کیمپ میں آنا شروع ہو گئے۔ ابھی بیٹھے ہی تھے کہ تازہ رس بھرے انگوروں اور چھوٹی چھوٹی ناشپاتیوں کی ٹرے آ گئی۔ ناشپاتی ایسی میٹھی اور لاجواب تھی کہ منہ میں رکھتے ہی شیرینی کی طرح گھل جاتی۔

کیمپ شروع ہو گیا۔ چھامیرا (درد)، کھوپک (کھانسی)، جلاب (ڈائریا)، خورپیش (خارش) وغیرہ کی

علامات کے ساتھ کیمپ میں مریضوں کی آمد شروع ہو گئی۔ بچے بوڑھے سب آئے۔ 12 بجے تک 150 مریضوں کو دیکھ کر آگے بڑھے۔ دریا کے کنارے پانی کی جلترنگ، ٹھنڈی ہوا میں مریضوں کا چیک اَپ کرنا ایک انوکھا اور دلچسپ تجربہ تھا۔ اوپر انگور اور ناشپاتی کے درخت تھے۔ بچوں اور بچیوں میں تحائف بٹنا شروع ہوئے تو کیمپ میں رونق لگ گئی۔ جونہی بچیوں کو معلوم ہوا کہ ان کے لیے تحائف آئے ہیں تو کیمپ میں بچیوں کی تعداد میں اضافہ ہو گیا۔ جونہی کسی بچی کو تحفہ ملتا وہ خوشی سے چلاتی، اچھلتی، کودتی سکھیوں کو بلانے بھاگتی اور ان کو لا کر ایک طرف کھڑی ہو جاتی۔ محمود الحسن نے گھر گھر جا کر ترپال بانٹے۔ اسی اثناء میں گرما گرم چائے بھی آ گئی۔ رجی میں دن کا پہلا کیمپ مزیدار رہا۔ علاقے کے خوبصورت باسیوں نے بہت متاثر کیا۔ یہاں آ کر اندازہ ہوتا ہے کہ ہماری قومی زبان کی کتنی اہمیت ہے۔ ملک کے کسی گوشے میں چلے جائیں اُردو سمجھنے اور بولنے والے مل جائیں گے۔ فرح سے پوچھا اُردو کیسے جانتی ہو۔ فخر سے کہنے لگی میں سکول میں پڑھتی ہوں ناں۔ رجی سے فارغ ہو کر آگے بڑھے۔ کچے پکے، راستوں پر چلتے ہوئے گاڑی خراماں خراماں آگے بڑھ رہی تھی۔ چترال سے جب چلے تھے تو دریا کا پانی گدلا میلا تھا مگر جوں جوں آگے بڑھ رہے تھے پانی صاف ہوتا جا رہا تھا اور اب آگے تو پانی بالکل صاف اور سبز رنگ اختیار کر چکا تھا اور آنکھوں کو بہت بھلا لگ رہا تھا۔ کہیں کہیں مٹیالا اور سبز پانی عجیب منظر پیش کر رہا تھا۔ توفیق اور رفیق بڑی مہارت سے اپنی اپنی گاڑی آگے بڑھا رہے تھے۔ ساری سڑک ٹوٹی ہوئی تھی۔ لوگوں نے FWO والوں کے ساتھ مل کر سیلاب کے فوراً بعد متبادل سڑک بنائی۔ ڈرائیورز یونین گرم چشمہ کے صدر فضل ربی نے بتایا کہ سیلاب نے سارا راستہ ختم کر دیا تو آس پاس کے گاؤں کے سب لوگوں نے اپنی مدد آپ کے تحت متبادل راستہ بنانا شروع کر دیا۔ جونہی اعلان ہوتا ہر گاؤں سے جوان لوگ اپنے اوزاروں کے ساتھ آتے اور کام میں لگ جاتے۔ جب تک FWO والے آئے عارضی راستے بن چکے تھے اور آمد و رفت جاری ہو گئی تھی۔

برلب سڑک دریا کے کنارے کیمپ:

گاڑیاں خراماں خراماں آگے بڑھ رہی تھیں کہ دروشپ کے نزدیک لکڑی کا پل آیا۔ رفیق نے جلدی سے نکالنے کی کوشش کی لیکن کچھ بن نہ پڑا اور گاڑی ایک خوفناک آواز کے ساتھ رُک گئی۔ سب نے کلمہ پڑھا۔ اللہ خیر کا نعرہ بلند کیا اور گاڑی سے اُترے۔ برلبِ سڑک دریا کے کنارے عین پل کے بیچ میں گاڑی کیا خراب ہوئی۔ دونوں طرف سے آمد و رفت رُک گئی۔ رفیق اور توفیق نے دوسرے مقامی ڈرائیوروں کے ساتھ مل کر گاڑی کو آگے بڑھانے اور ٹھیک کرنے کی اپنے تئیں کوشش کی لیکن گاڑی تو سٹارٹ ہونے کا نام ہی نہ لے رہی

تھی۔ سڑک سے نیچے اتر کر ٹھاٹھیں مارتے ہوئے دریا کے کنارے بیٹھے اللہ کی قدرت کے نظارے کرتے رہے۔ ٹھاٹھیں مارتا ہوا گرجتا برستا دریا اپنی پوری جولانیوں کے ساتھ رواں دواں ہے۔ پانی میں پاؤں ڈالے۔ اتنا ٹھنڈا پانی تھا کہ چند منٹوں میں پاؤں سُن ہوگئے۔ پل کے آر پار خاصے لوگ اکٹھے ہوگئے۔ موقع غنیمت جان کر سڑک کنارے کیمپ شروع کر دیا۔ پہلے لوگ حیران ہوئے کہ یہ کون سر پھرے لوگ ہیں جنہوں نے سڑک پہ ہی مریض دیکھنا شروع کر دیے ہیں۔ سیدون خاندان کے 20، 25 افراد ساتھ کے گاؤں میں تعزیت کے لیے آئے تھے۔ بوڑھی اماں اور بابا کی طبیعت خراب تھی۔ دو دن سے دوائی بھی نہ لی تھی۔ چترال جانے کا ارادہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے سن لی اور ادھر ہی ڈاکٹر اور دوائیں بھجوا دیں۔ لو جی سڑک کے کنارے بھرپور میڈیکل کیمپ کا آغاز ہوگیا۔ آنے اور جانے والی گاڑیوں کے مکین اپنی اپنی گاڑیوں سے اتر کر چیک اپ کروانے کے ساتھ دوائیں بھی لینے لگے۔ دو گھنٹے میں 100 سے زائد مریضوں کو دیکھا۔ آگے جانے کے لیے مقامی گاڑی لی اور دروشپ میں دریا کے کنارے پتھروں پہ بیٹھ کر میڈیکل کیمپ شروع کر دیا۔ یہاں بھی عجیب نظارہ تھا۔ سامنے دریا، اوپر نیلا آسمان اور چاروں طرف آسمان سے باتیں کرتے فلک پیما پہاڑ۔ پہاڑوں پر چار سو ہریالی ہی ہریالی تھی۔ سورج پوری آب و تاب کے ساتھ چمک رہا تھا۔ اس جگہ سیلاب نے کافی تباہی مچائی۔ علاقے میں 13 سے زائد گھر تھے۔ سب پانی میں بہہ گئے۔ مکینوں کا مال و متاع لٹ گیا۔ جمع پونجی پانی کی نذر ہوگئی۔ لوگ بے یار و مددگار بیٹھے ہیں اور منتظر ہیں کسی مسیحا کے جو آ کر ان کے سارے بگڑے کام بنائے گا۔

جونہی کیمپ کا آغاز ہوا۔ ڈاکٹر طاہر اقبال کو بھی ترجمان مل گیا اور راقم کو بھی۔ یہاں کے لوگ بہت سلجھے ہوئے تھے۔ عزت و احترام سے ڈاکٹر کو اپنی تکلیف کے بارے میں بتاتے۔ اسی اثناء میں نماز کا وقت بھی ہوگیا۔ آج جمعۃ المبارک ہے۔ زندگی میں ایسے مواقع کم ہی آئے ہیں جب جمعہ کی نماز نہ پڑھی ہو۔ چونکہ سفر میں تھے اور آس پاس کوئی مسجد بھی نہ تھی اس لیے ظہر کی نماز باجماعت ادا کی۔ اسلم مروت اور اشفاق کو بھیجا کہ گھر گھر جا کر سروے کر کے ہر تباہ شدہ گھر کے مکینوں میں ترپالیں، برتن اور دوسری ضروری اشیاء تقسیم کریں۔ اسلم مروت کی اپنی دنیا ہے۔ ریلیف کے کام میں کسی کی مداخلت برداشت نہیں کرتا۔ محمود الحسن اور اشفاق نے جب خود سے سامان تقسیم کرنا شروع کیا تو پھر ہنگامہ ہوگیا۔ بات ناراضگی اور چترال واپسی تک پہنچ گئی۔

گرم چشمہ میں ٹھنڈا یخ پانی اور زیتور میں میڈیکل کیمپ:

گرم چشمہ کے نام کی وجہ تسمیہ کیا ہے۔ محمود الحسن نے بتایا کہ یہاں شہر میں ایک مقام پر پانی کا ایک چشمہ ہے جس میں سے گرم پانی نکلتا ہے۔ گرم ہونے کے ساتھ ساتھ یہ پانی شفا بخش بھی ہے۔ اس پانی کے

بارے میں کئی روایات ہیں کہ اس میں نہانے سے خارش کی بیماری اور دوسری جلدی تکالیف رفع ہو جاتی ہیں۔ دریا کے عین کنارے کیمپ جاری تھا۔ گاڑی اب تک ٹھیک نہ ہوئی تھی۔ محمود الحسن نے ایک لوکل گاڑی لے لی جس میں بیٹھ کر گرم چشمہ شہر میں داخل ہوئے۔ مقامی ہوٹل سے کھانا کھایا اور مزید کام کے لیے مقامی گاڑی لے کر آگے بڑھے۔

کچے پکے اور خطرناک راستوں سے گذرتے ہوئے زہیطور گاؤں پہنچے۔ سیلابی ریلے اور پتھروں کی بارش نے اس گاؤں کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ سینکڑوں لوگ بے گھر ہو گئے۔ اگرچہ جانیں بچ گئیں لیکن مال ومتاع تو سب تباہ و برباد ہو گیا۔ گرم چشمہ اور اس کے قریبی دیہات میں بڑی تعداد میں اسماعیلیہ کمیونٹی سے تعلق رکھنے والے لوگ رہتے ہیں۔ زہیطور میں بھی 90 فیصد یہی لوگ ہیں۔ اسلم مروت سامان کی تقسیم میں مداخلت کی وجہ سے ناراض ہو کر واپس جانے کے چکر میں تھا۔ بڑی مشکل سے اللہ کا واسطہ دے کر واپس بلایا۔ کھانا کھلایا اور ساتھ لے کر آگے چلے۔ زہیطور میں ہماری آمد کی پہلے سے اطلاع تھی۔ ہمارے پہنچتے ہی مریضوں کا جم غفیر اکٹھا ہو گیا۔ ہر طرف سے ڈاکٹروں اور ڈسپنسری کا گھیراؤ ہو گیا۔ بچے، بوڑھے، جوان، مرد عورتیں، بچیاں سب جمع ہو گئے۔ اجمل میرا ترجمان بن گیا۔ بدن میں درد ''کالب چھامیرا'' کھانسی، (کھوپک)، جلاب (ڈائریا)، اندوہ (بخار) کی آوازیں آنے لگیں۔ چترالی بڑی میٹھی اور ترنم والی بولی ہے۔ چترال کے مہذب باسیوں کی زبان بھی میٹھی ہے۔ چترال کے ساتھ افغانستان سے بارڈر کئی جگہ پر ملتے ہیں، اس لیے اس خطے کی بڑی اہمیت ہے۔ واخان کی پٹی بھی یہاں سے قریب ہے۔ ترچ میر کی خوبصورت چوٹی بھی نظر آتی ہے۔ چترالی زبان اور لہجہ فارسی زبان سے کچھ نہ کچھ ضرور مشابہت رکھتا ہے۔ محمود الحسن نے بتایا کہ مہتر چترال کے دور میں چترال کی سرکاری زبان فارسی ہوا کرتی تھی۔ کیمپ زور وشور سے جاری تھا۔ علاقے کے مکین بتا رہے تھے کہ یہاں پہلے اس طرح کی کوئی امدادی ٹیم نہیں آئی۔ کیمپ کے دوران ہی پاک فوج کے جوان آ گئے۔ وہ بھی ریلیف کے ٹرک کے ساتھ آئے تھے۔ پاک فوج کی عظمت کو سلام کیا۔ مصیبت کی ہر گھڑی میں پاک فوج کے جوان ہمیشہ صفِ اول میں ہوتے ہیں اس دفعہ تو سیلاب کے دوران ہمارے بہادر چیف آف آرمی نے ملک بھر کے طوفانی دورے کیے اور فوج کے ریلیف کے کام کی خود نگرانی کی۔ ایک طرف کیمپ جاری تھا تو دوسری طرف اسلم مروت، عبدالرؤف اور محمود الحسن کو گاؤں روانہ کر دیا تاکہ جن لوگوں کے گھر تباہ ہوئے ہیں۔ ان میں مختلف اشیاء تقسیم کریں۔ اسلم مروت یہاں کچھ بجھا بجھا نظر آ رہا تھا کیونکہ اس کی خواہش کے برعکس ریلیف کے کام کے لیے ٹیم بن گئی تھی۔ جبکہ وہ چاہتا ہے کہ صرف ''میں ہی اکیلا ریلیف کا کام کروں اور باقی جائیں بھاڑ میں۔''

تھکن، سوتی آنکھیں اور رات کا خطرناک سفر:

ریلیف ٹیم نے بالآخر بہلا پھسلا کر اسلم مروت کو ملا کر گھر گھر جا کر ریلیف اشیاء کے پیکٹ تقسیم کیے۔ سورج غروب ہونے کو تھا۔ سامنے پہاڑوں کے اوپر سورج بادلوں میں چھپ رہا تھا۔ آہستہ آہستہ روشنیاں ماند ہوتی جا رہی تھیں۔ مریض آ رہے تھے اور آتے ہی جا رہے تھے۔ ہم سب تھک کر چور ہو چکے تھے۔ اب تو مریض دیکھتے دیکھتے آنکھیں خود بخود بند ہوتی جا رہی تھیں۔ ایک دو دفعہ آنکھ لگ گئی تو اجمل نے جگا دیا۔ پاس کھڑی لڑکیاں بھی تھکن سے ڈاکٹر کی آنکھیں بند ہوتی دیکھ کر مسکرا رہی تھیں اور ہر ایک پہلے دکھانے پر مصر تھی کہ کہیں ڈاکٹر سو نہ جائے۔ دروشپ کے اس گاؤں میں 350 مریضوں کا علاج ہوا۔ لاکھوں کی اشیاء تقسیم کیں۔ رات گئے واپسی کا سفر شروع ہوا۔ فضل ربی کو بڑی مشکل سے چترال جانے پر رضا مند کیا کیونکہ دوسری گاڑی خراب ہونے کے باعث واپس بھجوا دی تھی۔ زندگی کا مشکل ترین، جاں گسل اور خطرناک سفر شروع ہوا۔ فضل ربی گرم چشمہ کا رہنے والا ہے اور علاقے کے چپے چپے سے آشنا ہے۔ ایمبولینس گاڑی پیچھے لگ گئی۔ راستے میں ایسے خطرناک موڑ آتے ہیں جن کو دیکھ کر بہت ڈر لگ رہا تھا۔ ڈرائیور کی ذرا سی غلطی یا خطا سے گاڑی گہرے پانیوں کی نذر ہو سکتی تھی۔ پانی اتنی تیزی اور خوفناک آواز کے ساتھ رواں دواں تھا کہ منٹوں میں گاڑی کو بہا کر پتہ نہیں کہاں لے جاتا، گاڑی کا پتہ چلتا اور نہ سواروں کا۔ رات کے سائے گہرے ہوتے جا رہے تھے۔ ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا تھا البتہ کھلا صاف و شفاف آسمان اور تاروں بھری رات تھی۔ سارے ساتھی کلمہ اور دعائیں پڑھتے جا رہے تھے۔ توفیق کی گاڑی پیچھے تھی۔ پیچھے رہ جاتی تو اس کا انتظار کرتے۔ پیچھے نظر پڑتی تو عجیب طرح کا خوف اور فکر دامن گیر ہوتا اور دعائیں نکلتی کہ یا اللہ خیر۔ پونے چار گھنٹے کے خوفناک لمبے، تھکا دینے والے اور خوفناک خطرناک سفر کے بعد 11 بجے کے قریب محمود الحسن کے گھر پہنچے۔ وہاں پہنچتے ہی سب ساتھی گدوں پر دراز ہو گئے۔ جسم کا اَنگ اَنگ دُکھ رہا تھا۔ سب کا دل چاہ رہا تھا کہ اب بستر پر دراز ہوں اور لمبی تان کے سو جائیں۔ محمود الحسن نے اپنے گھر میں پر تکلف دعوت کا بندوبست کر رکھا تھا۔ اس کے بیٹوں نے جلدی جلدی دستر خوان لگایا۔ ساتھی تھکے ہوئے بھی تھے اور ساتھ ساتھ بھوکے بھی تھے۔ کیونکہ کچے پکے، کٹے پھٹے، اوپر نیچے راستوں سے گذرتے ہوئے اَنجر پنجر ڈھیلے ہو چکے تھے اور لگتا تھا کہ دوپہر کو کچھ کھایا ہی نہیں۔ مزیدار اور گرم کھانا سب نے مزے سے کھایا اور واپس آڈٹ لاج کا رخ کیا۔ آتے ہی سب اپنے اپنے بستروں پر ڈھیر ہو گئے اور فوراً نیند کی وادیوں میں کھو گئے۔ امجد نے ہمت کر کے ہمارے بستر کمروں سے باہر لگا دیئے۔ کھلی فضا، تاروں بھرا آسمان، ہلکی ہلکی خنکی، ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا، چشموں سے پانی گرنے کی آوازیں، عجیب

رومانی منظر تھا۔ آسمان تاروں سے بھرا ہوا تھا اور دور پہاڑوں پر چھوٹے چھوٹے گھروں پر ٹمٹماتی روشنیاں بھی تاروں کی طرح لگ رہی تھیں۔ اگرچہ رات بڑی دیر سے سوئے تھے اللہ کا شکر ہے چار بجے آنکھ کھل گئی۔ فجر کی نماز باجماعت ادا کی۔

صبح کا سہانا موسم ہے۔ ٹھنڈی ٹھنڈی مزیدار ہوا چل رہی ہے۔ پہاڑوں اور بادلوں کی اُوٹ سے سورج نکلنے کو ہے۔ جونہی سورج کی کرنیں پہاڑوں پر پڑتی ہیں تو پتھریلے، ملگجے، سبز پہاڑ چمکدار اور روشن نظر آنے لگتے ہیں۔ چترال پاکستان کا واقعی خوبصورت ترین علاقہ ہے یہاں کے حسین مناظر بندے کو اِک دم مبہوت و مدہوش کر دیتے ہیں۔ ایسے دلفریب مناظر اور قدرت کے حسین نظارے دنیا میں کہیں بھی نہیں ہیں۔ سوات کی حسین اور دلکش وادیوں سے لے کر چترال کے جنت نظیر نظاروں تک ہر طرف اللہ کی قدرت اور اس کی صناعی اور کاریگری کے بہترین نظارے دیکھنے کو ملتے ہیں اور بیساختہ زبان میں آ جاتا ہے۔ ''**فبای الا ربکما تکذبن** (ترجمہ) اور تم میری کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔''

وادیٔ کیلاش کا تاریخی اور یادگار سفر

وادیٔ کیلاش میں رات کے سائے گہرے ہوتے جا رہے ہیں۔ تاروں بھری خوشگوار رات ہے۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی ہے۔ چشموں اور دریائے بھنبھوریت سے پانی کے چلنے کی آوازیں مستقل آ رہی ہیں۔ ٹھنڈک کا ماحول ہے۔ ہلکی ہلکی سردی محسوس ہو رہی ہے۔ فضاؤں میں سیب، ناشپاتی اور انگور کی خوشبو بسی ہوئی ہے۔ وادی کیلاش میں آج ''اور چال'' کا تہوار منایا جاتا ہے۔ بچے، بچیاں، لڑکے، لڑکیاں، بوڑھی خواتین اور نئے کپڑے پہنے خاص طور پر بچیاں اور نوجوان لڑکیاں بن سنور کر اور چہرے پر نقش ونگار بنائے میلے میں جا رہی ہیں۔ Foreign Tourist inn کی بالکونی سے بیٹھے یہ سطریں رقم ہو رہی ہیں۔ عجب رومان پرور ماحول ہے۔ میلہ شروع ہونے کو ہے۔ موج ومستی کا نظارہ ہے۔ ڈھول بجانا اس کی تھاپ پر رقص کرنا اور روایتی گیت گانا کیلاش کلچر ہے۔ ڈھول کے ساتھ گانے بجانے کی مستقل آوازیں بھی آ رہی ہیں۔ میلہ ساری رات جاری رہے گا جب کیلاشی تھک جائیں گے تو گھروں کو لوٹیں گے۔ راگ و رنگ کے میلے کے باوجود وادیٔ کیلاش جولائی اور اگست کے سیلاب کے باعث تباہی اور بربادی کا منظر پیش کر رہی تھی۔

جولائی اور اگست میں یہاں بھرپور رش ہوتا تھا لیکن اب بچے کھچے ہوٹلوں میں کوئی ویرانی سی ویرانی ہے۔ بڑے بڑے تمام ہوٹل اور ریسٹ ہاؤس سیلاب کی نذر ہو گئے۔ بے نظیر ہوٹل کا اب نام ونشاں باقی نہیں۔ PTDC کا خوبصورت موٹل بھی ویرانی اور بے بسی کی تصویر بنا نظر آ رہا تھا۔ اسرار احمد عرف زندگی بتا رہا تھا کہ جولائی اور اگست کے سیلاب نے وادیٔ کیلاش میں بہت زیادہ تباہی مچائی۔ چند دنوں کے وقفوں سے 7 بار سیلاب آیا۔ پانی کا ریلہ اتنی تیزی کے ساتھ آیا کہ اس کی راہ میں جو بھی عمارت یا گھر آیا وہ پل بھر میں بہہ کر دریا برد ہو گیا۔ اصل میں گلیشیئر کی برف جب پگھلتی ہے تو گلیشیئر میں پھنسے بڑے بڑے پتھر بھی تیزی سے پانی کے ساتھ آتے ہیں اور تباہی اور بربادی کی داستانیں رقم کر جاتے ہیں۔ جولائی کے شروع میں جہاں دکانیں، مکانات، مساجد اور دوسری عمارتیں تھیں، وہاں اب پتھروں کا بسیرا ہے اور پتھر بھی اتنے بڑے کہ گمان ہوتا ہے کہ انہیں کسی جن یا دیو نے اُٹھا کر اِدھر رکھ دیا ہے۔ یقین ہی نہیں آتا کہ یہ پتھر پانی کے ساتھ آئے ہونگے۔ یہ تو شکر ہوا کہ پانی آنے کی بروقت اطلاع مل گئی اور لوگوں نے اپنے گھر خالی کر دیے ورنہ مال ومتاع کے ساتھ

جانیں بھی جاتیں۔

صبح سویرے چترال سے بمبوریت ویلی جانے کے لیے نکلے۔ ساتھیوں نے بہتیرا ڈرایا، منع کیا کہ راستہ بہت دشوار گذار ہے۔ چار پانچ گھنٹے پیدل چلنا پڑے گا۔ اتنے تنگ اور خطرناک راستے ہیں کہ ذرا سی غفلت جان لیوا ثابت ہوسکتی ہے۔ ڈاکٹر طاہر اقبال بھی بار بار منع کر رہے تھے۔ بمبوریت کے قاضی اسرار احمد عرف زندگی کا اصرار تھا کہ سر آپ چلیں اللہ خیر کرے گا۔ سڑک ضرور ٹوٹی ہوئی ہے۔ راستہ خطرناک ہے لیکن آفت زدہ لوگوں کو آپ کی مدد کی ضرورت ہے۔ وہ میڈیکل ایڈ اور ریلیف کے لیے آپ کے منتظر ہیں۔

ترچ میر، پریاں اور خون کا گلاس:

بمبوریت جانے کے لیے گرم چشمے کے ناخوشگوار تجربے کے باعث پرائیویٹ گاڑیوں کا انتظام کرلیا۔ عبدالرؤف نے چترال سے ہی راشن خرید کر پیک کروا لیا۔ ادویات، بچوں کے تحائف، بچوں کے کپڑے، چادریں، ترپالیں غرضیکہ ہر شے پیک ہوگئی۔ صبح سویرے آڈٹ لاج سے نکلے۔ چترال کی خوبصورت وادیوں سے گذرتے ہوئے بندہ بار بار خوبصورت مناظر دیکھ کر مبہوت و مسحور ہو جاتا ہے۔ ایون ویلی کی جانب بڑھتے ہوئے محمود الحسن نے کہا کہ یہاں رُک کر ترچ میر کی چوٹی کا نظارہ کرنا ہے۔ دور سے بادلوں سے اَٹی چاندی کی طرح دمکتی ترچ میر کی خوبصورت چوٹی نظر آ رہی تھی۔ 25 ہزار فٹ بلند ترچ میر کی چوٹی کے بارے میں کئی داستانیں مشہور ہیں کہ یہ چوٹی آج تک کسی نے سر نہیں کی کیونکہ وہاں تک جو جاتا ہے وہ واپس نہیں آتا بلکہ پریوں کے دیس میں کھو جاتا ہے۔ پریاں انہیں اپنے ساتھ لے کر رفو چکر ہو جاتی ہیں۔ قصہ مشہور ہے کہ ترچ میر کی چوٹی تک جانے والوں کو پریاں اپنے ساتھ لے جاتی ہیں تو وہ وہاں اپنے مسکن میں نئے آئے والوں کو دودھ کا گلاس اور خون کا گلاس ایک ساتھ پیش کرتی ہیں۔ جو دودھ پیتا ہے وہ پریوں کا ہو جاتا ہے۔ جو خون کے گلاس کی طرف ہاتھ بڑھاتا ہے تو پریاں اسے واپس چھوڑ جاتی ہیں۔ ایون ویلی بھی چترال کی خوبصورت ترین ویلی ہے۔ چاروں طرف خوبصورت اور سرسبز پہاڑ ہیں اور درمیان میں فراٹے بھرتا اور پوری آب و تاب سے چلتا دریا.....سیلاب کے دوران دریا نے ایون ویلی میں بھی اپنا رخ تبدیل کیا۔ بڑے بڑے پتھر سیلابی پانی کے ساتھ تیزی سے آئے اور دریا کے کنارے بسے کئی گھروں کو ملیا میٹ کر گئے۔ ایون ویلی پہنچ کر یہ طے پایا کہ آدھا سامان متاثرین ایون ویلی کے سپرد کیا جائے اور باقی سامان گدھوں پہ لاد کر بمبوریت لے جایا جائے۔ ڈاکٹر طاہر ایون ویلی میں ٹھہر گئے تاکہ وہاں کے متاثرین میں سامان تقسیم کریں۔ جذبہ خدمات سے سرشار قافلہ خدمت اور علاج کے مشکل ترین لمبے، جاں گسل اور پرخطر سفر پہ روانہ ہوا۔ لوگوں نے بہتیرا منع کیا۔ ڈرایا، اپنے ساتھیوں نے بھی منع کیا لیکن جب بندہ عزم کر لے تو پھر راستے کشادہ اور راہیں خود بخود آسان ہو جاتی ہیں۔

4x4 جیپ میں بیٹھ کر ایون ویلی سے روانہ ہوئے۔ تھوڑا سا سفر طے کیا تھا کہ آرمی کی چیک پوسٹ آ گئی۔ گاڑیوں سے اتر کر سامان اَن لوڈ کیا۔

ٹوٹے راستے، پل اور گدھے:

یہاں سے آگے سامان لے جانے کا صدیوں پرانا ایک ہی ذریعہ ہے۔ یعنی گدھوں پہ سامان لادیں۔ یہ گدھے سامان لے جانے کے لیے صحرائی جہاز کا کردار ادا کرتے ہیں۔ پہاڑوں میں اونچے نیچے راستوں کو آسانی سے پھلانگ کر گذر جاتے ہیں۔ گدھوں کے مالکوں کا انتظار کرتے کرتے کافی دیر ہوگئی۔ گدھے آئے، ریٹ طے ہوا اور گدھوں کی لمبی قطار کے ساتھ اپنی منزل کی طرف روانہ ہوگئے۔ گدھوں کو چلانے والے کوچوان 10 سے 14 سال کے چھوٹے بچے ہیں۔ جو اپنے کام میں اتنے ماہر ہیں کہ گدھے کے ساتھ کلانچیں بھرتے اونچے نیچے پہاڑوں کو آسانی سے پھلانگتے مقررہ وقت پر سامان منزل مقصود تک پہنچا دیتے ہیں۔

بمبوریت وادی کیلاش کا سب سے خوبصورت اور دلکش خطہ ہے اور یہاں سال کے 12 مہینوں میں دنیا بھر سے سیاحوں کی آمد ہوتی رہتی ہے۔ مگر سیلاب نے آنے کے تمام راستے بند کر دیئے۔ سڑکیں ختم ہوگئیں۔ زندگی مفلوج ہوگئی۔ پاک فوج اور FWO کے بہادر اور جری جوانوں نے اپنی جان خطرے میں ڈال کر پہاڑوں کو کاٹ کر سڑک کو کسی حد تک بحال کر دیا ہے۔ لیکن ابھی تک کام جاری ہے اور کئی جگہ سے سڑک ٹوٹی اور بکھری ہوئی ہے۔ دروش چیک پوسٹ کے قریب FWO کے جوان اپنی گاڑیوں بلڈوزر اور برتنوں کے ساتھ سڑک صاف کرنے اور راستوں کو دوبارہ بحال کرنے میں لگے ہوئے تھے۔ اسرار احمد نے مشورہ دیا کہ دروش چیک پوسٹ تک پیدل چلتے ہیں۔ ہم یہاں تک گاڑی میں پہنچے تھے کہ دور سے سامان سے لدے پھندے گدھوں کی قطار نظر آ گئی۔ اعظم کے بقول یہ گدھے 500cc اور 1000cc والے ہیں اور واقعی انہوں نے اپنے چھوٹے چھوٹے کوچوانوں سمیت ثابت کر دیا کہ پہاڑوں اور کچے پکے راستوں پر ان کی رفتار گاڑیوں سے زیادہ ہے۔

ہانپتے، کانپتے گرتے لڑکھڑاتے وادیٔ کیلاش کا سفر:

دوباش چیک پوسٹ پر اینٹری کروا کے آگے بڑھے۔ اسرار احمد نے اپنے موٹر سائیکل کے ذریعے یہاں تک پہنچایا تھا۔ اسلم مروت نے بٹ خیلہ سے سفر کے لیے تین کھونٹیاں خرید لی تھیں۔ چیک پوسٹ سے آگے اب پیدل سفر تھا کیونکہ سڑک جگہ جگہ سے ٹوٹی ہوئی تھی یا دریا بُرد ہو چکی تھی۔ اس لیے اب پیدل چلنا تھا،

چڑھائی بھی تھی اور اترائی بھی۔ سامنے کچے اور ٹوٹے ہوئے راستے تھے اور اردگرد خطرناک، نوکیلے، مہیب منہ کھولے پہاڑ، ان کے پاس سے گذریں تو ایسے لگتا ہے کہ ابھی آپ کے اوپر آن گریں گے۔ کھونٹی کے ساتھ خراماں خراماں کچے پکے راستوں پر چلنا شروع کیا۔ کچھ دیر اور دور تک کوئی مشکل پیش نہ آئی مگر جونہی زیادہ چڑھائی آئی تو سانسیں تیز ہونا شروع ہوگئیں۔ حلق سوکھ کر کانٹا ہوگیا۔ نبض کی رفتار 140 تک ہوگئی۔ ماتھے پہ پسینہ آنا شروع ہوگیا، ٹانگیں شل ہوگئیں۔ دل میں خیال آیا کہ یہاں سے واپسی کر لی جائے۔ اسرار احمد کا ساتھ تھا۔ اسے کہا کہ بیٹھ کر اور سستا کر پھر چلتے ہیں۔ پھر چلنا شروع کیا لیکن چند سو گز چلنے کے بعد پھر حالت بُری ہو گئی۔ اب کیا کریں؟ پھر واپسی کا خیال آیا۔ اسی اثناء میں ہمارے گدھوں کا قافلہ بھی آ گیا۔ اسرار احمد بلا کا تیز آدمی ہے۔ باتیں بھی تیز کرتا ہے۔ موٹر سائیکل بھی تیز چلاتا ہے۔ چھلاوے کی طرح کبھی ادھر ہوتا ہے اور کبھی اُدھر۔ اسلم مروت کی دریافت ہے۔ شروع میں اچھا نہ لگا تھا مگر اس کا کام دیکھ کر اور لوگوں کے لیے کچھ کر لینے کا جذبہ دیکھ کر وہ اچھا لگنے لگا ہے۔

انبیاء کی سنت، گدھے کی سواری:

اسرار احمد نے اچھوتا آئیڈیا پیش کیا کہ سر میں ایک گدھا خالی کرواتا ہوں، اس پہ بیٹھ جائیں۔ یہ آپ کو اوپر تک لے جائے گا۔ زندگی میں وہ کام کرنا پڑا جو پہلے کبھی نہیں کیا تھا۔ گدھے پر مچان بندھی ہوئی تھی۔ شفقت نے کہا کہ سر گھبرائیں نہیں گدھے پہ بیٹھ کر سفر کرنا انبیاء کی سنت ہے۔ جی کڑا کر کے آخر مرتا کیا نہ کرتا کے مصداق گدھے کی پیٹھ پر سواری کر لی۔ غریب جانور پر بھی ترس آ رہا تھا لیکن بمبوریت ویلی پہنچنے کی بھی تڑپ تھی۔ شروع میں صحیح طور پر بیٹھا نہ جا رہا تھا۔ بیلنس بھی قائم نہ ہو رہا تھا۔ آہستہ آہستہ چل کر صحیح لگنے لگا۔ گدھے نے بھی کمال کر دیا، اونچے نیچے راستوں پر آسانی سے لے گیا اگرچہ آتے جاتے لوگ دیکھ کر زیر لب مسکرا رہے تھے۔ لڑکیاں خاص طور پر یہ نظارہ دیکھ کر کن انکھیوں سے دیکھتی اور مسکراتی جا رہی تھیں۔

آمد و رفت کے سارے ذرائع استعمال کر کے یعنی گاڑی، موٹر سائیکل، پیدل، گدھا سواری کر کے کوئی دو گھنٹے کے سفر کے بعد اسرار احمد کے گھر پہنچے اور پہنچتے ہی سب ساتھی بستروں پہ دراز ہو گئے۔ کسی کا اٹھنے اور ہلنے کو دل نہ کر رہا تھا۔ اسرار احمد کے والد نے بتایا کہ جولائی سے اگست تک سات دفعہ سیلابی ریلے آئے اور آخری آنے والا سیلاب تو کھیتوں، کھلیانوں، گھروں کو روندتا اور ہڑپ کرتا آگے بڑھا۔ جہاں فصلیں، مکانات، دکانیں اور باغات تھے وہاں اب پتھر ہی پتھر ہیں۔ ان کی 20 کنال زمین میں تیار فصلیں کھڑی تھیں۔ جن میں سے صرف 2 کنال بچی ہیں اور باقی ساری دریا برد ہوگئیں۔ تھوڑی دیر آرام کرنے کے بعد گھر سے مزیدار کھانا

آ گیا۔ چلنے کے باعث بھوک بھی خوب لگی ہوئی تھی اور کھانا بھی خاصا مزیدار تھا۔ ساگ، پنیر اور مکھن کی بنی ہوئی روٹی، دیسی مرغ کی یخنی اور نمکین لسی..... ساتھیوں نے انگلیاں چاٹ کر جی بھر کے کھانا کھایا۔ اب آگے جانا تھا اس کے لیے اسرار احمد نے گھوڑے کا بندوبست کیا۔ گھوڑے پر سوار ہونا اور بھی عجیب لگا۔ گھوڑے اور گدھے کی سواری میں کوئی خاص فرق نہیں تھا لیکن لگتا تھا کہ گدھا گھوڑے سے زیادہ راستوں سے آشنا تھا۔

وادیٔ کیلاش میں علاج اور خدمت:

چند کلو میٹر کا فاصلہ طے کیا تھا کہ اسرار احمد کا دوست مل گیا جس نے اپنا موٹر سائیکل دے دیا۔ موٹر سائیکل چلانے میں اسرار عرف زندگی بہت مشاق ہے۔ اس نے چند منٹوں میں وادی بھنبھوریت پہنچا دیا جہاں مریضوں کا جم غفیر تھا۔ اگرچہ تھکاوٹ تھی۔ جسم دردوں سے چور ہو رہا تھا، اَنگ اَنگ دُکھ رہا تھا۔ پاؤں سوجھ کر من بھر کے ہو رہے تھے مگر مریضوں کی حالت کے پیش نظر جاتے ہی کیمپ شروع کر دیا۔

کالب چھامیرا (بدن میں درد)

مہہ چھامیرا (کمر میں درد)

اندور (بخار

جلاب (ڈائریا)

کی گردانیں شروع ہو گئیں۔ وادی کیلاش کے خوبصورت بچوں اور بچیوں کی آمد شروع ہو گئی۔ سر پہ خوبصورت نقش و نگار والے ہیٹ، گلے میں بے شمار مالائیں اور دیدہ زیب چوغوں میں ملبوس عورتیں، لڑکیاں اور بچیاں بھی آنا شروع ہو گئیں۔ اسلم مروت، عبدالرؤف اور اسرار احمد وادیوں میں گھوم کر متاثرہ گھروں میں ترپال، برتن اور ریلیف اشیاء پہنچانے میں لگ گئے۔ کیمپ میں رونق اور تیزی آ گئی۔ خوبصورت اور تیکھے نقوش والی بچیوں کو تحائف، سوٹ اور عورتوں کو چادریں ملنے لگیں تو کیلاشی عورتوں، لڑکیوں اور بچیوں کا جم غفیر جمع ہو گیا۔ ڈاکٹر کا چاروں طرف سے گھیراؤ کر لیا گیا۔ زبان سے ناآشنائی ہونے کے باوجود کیلاشی اپنی تکلیف کے بارے میں بتانے اور سمجھانے کی پوری کوشش کرتے۔ محمود الحسن ساتھ بیٹھے ترجمانی کے فرائض سرانجام دے رہے تھے، جس کی وجہ سے مریض دیکھنے میں آسانی رہی۔ بچے، بوڑھے، جوان، لڑکے، لڑکیاں اور عورتیں ہر قسم کے مریض آئے۔ شام تک مریضوں کی آمد جاری رہی۔ آخر میں بنی سنوری، سجی سجائی، روایتی کپڑوں میں ملبوس مزید کیلاش بچیاں اور لڑکیاں چہرہ پر نقش و نگار سجائے آ گئیں۔ ان میں بھی تحائف، سوٹ اور چادریں تقسیم کیں۔ وہ خوشی خوشی اپنے فوڈ میلے جو 22 اگست کو پھل پکنے کی خوشی میں منایا جاتا ہے، میں شرکت کے لیے دور پہاڑ کے دوسری

طرف روانہ ہوگئیں۔''اور چال میلہ'' ساری رات چلتا رہا۔

LHV حضرت گل اور زرمحمد نے ہمارے ساتھیوں کو بھی میلے میں آنے کی دعوت دے رکھی تھی۔ اگر چہ سارا دن چل کر ساتھی تھکن سے بے جان تھے۔ کیلاش کلچر سے روشناس ہونے کا اور اس کو بہتر طور پر جاننے کا یہ ایک نادر موقع تھا۔ اہل کیلاش سال میں تین تہوار مناتے ہیں۔ جن میں اور چال میلہ 22 اگست کی رات کو ہوتا ہے۔ اگست کے مہینے میں درخت پھلوں اور پھولوں سے لد جاتے ہیں۔ لال، سرخ سیب، میٹھی رس بھری ناشپاتیاں، انجیر، کالے انگوروں کے پکے خوشے ہر طرف ان کی بھینی بھینی خوشبو ہوتی ہے۔ پھول بھی ہر طرف کھلے ہوتے ہیں۔ قدرت کی رعنائیاں اپنے جوبن پر ہوتی ہیں۔ میلہ مناتے کیلاشی مرد، عورتیں، لڑکے، اور لڑکیاں کھلے میدان میں جمع ہوتے ہیں۔ خوشیاں مناتے ہیں۔ ناچتے گاتے ہیں۔ اگر چہ بجلی نہیں تھی مگر جنریٹر تو دستیاب تھا۔ خوشیاں منانے کا یہ عمل ساری رات جاری رہا۔ جب کیلاشی لڑکیاں کورس میں گیت گاتی رقص کرتی ہیں تو بڑا ہی پیارا منظر ہوتا ہے۔

وادیٔ کافرستان میں اذان:

صبح سویرے مروت صاحب کے فون نے جگا دیا۔ ابھی صبح کاذب ہے۔ تاروں بھری رات ہے ویسے تو سکوت طاری ہے لیکن دریا میں پانی کے چلنے کی آواز مسلسل آ رہی ہے۔ موسم انتہائی خوش گوار اور ٹھنڈا ہے۔ بھینی بھینی خوشبو چار سو پھیلی ہوئی ہے۔ وضو کر کے کافرستان کے اس علاقے میں اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا، فجر کی اذان دی۔ اللہ کا شکر ادا کیا کہ اس نے اس علاقے میں آ کر اپنا کلمہ بلند کرنے کی توفیق بخشی۔ ساتھ ہی دل سے یہ دُعا بھی نکلی کہ اللہ تعالیٰ پاکستان کے اس خوبصورت ترین خطے کے خوبصورت لوگوں کو اسلام کی دولت سے مالا مال فرما کیونکہ دنیا کی خوبصورتیاں، چکا چوند اور دلفریبیاں عارضی ہیں۔ سب ایک دن ختم ہو جائے گا جس کا تجربہ حالیہ سیلاب اور بعد میں 26 اکتوبر 2015ء کو آنے والے زلزلہ کے دوران ہو چکا ہے۔ باقی صرف اللہ کا نام رہے گا یا پھر اچھے اعمال..... آہستہ آہستہ اندھیرے کم ہوتے جا رہے ہیں۔ اسرار احمد نے بتایا تھا کہ دو کیلاشی لڑکیاں ہیں ان کے والد نے دوسری شادی کی ہے۔ بوڑھے، دادا، دادی کے ساتھ رہتی ہیں۔ ان لڑکیوں کی مالی مدد کی۔ اسرار احمد سے کہا کہ ان شاء اللہ ان کی مستقل خدمت جاری رہے گی۔ ایک کیلاشی بیوہ خاتون کو ریلیف اشیاء کے ساتھ کیش بھی پیش کیا۔ فجر کی نماز باجماعت ادا کی۔ اسرار احمد کی تلاوت نے سماں باندھ دیا۔ اگر چہ صبح کے پانچ بج چکے ہیں مگر چال میلہ ابھی تک جاری ہے۔ ڈھول بجنے کی آوازیں آ رہی ہیں لیکن وقت گذرنے کے ساتھ مدھم ہوتی جا رہی ہیں۔

رنگین مگر برباد بستیوں کی داستان الم:

''فارن ٹورسٹ اِن ہوٹل'' سے فجر کی نماز کے فوراً بعد نکلے۔ ابھی صبح کا اندھیرا باقی تھا۔ سورج پہاڑوں کی اوٹ سے نکلنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اور چال میلہ سے ڈھولوں کی تھاپ بھی مدھم ہو چکی تھی۔ ہوٹل سے نکل کر زندگی نے کیلاش ویلی کی تباہ و برباد ہونے والی بستیوں کی داستان سنائی۔ جہاں رونقیں تھیں۔ رقص و سرور اور راگ و رنگ کی محفلیں ہوتی تھیں۔ پاکستان اور دنیا بھر سے آئے ہوئے سیاحوں کے قہقہے گونجتے تھے۔ کیلاشی عورتوں اور لڑکیوں کو دیکھنے کے لیے سیاح جوق در جوق آتے تھے وہاں اب اداسی تھی، تباہی تھی، بربادی تھی۔ جہاں گھر، مکانات، دکانیں، ہوٹل، موٹل، گیسٹ ہاؤس، مارکیٹ، میوزیم اور بازار تھے۔ وہاں اب ہر طرف پتھر ہی پتھر تھے۔ گویا وادیٔ کیلاش وادیٔ پتھر میں تبدیل ہو چکی ہے۔ PTDC موٹل کے بڑے چرچے سنے تھے مگر اب وہ تباہی و بربادی کی تصویر بنا تھا۔ کیلاشی میوزیم بننے سے پہلے ہی تباہ و برباد ہو گیا۔ بے نظیر ہوٹل کا نام و نشان باقی نہ تھا۔ الیگزینڈر یا ہوٹل میں غیر ملکی سیاح رہنا پسند کرتے تھے۔ اس کا نام و نشان بھی باقی نہ رہا۔ اس جگہ بھوتوں اور پتھروں کا بسیرا تھا۔ کیلاشی مست لوگ ہیں۔ تباہی اور بربادی کے باوجود موج و مستی کے کسی موقع کو جانے نہیں دیتے۔ آدھی رات سے لے کر صبح تک ڈھول کی تھاپ پر رقص اور پتہ نہیں کیا کیا کرتے رہے۔ راستے میں اِکا دُکا کیلاشی لڑکیاں ساری رات ناچنے گانے کے باوجود تیزی سے بھاگتی پھدکتی اپنے اپنے گھروں کی طرف لوٹ رہی تھیں۔ واپسی کا سفر ہمیشہ آسان ہوتا ہے۔ اب چلنے میں کوئی خاص مشکل پیش نہ آ رہی تھی۔ زندگی کی کنٹری جاری تھی۔ کھیت بھی گئے کھلیان بھی باغات بھی۔ آلو، چاول، گندم کی کھڑی فصلیں برباد ہو گئیں۔ اخروٹ کے بڑے بڑے قد آور درخت خس و خاشاک کی طرح گر کر پانی کے ریلے میں بہہ گئے۔

وادیٔ کیلاش میں مسجد کی تعمیر:

وادیٔ کیلاش کا یہ سفر جہاں کیلاش کے سیلاب سے متاثرہ افراد کی خدمت کے لیے کیا تھا وہاں یہ بھی ارادہ کر رکھا تھا کہ یہاں جو مساجد شہید ہوئی ہیں انہیں از سر نو بنائیں گے۔ زندگی نے پہلے سے انتظام کیا ہوا تھا۔ صبح سویرے لوگ اکٹھے ہو گئے تھے۔ پہلی مسجد اور مدرسہ سیلاب کی نذر ہو گئے۔ مسجد کی پرانی جگہ دریائے بمبوریت رواں دواں ہے۔ مکئی کی فصل کے کھیت کے مالک نے اپنی زمین مسجد کے لیے عطیہ دے دی تھی۔ مقامی لوگ آ گئے۔ تھوڑی سی جگہ کھود کر مسجد کی بنیاد کے لیے پہلا پتھر رکھا اور ساتھ ہی اللہ کا شکر ادا کیا جس نے اتنی دور دراز آ کر خدمت اور علاج کرنے کے ساتھ اپنا گھر بنوانے کی توفیق بھی دی۔ ان شاء اللہ وادیٔ کیلاش میں یہ مسجد دین کا مرکز بنے گی۔ یہاں سے ہدایت کی ہوائیں چلیں گی۔ کافرستان کی فضاؤں میں اللہ اکبر کی صداؤں

سے لوگوں کی زندگیوں میں انقلاب آئے گا اور وہ اسلام کی دولت سے مالا مال ہونگے۔ ابھی چلنے میں کوئی خاصی دشواری نہ ہورہی تھی۔ اونچے نیچے اور کٹے پھٹے راستے تھے۔ پانی نے راستوں کو ملیامیٹ کر دیا۔ زمین جگہ جگہ سے پھٹی ہوئی تھی۔ ہر طرف چھوٹے بڑے ہزاروں کی تعداد میں پتھر تھے جو سیلابی پانی کے ساتھ آئے اور ہر چیز کو بہا کر لے گئے۔ زندگی کے گھر میں پرتکلف ناشتہ لگا ہوا تھا۔ مکئی کی روٹی، مکھن، ملائی، انڈے غرضیکہ ناشتہ کا مزا آ گیا۔ زندگی کے والد الف بیگ بتانے لگے کہ ہم صدیوں سے اس علاقے میں رہ رہے ہیں اور آنے جانے والے مسافروں اور سیاحوں کی بھرپور خدمت کرتے ہیں۔ آج سے 30، 40 سال پہلے جب یہاں کوئی ہوٹل تھا نہ گیسٹ ہاؤس، سیر کرنے والے سیاح ہمارے ہاں ٹھہرتے۔ آرام کرتے، ناشتہ اور کھانا کھاتے، یہ سلسلہ زندگی نے جاری رکھا ہوا ہے۔ وہ مسلمانوں اور کیلاشیوں میں یکساں مقبول ہے۔ جہاں سے گذرتا ہے۔ مرد و خواتین اُسے جھک کر سلام کرتے ہیں۔ کیوں نہ کریں وہ بھی صبح سے شام تک لوگوں کی خدمت میں مصروف رہتا ہے۔ راستے میں ''بی بی کا'' کے بارے میں بتایا کہ یہاں سو سال کی اماں اور 115 سال کا بوڑھا غلام محمد رہتے ہیں۔ وہ بیمار ہیں ان کی خدمت کریں۔ بابا کو السلام علیکم کہا تو اس نے بڑی محبت سے وعلیکم السلام کہا۔ بابا اور بی بی کو چیک کیا، دوائیں دیں، کیش بھی دیا۔ بابا کے بیٹے اختر نے اپنے مکان کی مرمت کے لیے مدد طلب کی، اس کو بھی کیش دیا۔ ''بی بی کا'' نے اپنے گھر میں لگے ہوئے سیبوں کا تحفہ پیش کیا۔ تازہ، رس بھرے سیب اتنے میٹھے اور خوش ذائقہ تھے کہ کھا کر مزا آ گیا۔

راستے میں جا رہے تھے کہ مولوی شیر جہاں اپنی فیملی کے ساتھ جاتا نظر آیا۔ زندگی نے بتایا کہ اس کا گھر تباہ ہوا ہے۔ اس کی ساری فیملی کھلے آسمان تلے بیٹھی ہے۔ شیر جہاں کو کیش دیا تو وہ اس نعمت غیر مترقبہ کو پا کر پھولا نہ سمایا۔ آسمان والے کی طرف دیکھ کر پہلے اس کا اور پھر ہمارا شکریہ ادا کیا۔ چلتے چلتے سانس پھول گیا۔ ٹانگیں درد کرنے لگیں۔ زندگی نے ایک دفعہ پھر ہمارے لیے سواری کا بندوبست کیا۔ گدھے کی سواری پھر کرنا پڑی۔ یہ گدھا زیادہ تربیت یافتہ تھا۔ دوسرے اس پہ مچان بھی بنی ہوئی تھی۔ اس کے علاوہ گدھا سواری کا پہلے سے تجربہ بھی ہو چکا تھا۔

دوباش چیک پوسٹ، باشالینی:

خوبصورت وادیوں اور بلند پہاڑوں کے بیچ میں سے گذرتے ہوئے خراماں خراماں آگے بڑھتے رہے۔ دوباش کی پولیس چیک پوسٹ پر کچھ ساتھی پہلے ہی پہنچ چکے تھے۔ اسلم مروت بستر پر دراز تھے۔ پولیس کے اہلکار اور دوسرے لوگ ڈاکٹر کے بارے میں سن کر آ گئے اور یوں یہاں ہمارا مفت میڈیکل کیمپ شروع

ہوگیا۔ چیک پوسٹ کا صوبیدار عبدالکبیر شاہ بڑا دلچسپ کردار ہے۔ 37 سال پولیس سروس میں گزار چکا ہے۔ ترقی نہ ملنے پر نالاں تھا اور شکایت کر رہا تھا کہ میری بیوی طعنے دیتی ہے کہ تمہاری پروموشن کیوں نہ ہوئی۔ اس کا جواب اس کا محکمہ ہی دے سکتا ہے۔ شاید یہ تحریر چھپنے کے بعد اس کو ترقی مل جائے۔ بابا گرم گرم قہوہ لے آیا جسے پی کر سفر کی تھکان دور ہوگئی۔ FWO کے بہادر اور جری جوان سڑک کو دوبارہ بنانے پر لگے ہوئے تھے۔ دوباش تک سڑک تقریباً بحال ہو چکی تھی۔ لیکن گاڑی کا راستہ آگے تک نہ تھا اس لیے زندگی نے یہاں ایک اور سواری یعنی موٹر سائیکل کا بندوبست کر رکھا تھا۔ مشکل ترین سڑک پر موٹر سائیکل کی سواری بھی خطرناک تھی لیکن زندگی کے دوست نے بڑی مہارت سے پہاڑوں کے بیچ میں موٹر سائیکل چلائی۔ راستے میں منہ کھولے پہاڑ نظر آتے ہیں۔ سڑک جگہ جگہ سے کٹی پھٹی ہے۔ ذرا سی لغزش نیچے پہنچا سکتی ہے اور نیچے نوکیلے پتھر اور گہری کھائیاں، ہڈیاں بھی چکنا چور ہو جائیں گی۔ راستے میں زندگی نے ایک ایسے سنٹر کی جگہ دکھائی جسے ''باشالینی'' کہتے ہیں۔ یہ سنٹر بھی دریا برد ہو چکا ہے۔ اس کے ساتھ ایک اور بڑی عمارت لاکھوں روپے کی لاگت سے بنی تھی وہ بھی سیلاب کی نذر ہوگئی۔ کیلاشی لوگوں کا اپنا کلچر اور اپنی روایتیں ہیں۔ ''باشالینی'' سنٹر میں لڑکیوں اور عورتوں کو ایام ماہواری کے دوران بھیج دیا جاتا ہے کیونکہ ان کے خیال میں عورتیں اس دوران ناپاک ہو جاتی ہیں اور وہ کسی کام کے قابل نہیں رہتیں۔ اگرچہ پاکی اور ناپاکی کا تصور کیلاشوں میں ہے ہی نہیں۔ ان کے کلچر میں نہانا بھی منع ہے۔ عورتوں کو زچگی کے دوران بھی باشالینی سنٹر بھیج دیا جاتا ہے اور بچہ پیدا ہونے کے بعد دس دن تک وہاں رکھا جاتا ہے۔ ان کے لیے کھانا سنٹر میں بھیج دیا جاتا ہے۔ زندگی کی اپنے علاقے کے بارے میں حیرت انگیز معلومات ہیں۔ اس نے راستے میں ایک بہت بڑا پتھر دکھایا جسے ''لشٹ لوخت'' یعنی ہموار پتھر کہتے ہیں اس کے ساتھ ہی 250 سال پہلے کا ایک لمبا سا پتھروں کا ایک یادگاری مینار (Monument) بنا ہوا تھا جو اس بات کی نشاندہی کرتا تھا کہ یہاں سے کھیتوں کو سیراب کرنے کے لیے Irrigation Channel بنایا گیا تھا۔

زندگی کی پذیرائی:

اسرار احمد عرف زندگی کو راستے میں آتی جاتی ہر عورت اور مرد سلام کر رہے تھے اور حال احوال پوچھ رہے تھے۔ کیلاشی لڑکیاں بھی زندگی کو دیکھ کر مسکرا کر ہاتھ ملاتیں اور کورنش بجا لاتی تھیں۔ اس وادی کا ہر شخص زندگی سے پیار کرتا ہے کیونکہ زندگی سب کے کام آتا ہے۔ راستے میں پھر کٹی ہوئی سڑک آ گئی۔ موٹر سائیکل سے اتر کر پیدل چلنا پڑا۔ کٹے پھٹے، مہیب، خطرناک منہ کھولے، نوکیلے پہاڑوں کے درمیان کٹی پھٹی تنگ سڑک سے گذرنا بہت ہی خطرناک اور مشکل لگ رہا تھا۔ ایسے گمان ہوتا تھا کہ یہاں جلد ہی لینڈ سلائیڈنگ شروع ہو

جائے گی اور ہم پتھروں میں دب جائیں گے۔ FWO کے جری جوان کرینوں اور بلڈوزوں کی مدد سے نئی سڑک بنانے میں مصروف تھے۔تھوڑی دیر پیدل چل کر کل والا ڈرائیور اور اس کی گاڑی نظر آئی تو جان میں جان آئی۔ اللہ کا شکر ادا کیا جس نے زندگی کا مشکل ترین، جاں گسل، پرخطر سفر کامیابی سے طے کرا کے آفت زدہ علاقے میں اپنے بندوں کی خدمت کرنے کی توفیق دی۔

لاہور، کیلاش ہیلتھ سنٹر:

وادیٔ کیلاش کے خوبصورت اور پیارے لوگوں کو علاج معالجہ کی مستقل سہولتیں فراہم کرنے کے لیے بمبوریت کی خوبصورت وادی میں کسٹمز ہیلتھ کیئر سوسائٹی کی طرف سے ایک لاہور، کیلاش ہیلتھ کیئر کلینک قائم کر دیا گیا ہے۔اس کا انچارج حضرت گل کو بنایا گیا ہے۔کیلاش گرل حضرت گل بڑی محبت اور پیار سے روزانہ شام کو کلینک میں بیٹھتی ہے اور مریضوں کا معائنہ کرتی ہے۔ روزانہ 30-40 مریضوں کا علاج ہو رہا ہے۔ چند ہفتے پہلے وادیٔ کیلاش میں ایک نوجوان لڑکا درخت سے گر کر زخمی ہوا۔ سر پھٹ گیا۔خون بند نہیں ہو رہا تھا۔حضرت گل کے پاس آیا تو اس نے سب سے پہلے خون بند کیا، پھر زخم صاف کر کے سر پہ ٹانکے لگائے۔ اس سے ہمارے کلینک کی شہرت پوری کیلاش وادی میں پھیل گئی ہے۔پچھلی وزٹ میں وعدہ کیا تھا کہ جلد ہی وادیٔ کیلاش میں اپنا گھر ہاؤسنگ پراجیکٹ شروع کیا جائے گا۔ اس وقت کسٹمز ہیلتھ کیئر سوسائٹی کی تعمیراتی ٹیم وادیٔ کیلاش میں موجود ہے۔سیلاب زدہ افراد کے گھروں کی تعمیر شروع کر دی گئی ہے۔سیلاب سے پہلے وادی بمبوریت میں تین مساجد تھیں۔سیلاب اور پانی نے تینوں کو شہید کر دیا۔ساتھیوں کے تعاون سے بڑی مسجد کی تعمیر شروع کر دی گئی ہے۔ بمبوریت کے اسرار احمد عرف زندگی اب ہماری ٹیم کا حصہ ہیں اور وہ شفقت کے ساتھ مل کر اسلم مروت اور اشفاق کی زیرنگرانی ''اپنا گھر ہاؤسنگ پراجیکٹ'' اور مسجد کی تعمیر میں مشغول ہیں۔آخری اطلاعات آنے تک 5 گھر مکمل ہو چکے ہیں۔جن میں متاثرہ خاندان منتقل ہو چکے ہیں۔مسجد کی تعمیر کا کام بھی تیزی سے جاری ہے۔اس کی چھت جلد ڈال دی جائے گی۔پچھلی دفعہ عیدالاضحیٰ کی نماز بھی اس مسجد میں ادا کی گئی۔

کسٹمز ہیلتھ کیئر سوسائٹی کی ٹیم نے یوم دفاع پاکستان بھی کیلاشی بچوں کے ساتھ منایا۔اس کے لیے 6 ستمبر کے لوگو والی سپیشل شرٹس لاہور سے بھجوائی گئیں۔غرضیکہ وادیٔ کیلاش کی خوبصورت فضاؤں اور ٹھنڈی ہواؤں میں خوشیاں بانٹنے کا سلسلہ زوروشور سے جاری ہے۔

متاثرین کے ساتھ عید اور چترال میں ''اپنا گھر ہاؤسنگ پراجیکٹ''

وادیٔ کیلاش بمبوریت میں میلے کا منظر تھا۔ سیلاب سے پہلے اس علاقے میں تین مساجد تھیں۔ سیلاب آیا۔ تباہی اور بربادی ساتھ لایا۔ بڑے بڑے پتھروں کی بارش ہوئی۔ تینوں مساجد شہید ہوگئیں۔ بڑی مسجد میں ہر سال عید کی نمازیں ہوتی تھیں۔ بوڑھا نور دین بہت پریشان تھا۔ اس سال عید الاضحیٰ کی نماز کہاں پڑھیں گے۔ وادیٔ ایون جانے کی ہمت نہ تھی۔ اللہ نے کسٹمز ہیلتھ کیئر سوسائٹی کی ٹیموں کو توفیق بخشی کہ سیلاب کے فوراً بعد سوسائٹی کی ٹیمیں چترال کے سیلاب زدہ علاقوں میں آ کر مصروفِ عمل ہوگئیں۔ سیلاب زدہ لوگوں کو ریسکیو کیا۔ ریلیف کے کام میں بھرپور حصہ لیا۔ اگست کے آخری ہفتے میں سینکڑوں میل کا سفر کر کے کئی گھنٹے پیدل چل کر بمبوریت پہنچے تھے اور اس وقت یہ طے کر لیا تھا کہ سیلاب زدگان کی بحالی کے کام میں بھرپور حصہ لیا جائے گا۔ ان کے لیے گھر بھی بنائے جائیں گے اور مسجد بھی۔ بمبوریت میں مسلمانوں کے کئی وفود ملے تھے اور انہوں نے مسجد کی گذارش کی تھی۔ اسرار الحق عرف زندگی نے بمبوریت کے مقامی باشندے اور اجمل النساء سے بات کر کے نئی مسجد کے لیے جگہ کا تعین کر لیا تھا۔ دشوار گذار راستوں پر لاکھوں روپے کی ریلیف اشیاء اور کیش تقسیم کیا میلوں پیدل چل کر ریلیف اشیاء پہنچائیں۔ بمبوریت کی اجمل النساء نے مسجد کے لیے زمین عطیہ کرنے کی حامی بھر لی تھی۔ سیلاب نے دریائے بمبوریت کا رخ تبدیل کر دیا۔ نہ صرف مسجد شہید ہوگئی بلکہ اس کی زمین بھی دریا بُرد ہوگئی۔ کیلاش سے واپسی پر اسی جگہ کھدائی کر کے وہاں سے پتھر لے کر سنگ بنیاد تو رکھ دیا تھا مگر اندازہ نہیں تھا کہ مسجد کب اور کیسے بنے گی؟ کیسے دور دراز کا علاقہ اور پھر فنڈز۔ واپسی ہوئی تو دوستوں نے حسب سابق مایوس نہیں کیا۔ ڈاکٹر مقصود اور ڈاکٹر جنید اصغر نے مسجد اور گھروں کے لیے فنڈز فراہم کر دیئے۔ ستمبر کے آغاز میں چترال کی خوبصورت وادیوں میں کسٹمز ہیلتھ کیئر سوسائٹی کی طرف سے اپنا گھر ہاؤسنگ پراجیکٹ کا آغاز ہوگیا۔ اس سے پہلے اللہ کے فضل اور دوستوں کے تعاون سے ملک کے طول و عرض میں سیلاب زدہ اور زلزلہ زدہ علاقوں میں سینکڑوں گھر تعمیر کروا کر دیئے جن میں ہزاروں مکین خوش و خرم زندگی گذار رہے ہیں۔

لاہور سے زندگی کی معاونت کے لیے شفقت کو بھیجا۔ دونوں نے بڑی محنت اور ہمت کر کے مقامی ساتھیوں کو ساتھ ملا کر مسجد اور گھروں کی تعمیر شروع کر دی اور عیدالاضحیٰ تک مسجد کو اس قابل بنا دیا کہ اس میں عیدالاضحیٰ کی نماز ہو سکے۔ بمبوریت کے سب مسلمانوں نے سینکڑوں کی تعداد عید کے روز اس مسجد میں نماز ادا کی۔ نوردین کی مراد بر آئی اس نے عیدالاضحیٰ کی نماز مسجد میں ادا کی اور مسجد بنانے والوں اور اس کارِ خیر میں حصہ لینے والوں کے لیے دعا کی۔ اللہ کے فضل سے گذشتہ کئی سال سے کسٹمز ہیلتھ کیئر سوسائٹی کے ساتھی متاثرین زلزلہ، سیلاب یا تھر کے قحط زدہ افراد کے ساتھ عید مناتے ہیں۔ ان علاقوں میں قربانی کی جاتی ہے اور قربانی کا گوشت بلاتخصیص رنگ و نسل و مذہب غریب متاثرین تقسیم کیا جاتا ہے۔ پچھلے سال بھی پنجاب کے سیلاب زدہ عوام اور شمالی وزیرستان کے متاثرین کے ساتھ عید منائی تھی۔ اس دفعہ بھی شمالی وزیرستان کے متاثرین کے ساتھ عید منانے کے لیے سوسائٹی کی ٹیمیں بنوں پہنچیں۔ عید کی نماز کے بعد اللہ کی راہ میں جانوروں کی قربانی کی گئی اور متاثرین میں گوشت تقسیم کیا گیا۔ شمالی وزیرستان کی شہزادی حرا بھی وہاں موجود تھی۔ بات کر کے گلہ کر رہی تھی کہ میں آپ کا انتظار کرتی رہی آپ کیوں نہیں آئے۔ چترال میں ہمارے نمائندے زندگی نے نئی مسجد میں نماز پڑھنے کے بعد فوراً سوسائٹی کے طرف سے لیے گئے جانور ذبح کیے اور اس کا گوشت بلاتخصیص رنگ و نسل و مذہب تمام کیلاشی گھرانوں میں تقسیم کیا۔ اس کے علاوہ گذشتہ ماہ میں وادیٔ کیلاش میں کسٹمز ہیلتھ کیئر سوسائٹی سے لاہور کیلاشی ہیلتھ سنٹر کے نام سے ڈسپنسری کا قیام بھی عمل میں لایا گیا ہے۔ جس کی انچارج مقامی LHV حضرت گل کو بنایا گیا ہے۔ حضرت گل بہت خوش ہے کہ اسے سرکاری ملازمت کے ساتھ اپنے لوگوں کی خدمت کا موقع مل گیا ہے۔ وہ روزانہ صبح 12 بجے سے 4 بجے تک لاہور کیلاش کلینک میں بیٹھتی ہے۔ مریضوں کو چیک کرتی ہے۔ اکثر کیلاشی لوگوں نے اس سے پہلے لاہور کا نام نہیں سنا تھا۔ حضرت گل کو بھی لاہور دیکھنے کا بہت شوق ہے۔ سندھ میں گل دراز اور سکھیا نے تھر کے دور دراز گوٹھوں میں جا کر قربانی کا گوشت تقسیم کیا۔ گل دراز کو خاص ہدایت دی تھی کہ ہندوؤں کے گوٹھوں میں جا کر زیادہ سے زیادہ گوشت تقسیم کیا جائے۔ اٹھارہ ہزاری میں پچھلے سال پچاس سے زائد گھر اور مسجد بنائی تھی۔ اس سال شفقت کے ساتھ مل کر مسجد کے خطیب اور اٹھارہ ہزاری میں ہمارے سکول کے انچارج قاری امان اللہ نے مل کر قربانی کا اہتمام کیا اور سارے لوگوں میں گوشت تقسیم کیا۔ ڈیرہ مراد جمالی بلوچستان کی تحصیل گنڈاخا کے نور محمد جمالی کے ساتھ کئی سال سے رابطہ ہے۔ ان کے پاس بھی قربانی کے لیے رقم بھیجی۔ انہوں نے عیدالاضحیٰ کے پہلے روز دو جانور ذبح کروائے اور گوشت متاثرین میں تقسیم کیا۔ کراچی کے علی اصغر کے ذمے تھا کہ وہ

کراچی کے غریب علاقوں میں جانور ذبح کروا کے گوشت تقسیم کریں۔ عبدالرحمٰن اور خالد مسعود نے بابو صابو کے علاقے میں قربانی کروا کے وہاں کے مکینوں اور جھگی نشینوں میں گوشت تقسیم کیا۔ اس دفعہ قربانی کے لیے ملک بھر سے دوستوں نے تعاون کیا۔ سید محبوب علی شاہ اور اعجاز سکا نے عطیات دیئے۔ ڈاکٹر جنید اصغر نے سعودی عرب سے رقم بھجوائی۔ اسلامک سنٹر کی آپا مدنی نے بھی رقم بھجوائی۔ اس کے علاوہ چوہدری امین اور کئی دوسرے حضرات نے عطیات بھجوائے۔ اللہ ان سب کی قربانی قبول فرمائے۔

وادیٔ کیلاش کی مسجد کے لیے غیبی مدد

وادیٔ کیلاش میں متاثرین کے گھروں کی تعمیر کے ساتھ خوب صورت مسجد کی تعمیر بھی جاری ہے۔ مسجد کی دیواریں بن چکی ہیں۔ فرش بھی تیار ہے۔ دروازے کھڑکیاں بھی لگ چکی ہیں۔ زندگی کے بار بار فون آ رہے تھے کہ سر جلدی کریں، برف باری شروع ہونے سے پہلے مسجد کی چھت بن جائے ورنہ بڑی مشکل ہو جائے گی۔ زندگی اور شفقت نے مسجد کو بڑی خوبصورتی سے بنوایا اور امین الدین کی بیوی نے اس کے لیے بڑی فراخ دلی سے زمین دی۔ مسجد کے ساتھ ایک ڈسپنسری بھی بنوائی ہے اور ساتھ مدرسے کے لیے جگہ بھی مختص کی ہے۔ مسجد کی تعمیر کے لیے سب سے پہلے شارجہ کے فضل الرحمٰن نے عطیہ دیا تھا اس کے علاوہ بہت سے دوسرے مخیّر ساتھیوں نے بھی تعاون کیا تھا لیکن وسیع وعریض ہونے کی وجہ سے مسجد پہ ہماری توقع سے زیادہ خرچ آ رہا تھا۔ مسجد کی تعمیر میں صدقہ اور زکوٰۃ کی رقم تو استعمال نہیں کی جا سکتی، اس لیے انتظار تھا کہ کہیں سے غیبی مدد آ جائے۔ اللہ سے دعا کی۔ اللہ نے فوراً سن لی۔ شارجہ کے فضل الرحمٰن سے عقیدت اور محبت کا رشتہ ہے اور ان کے مرحوم بھائی عزیز الرحمٰن گذشتہ کئی برسوں سے ہمارے ساتھ بڑھ چڑھ کر تعاون کرتے رہے ہیں۔ شروع میں بھی فضل الرحمٰن صاحب نے مسجد کی تعمیر کے لیے رقم مہیا کی تھی۔ دو دن پہلے ان کا فون آیا اور پھر وہ خود پہنچ گئے۔ حال احوال پوچھا وادیٔ کیلاش کی مسجد کے بارے میں پوچھا، بتلایا تو کہنے لگے کہ میں گذشتہ دو مہینے سے آپ کی امانت جیب میں لیے پھر رہا ہوں۔ جیب سے ڈالروں سے بھرا لفافہ نکال کے دیا جو جیب میں پڑے پڑے بوسیدہ ہو چکا تھا۔ گنا تو اتنی ہی رقم نکلی جتنی مسجد کی چھت کے لیے ضرورت تھی۔ واقعی بندہ اللہ پر یقین کر لے تو اللہ بندے کے سارے کام بنا دیتے ہیں۔ خدمت اور علاج کے کام میں اکثر اس بات کا مشاہدہ کیا کہ جب بھی کسی چیز کی کمی ہوئی اور فوری ضرورت پیش آئی۔ اللہ سے درخواست کی جو فوراً قبول ہو گئی اور اللہ نے اپنے کسی نہ کسی بندے کی ڈیوٹی لگا دی کہ جاؤ اور فلاں کام میں جا کر حصہ ڈالو۔ اب ان شاء اللہ وادیٔ کیلاش میں اللہ کے گھر کی جلد تکمیل ہو جائے گی اور بمبوریت کے مکین آرام اور سکون کے ساتھ خوب صورت مسجد میں اللہ کے سامنے جھک سکیں گے۔

دوسرا حصہ

آواران، بلوچستان اور پاکستان

24 ستمبر 2013ء: آواران کا زلزلہ

یہ میرا کئی بار کا خوش گوار تجربہ ہے کہ اگر میرے لوگوں کو یہ علم ہو جائے کہ ان کی دی ہوئی رقم صحیح جگہ خرچ ہوگی یا واقعی مستحقین تک پہنچے گی تو وہ مقدور بھر ایثار و قربانی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ میں نے ڈاکٹر آصف محمود جاہ کے خدمتِ خلق کے جنون کا ذکر کیا کہ وہ کس طرح آفت زدہ بھائیوں کی مدد کے لیے ہمہ وقت کمر بستہ رہتے ہیں۔ بلوچستان کا ضلع آواران زلزلہ سے متاثر ہوا تو میری توقع کے مطابق وہ سب سے پہلے امدادی سامان بالخصوص ادویات اور پیرا میڈیکل سٹاف لے کر وہاں پہنچ گئے۔ ان سے رابطہ کے لیے میں نے ان کا فون نمبر بھی دیا تھا اور یہ میرے لیے مسرت کا باعث ہے کہ توفیق رکھنے والے افراد نے ان سے رابطہ کیا اور ڈاکٹر صاحب امدادی سامان کا ایک ٹرک لے کر دوبارہ ان علاقوں میں پہنچ گئے ہیں۔ مجھے دلی مسرت یہ جان کر ہوئی ڈاکٹر صاحب نے بتایا کہ مقامی متاثرہ لوگوں نے اس بات پر خوشی کا اظہار کیا کہ پنجابی بھائیوں نے ان کی پریشانی کا احساس کیا ہے۔ حکمرانوں اور سیاسی جماعتوں کی پالیسیاں مصلحتوں کا شکار ہوتی ہیں۔ عوام ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک ہو کر باہمی اخوت و محبت کی شمع روشن کریں۔ مسلمانوں کی تو زندگی کا مقصد ہی توشۂ آخرت جمع کرنا ہے۔ اس شعر میں مسلمانوں کو اسی جانب متوجہ کیا گیا ہے:

کرو مہربانی تم اہلِ زمیں پر
خدا مہرباں ہوگا عرشِ بریں پر

(اسرار بخاری، روزنامہ نوائے وقت)

عافیہ کی گڑیا کو گھر مل گیا

بابا میری گڑیا کو بچالو!
میری گڑیا مر رہی ہے!
میری گڑیا کو سردی لگ رہی ہے!
بابا میرے پیارے بابا!
میری گڑیا!
جب سے زلزلہ آیا عافیہ روزانہ رات کو اٹھتی ہے اور فریاد کرتی ہے۔

24 ستمبر کو آواران میں آنے والے زلزلے کے بعد ہزاروں گھر خاک میں مل گئے۔ سینکڑوں لوگ لقمہ اجل بنے۔ پل بھر میں خوشیوں والے گھر ماتم کدے بن گئے۔ خاک اور مٹی کے ڈھیر میں کئی سہانے خواب بکھر گئے۔ مالار، گشکور، ڈنڈور، مشکے، نیو مالار اور ملحقہ علاقوں میں تباہی اور بربادی کی داستانیں زبان زد عام ہیں۔ زلزلے کو اگرچہ چار ماہ سے زیادہ کا عرصہ گزر چکا لیکن ابھی تک زخم ہرے ہیں۔ ہزاروں متاثرین کھلے آسمان تلے یا ٹینٹوں میں مقیم ہیں۔ ٹینٹ بھی پرانے اور بوسیدہ ہو چکے ہیں۔ گرم اور سرد ہواؤں کے تھپیڑے کھا کر ان کی حالت چیتھڑوں جیسی ہو چکی ہے۔ زلزلے کے شروع میں ملک کے بیشتر حصوں سے خاصی امداد آئی۔ زیادہ تر اسلامی ذہن رکھنے والی غیر سرکاری تنظیمیں ادھر امدادی سامان کے ساتھ آئیں۔ وزیر اعلیٰ پنجاب اور وزیر اعلیٰ سندھ بھی اپنی ٹیموں کے ساتھ آئے۔ پنجاب سے کئی سو ٹرک آئے اور امدادی ٹیموں نے بنفس نفیس آواران پہنچ کر بلوچ بہن بھائیوں کی اشک شوئی کی۔ ان کے زخموں پر مرہم رکھا۔ سیکیورٹی خدشات کی بنا پر غیر ملکی NGO's نے ادھر کا رخ کرنا مناسب نہ سمجھا۔ میڈیا نے بھی ادھر کا کم ہی رخ کیا۔ ایک تو دور دراز کا بیابان علاقہ تھا، جاں جوکھوں کا سفر اور بے بہا سیکیورٹی خدشات..... دوسرے جہاں گلمیر اور چکا چوند نہ ہو میڈیا ایسی جگہوں کا کم ہی رخ کرتا ہے۔ زلزلے کے بعد ایک مہینے تک امدادی اشیاء کی ترسیل جاری رہی۔ اس دوران اللہ کی توفیق اور مخیّر دوستوں کے تعاون زلزلے کے فوراً بعد کسٹمز ہیلتھ کیئر سوسائٹی کی امدادی ٹیمیں نامساعد حالات کے باوجود ہزاروں میل کا سفر کر کے آواران پہنچیں۔ سب سے پہلے مالار اور اس کے نواحی

علاقوں میں کسٹمز ہیلتھ کیئر سوسائٹی کی طرف سے خیمہ بستی قائم کی گئی۔ اکتوبر کے دوسرے ہفتے میں ہماری ٹیم راقم کی قیادت میں آواران پہنچی۔ حالات کا جائزہ لیا۔ مالار کے زلزلہ زدہ علاقوں میں پہنچ کر متاثرین کے پاس جا کر میڈیکل کیمپ لگائے۔ ان کے دکھ درد سنے۔ ان کے دکھوں کا مداوا کیا۔ لوگوں کو تو ونٹر پیکیج کا خیال بہت دیر بعد آیا۔ الحمدللہ! ہماری طرف سے گرم کپڑوں کی کھیپ اور کاوش ویلفیئر ٹرسٹ کی جانب سے دیدہ زیب اور خوبصورت رضائیاں سب سے پہلے آواران اور مشکے کے زلزلہ زدوں علاقوں میں پہنچائی گئیں۔ ہر طرح کی امدادی اشیاء بشمول اشیاء نئے کپڑے جیکٹیں، خیمے، مچھر دانیاں کھانے پینے کی اشیا اور ادویات وقتاً فوقتاً آواران پہنچائی جاتی رہیں۔ ہم نے اہل پنجاب کی طرف سے محبت، اخوت، ہمدردی اور یگانگت کا پیغام پہنچایا۔ اہل آواران نے ہمیں اور ہماری ٹیم کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔ جی بھر کے مہمان نوازی کی۔ اپنی کسمپرسی، لاچاری اور بے بسی کے باوجود ہمارے لیے کھانے پینے کا اہتمام کرتے رہے۔ ذرا بھی کسی نے بدتمیزی نہ کی۔ لوگ ڈراتے تھے کہ سیکورٹی فورسز پہ حملے ہو رہے ہیں۔ اغوا برائے تاوان اور قتل ہو رہے ہیں۔ علیحدگی پسند قوتیں برسر پیکار ہیں۔ اللہ کے سہارے پہ اور مقامی دوستوں اور زلزلہ زدگان کے بے مثال تعاون کے باعث ہم اپنے کام میں لگے رہے اور الحمدللہ پچھلے چار ماہ سے لگے ہوئے ہیں۔ گھر بنا رہے ہیں بستیاں بسا رہے ہیں۔ پیار اور محبت کے دیئے جلا رہے ہیں جن کی روشنی چار سُو پھیل رہی ہے۔ ایک دن کیمپ کے دوران عافیہ کا ابا ملا۔ روتے روتے کہنے لگا۔ عافیہ سوتے سوتے ڈر جاتی ہے، اٹھ جاتی ہے، چیخیں مارتی ہے۔ ہذیانی کیفیت ہو جاتی ہے۔ چیخیں مار کر کہتی ہے۔

بابا میری گڑیا کو بچا لو
میری گڑیا مر جائے گی
میری گڑیا ملبے میں نہ دب جائے!
میری گڑیا کو سردی لگ رہی ہے!
میرے بابا..... میری گڑیا۔

بابا تسلی دیتے ہیں، ساتھ لٹاتے ہیں، سوتی ہے پھر اٹھ جاتی ہے۔ عافیہ کے علاوہ بھی زلزلہ زدہ علاقوں میں بچوں اور عورتوں کا برا حال ہے۔ نفسیاتی مسائل اور الجھنیں ہیں۔ بھوک اور افلاس پہلے سے تھی۔ زلزلے نے رہی سہی کسر پوری کر دی۔ نفسیاتی مسائل اور محرومیوں میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔ وجہ صاف ظاہر ہے۔ اتنی تباہی و بربادی کے باوجود ابھی تک بہت کم لوگ انھیں پُرسا دینے آئے ہیں۔ عافیہ کے بابا سے اکتوبر میں وعدہ کیا تھا کہ اس کا گھر ضرور بنے گا اور اب کچا نہیں پکا گھر بنے گا۔ جہاں عافیہ اپنے والدین بہن بھائیوں اور

اپنی گڑیا کے ساتھ خوشی خوشی رہے گی۔ اب زلزلے سے گھر گرنے کا کوئی خدشہ نہ ہوگا۔ عافیہ کے ابا کی تو تسلی ہوگئی لیکن عافیہ کی تسلی نہ ہوئی۔ وہ روز سوتے میں ڈر جاتی ہے پریشان ہو جاتی ہے۔ بابا کو بھی تنگ کرتی ہے۔ سارے اس کو تسلی دیتے ہیں۔ ڈاکٹر آصف جاہ کی ٹیم آ گئی ہے۔ شفقت، مالار میں ہے۔ بنوں سے ظہور خان بھی پہنچ گئے ہیں۔ دیکھتے دیکھتے کمال ہوگیا۔ آواران سے تعمیراتی سامان منگوایا گیا۔ مالار کراچی سے بھی سامان آن پہنچا۔ سیمنٹ آیا، بلاکس بننے لگے۔ پہلے اللہ کے گھر کی بنیاد رکھی گئی۔ عافیہ کا بابا بھی مزدور بن گیا۔ مالار کے سارے مرد مسجد کے کام میں شریک ہوگئے۔ دن کو مرد کام کرتے رات کو عورتیں اس سعادت میں شریک ہوتیں۔ مسجد میں مٹی ڈالتیں۔ عافیہ روز گھر سے نکلتی۔ ظہور خان کو سوالیہ نظروں سے تکتی۔ اللہ کا گھر دیکھتی تو سوچتی کہ میرا گھر کب بنے گا۔ بابا سے پوچھتی بابا کہتے چپ رہو۔ پہلے اللہ کا گھر بننے دو۔ دیکھتے دیکھتے مسجد بن گئی مالار میں اللہ کا گھر بن گیا۔ لوگ خوش ہوگئے۔ اللہ کا گھر دیکھ کر پنجاب کے باسیوں کو دعا دینے لگے۔ اب پھر بلاکس بننے لگے۔ ظہور خان عافیہ کا بابا جان بن گیا۔ عافیہ روز ظہور خان کے پاس جاتی، بوڑھا پٹھان روز بچی کو پیار کرتا پیار پشتو میں ہوتا اور جواب بلوچی میں۔ محبت کی کوئی زبان نہیں ہوتی۔ آنکھیں اور انداز سب کچھ سمجھا دیتے ہیں۔ بلاکس جمع ہوگئے عافیہ کے گھر کی بنیاد رکھ دی گئی۔ عافیہ خوشی سے دیوانی ہوگئی۔ عافیہ روز اپنے گھر کی دیواریں بنتے دیکھتی۔ جوں جوں گھر کی دیواریں اٹھتی گئیں۔ توں توں عافیہ کی خوشی دوبالا ہوتی گئی۔ چھت پڑی تو عافیہ خوشی سے دیوانی ہوگئی۔ اس کے بابا روز ظہور خان کو بتاتے کہ اب عافیہ کم ڈرنے لگی ہے۔ اب آرام سے سو جاتی ہے۔ اپنی گڑیا کو ساتھ سلاتی ہے۔ سوتے وقت اپنی توتلی بلوچی زبان میں گڑیا کو لوری دیتے ہوئے کہتی ہے کہ میری گڑیا تیرا گھر بن رہا ہے ڈرنا نہیں۔ میں نئے گھر میں تیرا علیحدہ جھولا بنواؤنگی۔ تجھے صوفے پہ بٹھاؤنگی۔ دیکھتے دیکھتے چند دنوں میں عافیہ کا نیا گھر بن گیا۔ عافیہ خوشی سے نہال ہوگئی۔ اونچی اونچی آواز میں بابا ظہور خان کو دعائیں دینے لگی۔ ظہور خان بابا عافیہ کی بلائیں لینے لگا۔ مالار میں جشن کا سماں تھا۔ لوگ اپنے نئے گھروں میں شفٹ ہو رہے ہیں۔ پنجاب والوں کو دعا دے رہے ہیں۔ اللہ آواران والوں کو اپنی پناہ میں رکھے۔ بلوچستان والوں کی حفاظت کرے۔ پاکستان کو ہمیشہ قائم و دائم رکھے۔ پاکستان زندہ باد

آواران، بلوچستان میں قیامتِ صُغریٰ اور ہماری ذمہ داری

وطنِ عزیز میں بدامنی، دہشت گردی، خودکش حملوں میں بے گناہ اور معصوم شہریوں کی ہلاکت کے ساتھ ساتھ گزشتہ ہفتے سے پے در پے زلزلوں کا سلسلہ جاری ہے۔ بلوچستان کے دور افتادہ، پس ماندہ علاقے آواران میں 24 ستمبر 2013ء کی شام زلزلے نے تباہی مچا دی۔ لوگوں کے کچے پکے گھروندے پل بھر میں زمیں بوس ہوگئے۔ سینکڑوں لوگ زندگی کی بازی ہار گئے۔ غربت، جہالت، پس ماندگی، بھوک، ننگ پہلے ہی ان علاقوں کا خاصہ ہیں۔ ان علاقوں کی ترقی اور سہولتوں کی فراہمی پر اب تک کسی نے توجہ نہیں دی۔ 16 اپریل 2013ء کو ماشکیل میں زلزلہ آیا تھا۔ اُس وقت بھی اربابِ اختیار کی توجہ اس بات کی طرف دلائی گئی تھی کہ بلوچستان کے دور افتادہ علاقوں میں آئندہ زلزلوں سے بچاؤ کے لیے صوبائی ڈیزاسٹر مینجمنٹ اتھارٹی (PDMA) کو فعال کیا جائے لیکن کچھ نہ کیا گیا۔ ماشکیل کے زلزلہ زدگان ابھی تک کھلے آسمان تلے پڑے ہیں۔ 24 ستمبر کے زلزلے میں آواران کے ضلع کے گاؤں کے گاؤں ملیامیٹ ہوگئے۔ ہنستے بستے گھر ویران ہوگئے۔ اطلاعات کے مطابق ابھی تک 500 سے زائد لوگ جان کی بازی ہار چکے ہیں۔ متاثرین کی تعداد ایک لاکھ سے زیادہ ہے۔ حکومتی سطح پر فوری طور پر امدادی سرگرمیوں کا آغاز کر دیا گیا ہے۔ فوج زلزلہ زدہ علاقوں میں پہنچ چکی ہے لیکن بلوچستان کے اس دور افتادہ پس ماندہ علاقوں میں ملکی اور غیر ملکی غیر حکومتی تنظیموں کی رسائی نہ ہونے کے برابر ہے۔ ابھی تک بہت کم تنظیمیں میدانِ عمل میں آئی ہیں۔ اس کی بنیادی وجہ سیکیورٹی کی مخدوش صورتِ حال ہے۔ زلزلہ زدگان کی خدمت کرنے والے حکومتی اداروں پر دہشت گردوں کے حملے جاری ہیں۔ اس وجہ سے لوگ ان علاقوں میں جانے سے گھبرا رہے ہیں مگر اللہ کا کرم ہے جس کی توفیق سے کسٹمز ہیلتھ کیئر سوسائٹی نے مقامی ساتھیوں کے تعاون سے آواران اور ماشکیل کے متاثرہ علاقوں میں امداد اور بحالی کی سرگرمیوں کا آغاز کر دیا ہے۔ ابھی 24 ستمبر 2013ء کے زلزلے سے لوگ سنبھلے بھی نہ تھے، ریسکیو کا کام جاری تھا کہ 28 ستمبر 2013ء دن کے 12 بج کر 34 منٹ پر آواران سے ملحق ماشکیل کے علاقے ''نوک جو'' میں پھر زلزلہ آیا جس نے کوئٹہ تک کو ہلا کر رکھ دیا۔ نوک جو کے علاقے میں ہزاروں مکانات گر چکے ہیں۔ ہزاروں لوگ بے گھر ہو چکے ہیں۔ آواران کے ہسپتال میں 24 ستمبر 2013ء کے زخمی افراد ہسپتال چھوڑ کر باہر مدد کے لیے بھاگے۔ بلوچستان میں صوبائی اسمبلی کا اجلاس جاری تھا جب زلزلہ آیا۔ تمام ممبران استغفار اور کلمہ پڑھتے

ہوئے باہر نکلے۔ کیوں کہ جان سب کو پیاری ہوتی ہے۔ شاید اس جھٹکے سے حکمرانوں کو کوئی سبق مل جائے۔

بلوچستان کے ضلع آواران کا رقبہ 29510 مربع کلومیٹر ہے اور آبادی 2010ء کی مردم شماری کے مطابق 123972 ہے۔ وفاقی دارالحکومت اسلام آباد سے اس کا فضائی فاصلہ 1095 کلومیٹر جنوب مغرب میں ہے۔ ضلع آواران کے مغرب میں کیچ اور ضلع پنج گور، جنوب میں ضلع واشک اور گوادر اور مشرق میں ضلع لسبیلہ اور شمال میں ضلع پنج گور ہے۔ ضلع آواران کی تین تحصیلیں اور 10 یونین کونسلیں ہیں جن میں ایک میں ماشکیل کا علاقہ بھی شامل ہے۔ دوسری جانب ماشکیل کی تحصیل ضلع واشک میں جو ضلع آواران کے ساتھ واقع ہے۔ بلوچستان کی کُل آبادی 9162000 اور رقبہ 347000 مربع کلومیٹر ہے۔ 24 ستمبر کے زلزلے سے واشک اور آواران کے علاوہ لسبیلہ، کیچ، گوادر اور خاران کے اضلاع بھی کسی نہ کسی حد تک متاثر ہوئے ہیں۔ ضلع لسبیلہ کا رقبہ 15153 مربع کلومیٹر ہے اور آبادی 447389 ہے۔ اس کی پانچ تحصیلیں اور 22 یونین کونسلیں ہیں۔ اس کے مغرب میں آواران اور گوادر ہیں اور شمال میں خضدار ہے۔ ضلع گوادر میں اس زلزلے سے ایک چھوٹا سا جزیرہ سمندر میں ابھر آیا ہے، گوادر کا رقبہ 15216 مربع کلومیٹر اور آبادی 264168 ہے۔ آواران اس کے شمال میں ہے۔ مشرق میں لسبیلہ، کیچ اور جنوب میں سمندر ہے۔ کیچ کا ضلع بھی آواران کے قریب واقع ہے۔ ضلع کیچ تربت کا رقبہ 22540 مربع کلومیٹر ہے اور آبادی 438689 ہے۔ اس کی چار تحصیلیں اور 37 یونین کونسلیں ہیں۔ اس کے مشرق میں آواران کا ضلع واقع ہے۔ گوادر بھی مشرق میں ہے۔ تربت کیچ کے جنوب میں ایران ہے۔ شمال مغرب میں پنج گور ہے۔

24 ستمبر کو آنے والے زلزلے کی شدت ریکٹر سکیل پر 7.8 بتائی گئی لیکن یہ زلزلہ زمین کے نیچے صرف دس کلومیٹر کی گہرائی پر تھا جب کہ پانچ سال قبل اس علاقے ہی میں چند کلومیٹر کے فاصلے پر ضلع واشک کی تحصیل ماشکیل میں جو زلزلہ آیا تھا، وہ کوہ زمین کے نیچے تقریباً 150 کلومیٹر گہرائی پر تھا۔

راقم کو زلزلے کی اطلاع انٹرنیٹ کے ذریعے دوبئ میں ملی جہاں ایک بین الاقوامی کانفرنس میں شرکت کے لیے جانا ہوا تھا۔ خبر ملتے ہی بے قراری اور بے چینی بڑھ گئی۔ جب آدمی بیرونِ ملک ہو تو پیارے وطن میں ہونے والے کسی بھی حادثے سے بے چین ہو جاتا ہے۔ خبر ملتے ہی فیس بک اور انٹرنیٹ کے ذریعے دوستوں سے رابطہ کرنا شروع کر دیا۔ 8 اکتوبر 2005ء سے لے کر اب تک کسٹمز ہیلتھ کیئر سوسائٹی کا یہ طُرّۂ امتیاز رہا ہے کہ جب بھی وطنِ عزیز میں کسی بھی حصے میں کوئی آفت آئی ہمیشہ آفت زدگان کی خدمت کے لیے سب سے پہلے پہنچے۔ ملک کے کونے کونے میں پہنچ کر آفت زدگان کی خدمت کی۔ بلوچستان میں 28 اکتوبر 2008ء کو زیارت میں آنے والے زلزلے کے دوران زیارت پہنچ کر زلزلہ زدگان کی خدمت کی۔ ہزاروں مریضوں کا علاج کیا۔ 50 سے زیادہ شیلٹر ہوم بنوائے۔ لاکھوں روپے کی امدادی اشیاء تقسیم کیں۔ 2012ء

میں آنے والے سیلاب کے دوران بلوچستان کے علاقوں نصیر آباد، ڈیرہ مراد جمالی، جھل مگسی اور دوسرے سیلاب زدہ علاقوں میں پہنچ کر سیلاب زدگان کی مدد کی۔ لاکھوں روپے مالیت کی مختلف اشیاء پہنچائیں اور ہزاروں مریضوں کا علاج کیا۔ 16 اپریل 2013ء کو ماشکیل میں زلزلہ آیا تو کوئٹہ میں مقیم اور بھلائی کے کاموں میں حصہ لینے والے عبدالحنان شاہ صاحب کے تعاون سے زلزلہ زدہ علاقوں میں پہنچ کر خدمت اور علاج کی نئی تاریخ رقم کی۔ ماشکیل میں سب سے پہلے خیمہ بستی آباد کی۔ ہزاروں لوگوں کا علاج کیا۔ لاکھوں روپے مالیت کی اشیاء پہنچائیں اور اس کے ساتھ ساتھ ماشکیل میں ڈسپنسری بھی قائم کی۔

24 ستمبر 2013ء کو جوں ہی زلزلہ کی اطلاع ملی، دنیا بھر میں دوستوں کو پیغام پہنچایا۔ کوئٹہ اور ماشکیل میں رابطہ کیا۔ دوستوں نے بلا تاخیر عطیات دینے کا وعدہ کیا بلکہ اعجاز صاحب نے تو فوراً رقم بھجوادی۔ لاہور میں اعجاز سکّا اور دوسرے مخیّر حضرات سے رابطہ ہوا۔ اشفاق نے ادویات، کپڑے، جوتے، مچھر دانیاں اور دوسری امدادی اشیاء اکٹھی کرنی شروع کر دیں۔ کوئٹہ کے عبدالحنان شاہ صاحب ریلیف کے کاموں میں خاصی دلچسپی لیتے ہیں۔ اشفاق نے ان سے رابطہ کیا۔ دوبئ سے بات ہوئی۔ فوراً خیموں اور چادلوں کی کھیپ تیار کی۔ اشفاق اور صفدر بھٹی نے رات دن ایک کر کے امدادی اشیاء اکٹھی کیں۔ عبدالحنان شاہ کے دستِ راست عبدالغفور، جو مدینہ یونیورسٹی سے فارغ التحصیل اور سکول ٹیچر ہیں، آواران کے علاقے مالار میں رہتے ہیں، وہ فوراً اپنے دوستوں کے ساتھ زلزلہ زدہ علاقوں میں پہنچے اور وہاں لوگوں کو ریسکیو کیا۔ لوگوں کی مرہم پٹی کی۔ انہوں نے بتایا کہ آواران کا علاقہ بلوچستان کا دشوار گزار اور طویل ترین علاقہ ہے۔ مشرق میں لسبیلہ سے شروع ہو کر مغرب میں ضلع کیچ، شمال میں پنج گور اور جنوب میں ایرانی علاقے ہرمان تک پھیلا ہوا ہے۔ 24 ستمبر کے زلزلے کے جھٹکوں سے گوادر اور سندھ کے اضلاع بھی متاثر ہوئے۔ اللہ کے فضل سے کسٹمز ہیلتھ کیئر سوسائٹی کی طرف سے آواران کے آفت زدہ علاقوں میں امدادی سرگرمیاں شروع کر دی گئی ہیں۔ خوراک بھی پہنچ گئی ہے۔ میڈیکل کیمپس کا آغاز کر دیا گیا ہے۔ ہمارے معاونِ خاص عبدالغفور صاحب اور ان کے ساتھی کوشش کر رہے ہیں کہ دور دراز کے متاثرہ علاقوں میں پہنچ کر زلزلہ زدگان کی مدد کریں اور انھیں امدادی اشیاء پہنچائیں۔ جب بھی زلزلہ زدگان کے پاس پہنچ کر بتاتے ہیں کہ پنجاب سے مدد آئی ہے تو متاثرین بہت خوش ہوتے ہیں اور عطیات دینے والوں کو دعا دیتے ہیں۔ ان غریبوں اور مظلوموں کے پاس دینے کے لیے صرف دعائیں ہی ہیں۔ ان مصیبت زدگان کی دعاؤں کے طفیل ہی ملک میں امن ہوگا۔

زلزلہ کے فوراً بعد زلزلہ زدہ علاقوں میں کسٹمز ہیلتھ کیئر سوسائٹی لاہور کی جانب سے خیمہ بستی قائم کر دی گئی۔ مصیبت کی اس گھڑی میں قوم کو ایک دفعہ پھر 8 اکتوبر 2005ء والا جذبہ دکھانے کی ضرورت ہے۔ اہلِ بلوچستان کے دل جیتنے اور ناراض بلوچوں کو منانے، سمجھانے اور قومی دھارے میں واپس لانے کا یہ سنہری موقع

ہے۔ پوری قوم سے اپیل ہے کہ آیئے دل کھول کر متاثرین کی مدد کریں۔ اپنی تجوریوں کے منہ کھول دیں۔ تمام اہلِ ثروت افراد آگے آئیں۔ ہمارے ساتھ مل کر کام کریں یا آواران میں کام کرنے والی دوسری این جی اوز (NGOs) کے ساتھ تعاون کریں تا کہ مصیبت کی اس گھڑی میں بلوچستان کے عوام یہ نہ سمجھیں کہ اس مصیبت کے دوران ان کے پاس کوئی نہیں آیا، کسی کو ان کا خیال نہیں۔ اہلِ بلوچستان کے اصل مسائل بھوک، ننگ، پس ماندگی، زندگی کی بنیادی سہولیات سے محرومی اور جہالت ہے۔ ان علاقوں میں جا کر آج بھی گمان ہوتا ہے کہ ہم 200 سال پیچھے چلے گئے ہیں۔ نہ پینے کا پانی ہے نہ کھانے کو اشیاء اور نہ رہنے کو مناسب گھر۔ ان علاقوں میں جا کر اور دیکھ کر احساس ہوتا ہے کہ انسان اور جانور ایک ہی گھاٹ پر پانی پیتے ہیں کیونکہ پینے کے لیے صرف جوہڑ کا گندہ پانی دستیاب ہوتا ہے جو انسان اور جانور دونوں استعمال کرتے ہیں۔ لوگ غریب ہیں، پس ماندہ ہیں مگر توکّل والے ہیں۔ اللہ پہ بھروسہ رکھتے ہیں، صابر و شاکر ہیں۔ ان حالات میں بھی اللہ کا شکر ادا کرنا نہیں بھولتے۔ ان لوگوں کی کوئی لمبی چوڑی خواہشیں نہیں ہوتیں۔ زلزلے نے ان کے کچے گھروندے اور کاروبار بھی چھین لیے ہیں۔ ان زلزلہ زدگان کی ایک ہی خواہش ہے کہ رہنے کے لیے گھر اور کھانے کے لیے روکھی سوکھی روٹی مل جائے۔ جب بھی ان کے پاس گئے، میڈیکل کیمپ لگایا اور امدادی اشیاء تقسیم کیں، یہ غریب لوگ دعائیں دیتے، بلائیں لیتے اور ایک ہی درخواست کرتے کہ سائیں کسی طرح ہمارے لیے چھت کا انتظام کر دیں۔ بقول فیض ؎

مینوں شاہی نئیں چاہیدی رب میرے
میں تے عزت دا ٹکر منگناں ہاں
مینوں تانگ نئیں محلاں ماہڑیاں دی
میں تے جیون دی ٹکر منگناں ہاں

ہم سب کی قومی ذمہ داری ہے کہ اِن کے ساتھ کھڑے ہوں۔ ان کا مان بڑھائیں۔ ان کے زخموں کی مرہم پٹی کریں۔ ان کو حوصلہ دیں۔ دامے، درمے، سخنے، قدمے ان کے ساتھ تعاون کریں۔ ان کے دلوں کو تسلی دیں ورنہ خطرہ ہے کہ ان کے دل ٹوٹ جائیں گے اور ٹوٹے دلوں کو جوڑنا بہت مشکل ہوتا ہے۔

آواران، بلوچستان کے زلزلہ زدگان کس حال میں ہیں

آواران بلوچستان میں آنے والے زلزلے کو دو ہفتے سے زیادہ گزر چکے ہیں۔ زلزلہ آتے ہی سے متاثرہ علاقوں میں امدادی و بحالی کا کام شروع ہو چکا تھا۔ زلزلہ زدگان کی موجودہ صورتِ حال کا پتہ چلانے کے لیے لاہور سے کسٹمز ہیلتھ کیئر سوسائٹی کی ٹیمیں بذریعہ کراچی آواران کے لیے روانہ ہوئیں تا کہ وہاں پہنچ کر زلزلہ زدگان کی دل جوئی کی جاسکے۔ 24 ستمبر 2013ء کو آواران کے وسیع و عریض علاقے میں 7.8 ریکٹر سکیل کا زلزلہ آیا جس سے وسیع پیمانے پر بہت زیادہ تباہی ہوئی۔ اگرچہ ذرائع ابلاغ (میڈیا) میں آواران کے زلزلے کا بڑا تذکرہ رہا مگر چونکہ متاثرہ علاقہ بہت دور تک پھیلا ہوا ہے اس لیے تمام متاثرہ علاقوں تک ذرائع ابلاغ (میڈیا) اور امدادی ٹیموں کی رسائی نہیں ہوئی۔ لاہور میں بیٹھے ہوئے یہی سمجھ آ رہی تھی کہ صرف آواران شہر میں زلزلہ آیا ہے لیکن اپنی ٹیم کے ساتھ آواران کے شہر میں آ کر محسوس ہوا کہ شہر کی حد تک زلزلے کے خاص آثار نہیں ہیں۔ تاہم امدادی سامان کے ٹرکوں کی قطاریں لگی ہوئی تھیں۔ آواران کے عبدالغفور نے، جو ہمارے کام کی یہاں نگرانی کر رہے ہیں، بتایا کہ ضلع آواران کی تین تحصیلیں ہیں جن میں مشکے اور جھاؤ شامل ہیں۔

زلزلے سے زیادہ تر متاثرہ علاقہ مالار سے شروع ہوتا ہے اور پھر آگے 80 میل دور گشکورْ ہور اور ڈنڈار تک جاتا ہے۔ کراچی سے چھ گھنٹے لمبا سفر کر کے براستہ حب، لسبیلہ، بیلہ، آواران پہنچے۔ خیال تھا کہ یہیں کام کرنا ہے۔ مقامی ساتھی نے بتایا کہ آگے مالار جانا ہے 50 کلومیٹر دور ہے۔ انتہائی دشوار گزار کچّے، پتھریلے، نوکیلے پتھروں والے راستے سے گزر کر آگے بڑھے۔ 50 کلومیٹر کا فاصلہ طے کرنے میں 5 گھنٹے مزید لگ گئے۔ مالار کے قریب پہنچ کر محسوس ہوا کہ واقعی تباہی اور بربادی بہت زیادہ ہے۔ راہ میں آنے والی تمام بستیاں ویران تھیں۔ یہاں چھوٹی چھوٹی بستیاں ہیں۔ کوئی بستی 30 گھروں پر مشتمل ہے کوئی 40 اور کوئی 50 گھروں پر۔ بعض اوقات میلوں چلتے رہیں تو کوئی ذی روح نظر نہیں آتا۔ نہ کوئی پرندہ نہ جانور۔ بے آب و گیاہ سنگلاخ پہاڑوں میں گھری ہوئی بستیاں ہیں۔ پہاڑ بھی مٹیالے، کالے، بھورے، آڑے ترچھے، پتھریلے، ریتلے اور مٹی کے ہیں۔ بعض اوقات تو ان پر بنے بنائے بتوں کا گمان ہوتا ہے۔ ہندو یہاں آ جائیں تو ان کے لیے بنے بنائے مندر ہیں۔

راستے میں جگہ جگہ آرمی کی چیک پوسٹیں بنی ہوئی ہیں۔ راستے میں کئی جگہ رک کر عورتوں اور بچوں میں

عید کے تحائف، کپڑے اور چادریں تقسیم کیں۔ رات گئے مالار کی بستی جان محمد بازار پہنچے۔ یہ وہی بستی ہے جہاں ہماری پہلی خیمہ بستی قائم ہوئی۔ یہاں بجلی وغیرہ کا کوئی تصور نہیں لیکن لوگوں نے اپنے اپنے گھروں میں اور رات جس مسجد میں ہمارا قیام ہوا، وہاں سولر لائٹس لگائی ہوئی ہیں۔ سیکیورٹی خدشات کے باعث اپنے ساتھی مقامی لوگوں کے ساتھ مل کر ساری رات پہرہ دیتے رہے۔ فجر کے بعد میڈیکل اور امدادی کیمپ شروع کر دیے۔ مالار کے علاقوں میں اگرچہ امدادی اشیاء پہنچی تھیں مگر پہلی دفعہ کوئی ٹیم یہاں رہنے، ان کے ساتھ بات کرنے، ان کے دکھ درد بانٹنے کے لیے پہنچی تھی۔ جاتے ہی بلوچی زبان کے چند فقرے سیکھ لیے تاکہ مریضوں کے ساتھ ہم آہنگی ہو جائے۔ ایک طرف علاج شروع ہوا دوسری طرف خدمت یعنی امدادی اشیاء کی تقسیم..... بچے، بوڑھے اور عورتیں جمع ہو گئے۔ کچھ نوجوان بدستور نگرانی کر رہے تھے اور عورتوں کی تصاویر بنانے پر سیخ پا ہو گئے۔ بڑی مشکل سے انھیں ٹھنڈا کیا۔ صبح سے رات گئے تک مالار کے علاقوں جان محمد بازار، رضائی بازار، بینگل بازار، فیض پور بازار اور کرکیڈل بازار میں چھ جگہوں پر میڈیکل کیمپ لگائے۔ یہاں ہزاروں مریضوں کو چیک کیا۔ دوائیں دیں اور امدادی اشیاء، عید کے کپڑے، گرم چادریں، تحائف اور نقدی تقسیم کی۔ ہر جگہ لوگوں نے خوش آمدید کہا کیونکہ پہلی دفعہ ان کے ساتھ رہنے کوئی آیا تھا۔ علاقے کے لوگوں نے بتایا کہ انھوں نے قربانی کے جانور لیے تھے، وہ زلزلہ میں مر گئے۔ ہر گاؤں کے لیے قربانی کے واسطے دو دو بکرے خرید کر دیے۔ لاہور میں دوستوں کو پتہ چلا تو انھوں نے بیس مزید قربانی کے بکروں کے لیے امداد بھجوا دی۔ ان میں سے آدھے بکرے ماشکیل اور باقی مالار، ڈنڈور اور ہور میں عیدِ قربان کے روز اللہ کی راہ میں قربان کیے جائیں گے اور گوشت متاثرین میں تقسیم ہوگا۔ متاثرہ علاقوں میں لوگوں کو ایک ہی فکر ہے کہ ان کے گھر کیسے بنیں گے۔ رات وقفے وقفے سے فائرنگ کی آوازیں آتی رہیں۔ یہاں لوگ فوج سے امداد لینے سے خائف نظر آتے ہیں کہ کہیں بعد میں ان کے ساتھ کوئی زیادتی نہ کرے۔ مالار سے آگے ڈنڈار، گشکور اور ہور میں تباہی کا حال اس سے بھی بُرا ہے۔ اس تباہی اور بربادی کو دیکھ کر بالاکوٹ کا زلزلہ یاد آ گیا۔

اکتوبر 2005ء کے زلزلہ کے دوران بھی ہماری ٹیمیں 10 اکتوبر کو زلزلہ زدہ علاقوں میں پہنچ کر علاج اور خدمت میں مصروف ہو گئی تھیں اور آج 8 سال بعد دوبارہ 10 اکتوبر 2013ء کو ہزاروں میل کا فاصلہ طے کر کے بلوچ بہن بھائیوں کی خدمت میں مصروف ہیں۔ مالار، ڈنڈور پہنچ کر بیرونی دنیا سے رابطہ کٹ جاتا ہے کیونکہ یہاں فون بند ہو جاتے ہیں۔ دو دن گھر والوں سے کوئی رابطہ نہ رہا۔ رات گئے آواران پہنچے تو رابطے بحال ہوئے۔ بچوں نے یاد دلایا ''بابا آج آپ کی سالگرہ ہے۔'' مگر سالگرہ سے زیادہ ضروری متاثرین کی خدمت اور علاج ہے۔ یہاں آ کر بندہ اپنا آپ بھول جاتا ہے۔ آواران میں جا کر پھر علاج اور خدمت میں مصروف ہو گئے۔ آفت زدہ علاقوں میں مقامی اور ملکی تنظیمیں کام کر رہی ہیں۔ زیادہ تر کام فلاحِ انسانیت

فاؤنڈیشن، خدمتِ خلق فاؤنڈیشن، اسلامک ریلیف اور ہماری تنظیم کسٹمز ہیلتھ کیئر سوسائٹی کے توسط سے ہو رہا ہے۔ نیشنل ڈیزاسٹر مینجمنٹ اتھارٹی (این ڈی ایم اے NDMA) کی جانب سے اور فوج کی طرف سے بھی ریلیف کا کام جاری ہے۔ یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ اس دور دراز علاقے میں مقامی اور ملکی تنظیمیں متاثرہ لوگوں کی امداد اور بحالی کے لیے احسن طریقے سے کام کر رہی ہیں۔ کوئی غیر ملکی این جی اوز NGO نظر نہیں آئی۔ مشکے میں آواران سے بھی زیادہ تباہی ہوئی ہے۔ وہاں بھی ہمارا عبدالحنان شاہ کے توسط امداد اور بحالی کا کام جاری ہے۔ ذرائع ابلاغ (میڈیا) نے زلزلہ زدہ علاقوں کی پوری تصویر کشی نہیں کی۔ تباہی اور بربادی بہت زیادہ ہے۔

اگلے دن آواران کے علاقوں لال بخش بازار، غلام محمد ماشی، عیسیٰ بازار چیدگی میں کیمپ لگائے۔ 500 مریض چیک کیے اور امدادی اشیاء تقسیم کیں۔ یہاں مکران اور تربت سے بھی امدادی قافلے آئے ہوئے تھے۔ ان سے تبادلۂ خیال ہوا۔ زلزلہ زدہ علاقوں میں گندے پانی کی وجہ سے پیٹ کی بیماریاں، گیسٹرو، ٹائیفائیڈ، ہیضہ وغیرہ تیزی سے پھیل رہی ہیں۔ عورتیں خون کی کمی، خوراک کی کمی اور بار بار بغیر وقفے سے بچے پیدا کرنے کی وجہ سے طرح طرح کے مسائل میں مبتلا ہیں۔ 20 سال کی چار بچوں کی ماں 40 سال کی ماسی لگتی ہے۔ رات آواران کی مسجد کے وسیع و عریض صحن میں قیام ہوا۔ زیادہ تر رات ستارے گننے میں گزر گئی۔ صبح سویرے اٹھ کر مالار سے اگلے علاقوں ڈنڈور کے لیے دواؤں کی کھیپ تیار کی۔ آواران سے واپسی کا سفر بھی دشوار گزار، جاں گسل، پُرخطر اور مشکل ترین ہے۔ راستے میں شیریں فرہاد کا مزار بھی آتا ہے۔ واقعی فرہاد کی ہمت کی داد دینا پڑتی ہے جس نے شیریں کے حصول کی خاطر سنگلاخ پہاڑوں کا سینہ چیرنے کی ٹھانی اور اسی کوشش میں جان دے دی۔ مقامی لوگوں نے بتایا کہ شیریں اور فرہاد کو دو علیٰحدہ علیٰحدہ قبروں میں دفنایا گیا تھا مگر اگلے دن لوگوں نے آ کر دیکھا تو وہاں صرف ایک ہی قبر تھی۔ اب بھی ایک لمبی سی قبر ہے جس میں دونوں چاہنے والے سو رہے ہیں۔ زلزلہ زدہ علاقوں میں جا کر متاثرین کی حالتِ زار دیکھ کر، ان کی باتیں سن کر احساس ہوا کہ یہاں ناراضگی اور غصہ بے وجہ نہیں۔ یہاں محرومی ہے، بھوک ہے۔ علاقے میں کوئی سہولت نہیں۔ پینے کا صاف پانی میسر نہیں۔ میڈیکل کی کوئی سہولت نہیں۔ مالار یا ڈنڈور میں زچگی کے دوران اگر کسی کو کوئی تکلیف ہوتی ہے تو آواران پہنچانے کا کوئی ذریعہ نہیں۔ اکثر عورتیں اسی حالت میں بچے سمیت فوت ہو جاتی ہیں۔ بچے اور عورتیں سہمے ہوئے ہیں۔ جسمانی بیماریوں کے علاوہ نفسیاتی مسائل جنم لے رہے ہیں۔ بعض بچے خوف کی وجہ سے بولتے نہیں۔ مالار کی عافیہ رات کو اٹھ جاتی ہے اور بار بار اپنے بابا سے کہتی ہے کہ میری گڑیا ملبے سے نکال کر لا دو کہیں وہ زلزلے میں مر نہ جائے۔ بلوچوں کی ناراضی دور کرنے اور انھیں قومی دھارے میں لانے کے لیے بہت زیادہ کوششوں کی ضرورت ہے۔ فوری طور پر انھیں گھروں کی ضرورت ہے۔ ضلع آواران سے ہزاروں زلزلہ زدگان کراچی منتقل ہو چکے ہیں۔ ایسے متاثرین کا سروے کر کے انھیں فوری طور پر روزگار مہیا کیا جائے۔

نوجوانوں کی ملازمت کا بندوبست کیا جائے۔ تعلیم عام کی جائے۔ ایسا کرنے سے ان کی ناراضی دور ہوگی اور وہ قومی دھارے میں واپس آ جائیں گے۔ دور دراز علاقوں میں چھوٹے چھوٹے ہسپتال بنائے جائیں۔ اس وقت بڑا مسئلہ چھت ہے۔ اگر متاثرین کے گھروں کی جلد تعمیر شروع ہوگئی تو ان کے 50 فیصد مسائل خود بخود حل ہو جائیں گے۔ اس کے بعد روزگار کا مسئلہ ہے۔ ان علاقوں میں چھوٹی چھوٹی گھریلو صنعتیں (کاٹیج انڈسٹری) لگا کر روزگار کا بھی بندوبست ہوسکتا ہے۔ یہاں آ کر اندازہ ہوا کہ اربوں روپے کا بلوچستان پیکیج صرف فراڈ تھا۔ یہاں کے لوگوں کو اس کی ایک پائی بھی نہیں ملی۔ نئی بننے والی سڑک کو ٹھیکیدار بیچ میں چھوڑ کر فرار ہو چکا تھا۔ علاقہ میں پینے کے پانی کی سخت کمی ہے۔ فوری طور پر پانی کے لیے ٹیوب ویل لگائے جائیں۔ مساجد بھی شہید ہو چکی ہیں۔ ان کی مرمت بھی فوری طور پر کی جائے۔ اس کے علاوہ تعلیمی ادارے جو منہدم ہو چکے ہیں ان کو دوبارہ بنایا جائے۔ فوری طور پر خیموں میں بچوں کی تعلیم کا بندوبست کیا جائے۔

بستے بستے بستی ہیں بستیاں

رات کا وقت ہے، گھپ اندھیرا ہے۔ کہیں کہیں شمسی (سولر) لیمپ کی ٹمٹماتی روشنی جلتی بجھتی نظر آتی ہے۔ مالار آواران کی زلزلہ زدہ بستی کرکیڈل میں مسجد کی تعمیر جاری ہے۔ صبح سے شام تک اس بستی کے سارے مرد مسجد کی تعمیر میں بلامعاوضہ حصہ لے رہے ہیں۔ آج بستی کی عورتوں نے کہا کہ مسجد میں مٹی ہم ڈالیں گی۔ عورتیں مٹی اٹھا کر لا رہی ہیں اور مسجد کے صحن میں ڈال رہی ہیں۔ اچانک ایک عورت کی سسکیوں اور پھر ہذیانی چیخوں کی آواز آتی ہے۔ مٹی اٹھاتے، اٹھاتے عورت کے ہاتھ میں ایک ٹوپی آ گئی جس کو وہ دیوانہ وار چومنے لگی اور پھر آہوں اور سسکیوں کی آوازوں نے ماحول کے سکوت کو توڑ دیا۔ اس کا بچہ اس مسجد کے ملبے تلے آ کر 24 ستمبر کو آواران میں آنے والے 7.8 ریکٹر اسکیل کے زلزلہ میں شہید ہوا تھا۔ نعش تو دوسرے روز ملبے سے نکل آئی تھی۔ اب ماں کے ہاتھ شہید بچے کی ٹوپی آئی تو ضبط کے سارے بندھن ٹوٹ گئے اور سارے زخم دوبارہ ہرے ہو گئے۔ سب عورتیں شہید بچے کی ماں کے اردگرد جمع ہو گئیں۔ تسلی دی، اس کے آنسو پونچھے۔ بہادر بلوچ ماں پھر سے آنسو پونچھ کر مسجد میں مٹی ڈالنے لگی۔ 24 ستمبر 2013ء میں آواران میں آنے والے زلزلہ کے فوراً بعد کسٹمز ہیلتھ کیئر سوسائٹی کی ٹیمیں متاثرہ علاقے میں پہنچ کر علاج اور خدمت کے کام میں مصروف ہو گئی تھیں۔ مخیّر حضرات کے تعاون سے اب تک کروڑوں روپے کی امدادی اشیاء بشمول خیمے، ادویات، کھانے پینے کی اشیاء، کمبل، رضائیاں، شیٹس، گرم کپڑے، مچھر دانیاں، بچوں کے تحائف اور کھلونے، عورتوں کے لیے گرم شالیں، جیکٹیں آواران کے تمام زلزلہ زدہ علاقوں ماشکیل اور اس کے مضافات مالار، ہور، گشکور، ڈنڈور وغیرہ میں پہنچائے جا چکے ہیں۔ ابھی تک ریلیف اشیاء کی ترسیل جاری و ساری ہے اور متاثرین کی بحالی تک یہ سلسلہ بفضلِ باری تعالیٰ اور مخیّر حضرات کے تعاون سے جاری رہے گا۔ 10 اکتوبر 2013ء کو کرکیڈل کی شہید مسجد کے ٹوٹے بکھرے اور شکستہ فرش پر میڈیکل کیمپ کرتے ہوئے اللہ سے یہ وعدہ کیا تھا کہ اس علاقے میں سب سے پہلے اللہ کا گھر بنائیں گے۔ جونہی ارادہ بنا عین اُسی وقت سعودی عرب سے دردِ دل رکھنے والے بھائی اور دوست اور کنگ ایڈورڈ کے کلاس فیلو ڈاکٹر جنید اصغر کا فون آ گیا۔ ''ان علاقوں میں مساجد کی کیا صورتِ حال ہے؟'' کرکیڈل کی مسجد کا بتایا۔ توقع سے بڑھ کر رقم بھجوانے کا وعدہ کیا۔ رقم تو آ جائے گی۔ بیٹھے بیٹھے خیال آیا کہ اللہ مسجد بننے میں تو بہت وقت لگے گا۔ ہزاروں میل کا سفر ہے۔ سنگلاخ راستے ہیں۔ سیکیورٹی خدشات ہیں،

یہاں آ کر کون رہے گا اور مسجد بنائے گا۔ فوراً ہی اللہ نے ذہن میں ڈالا کہ پہلے بھی اللہ نے مدد کی ملک کے ہر دور دراز علاقے میں پہنچ کر کام کیا اور یہاں بھی اللہ کی مدد ساتھ ہے۔ پھر ظہور خاں کی صورت میں بنوں سے درویش آن پہنچا۔ پنجابی مستری بشیر اور سندھ سے غلام رسول کھوسہ اور اکبر مالار پہنچ گئے۔ شفقت سب سے پہلے پہنچ گیا۔ آواران کے تبلیغی جماعت کے امیر محمد اقبال، مالار کے مولوی عبدالغفور اور کرکیڈل کے عبداللطیف نے بھرپور ساتھ دیا۔ علاقے کے لوگوں کو پتہ چلا کہ اللہ کا گھر بنانے کے لیے ٹیم آئی ہے تو مقدور بھر ساتھ دینے کی ہامی بھری۔ کراچی سے تعمیراتی سامان کی ترسیل شروع ہوگئی۔ ظہور خان تو بلوچوں کی آنکھ کا تارا بن گئے، مالار کے پیر بابا بن گئے۔ کرکیڈل کے مرد اور عورتیں ان سے دعا اور دم کروانے کے لیے آنے لگے۔ جوں ہی کسی کو حکم دیتے، وہ فوراً مسجد کی تعمیر کے کام میں لگ جاتا۔ یہاں زیادہ تر کچے گھروندے ہیں۔ اینٹوں کے بھٹے بہت نایاب ہیں۔ اس لیے جو پکے گھر بنتے ہیں وہ سیمنٹ کے بلاکس کے بنائے جاتے ہیں۔ شروع شروع میں بلاکس مل گئے۔ ایک بلاک کا خرچہ کرکیڈل بازار پہنچنے تک 47 روپے لگتا تھا۔ ظہور خاں سر پکڑ کر بیٹھ گئے۔ کیوں نہ بلاکس خود بنائیں۔ شفقت کو کراچی بھجوایا۔ سانچے بنوائے اور بلاکس کی فیکٹری خود لگوالی۔

کرکیڈل بازار اب تعمیراتی سامان کا اڈہ لگتا ہے۔ بلاک خود بنوانے میں صرف 27 روپے لگتے ہیں۔ ظہور خان ہر وقت اس سوچ میں رہتے ہیں کہ کسی طرح خرچہ کم سے کم ہو اور لوگوں نے جو رقم اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی غرض سے دی ہے وہ جائز مقصد کے لیے خرچ ہو۔ یہاں آنے سے پہلے خدشات تھے۔ ڈر تھا کہ کہیں حملہ نہ ہو جائے۔ لوگ پکڑ کر نہ لے جائیں مگر الحمدللہ پچھلے 2 ماہ سے کام جاری ہے کوئی رکاوٹ نہیں آئی۔ غریب بلوچوں کی جاں نثاری اور مہمان نوازی کا یہ عالم ہے کہ ہماری ٹیم کے لیے روزانہ ایک گھر سے کھانا آتا ہے اور ہر کسی کی کوشش ہوتی ہے کہ اس کا کھانا پچھلے دن سے بہتر ہو۔ ظہور خان نے بتایا کہ بکری، بھیڑ کا گوشت کھا کر تنگ آ گیا ہوں۔ ان سے درخواست کی ہے کہ سبزی وغیرہ پکوایا کریں۔ اصل میں بلوچ عوام کے دکھ درد کسی نے سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کی۔ ان کے ساتھ رہ کر، ان کے ساتھ کام کر کے ان کے دکھ درد شیئر کر کے اندازہ ہوا کہ وہ کتنے اچھے، مہمان نواز اور دین سے محبت کرنے والے لوگ ہیں۔

اللہ کے گھر کے ساتھ اجڑی بستیاں بنانے کا بھی سوچا تھا۔ اللہ نے ملک کے طول و عرض میں آفت زدگان کے لیے 500 سے زائد گھر بنوانے کی توفیق دی۔ مسجد کی تعمیر کے فوراً بعد ظہور خان کی سربراہی میں تعمیراتی ٹیم نے مالار میں ہی ''اپنا گھر ہاؤسنگ پراجیکٹ'' برائے زلزلہ زدگان آواران، بلوچستان شروع کر دیا۔ جس کے تحت ان شاء اللہ 100 سے زائد پکے گھر بنوائے جا رہے ہیں۔ گھروں کی تعمیر کے لیے گارڈفلٹر کے روح و رواں افتخار احمد ملک، بمبل ٹریڈرز کے شیخ غلام احمد بمبل، چیئرمین FBR طارق باجوہ، یونیورسٹی آف لاہور کے چیئرمین رؤف صاحب اور مستقل ساتھی اور درد آشنا سیّد محبوب علی نے رقم فراہم کی۔ کاوش ویلفیئر

ٹرسٹ کے سربراہ عمار احمد ترین نے 600 اور سعودی عرب میں مقیم ایک پاکستانی ڈاکٹر نے 300 بوری سیمنٹ کا عطیہ دیا۔ اللہ کا خاص احسان ہے کہ آواران کے زلزلہ زدہ علاقوں میں کسی بھی مقامی یا سرکاری ادارے کی جانب سے سب سے پہلے کسٹمز ہیلتھ کیئر سوسائٹی نے بحالی کا عمل شروع کیا ہے۔ الحمدللہ دو مساجد کی تعمیر بھی مکمل ہو چکی ہے۔ 50 گھروں کی تعمیر جاری ہے۔ علاقے کے لوگ بہت خوش ہیں کہ پنجاب کے دوستوں کے تعاون سے انھیں نئے اور پکے گھر مل رہے ہیں۔ ہمارے ساتھیوں اور مخیّر حضرات کے جذبۂ تعمیر اور جذبۂ حب الوطنی کے باعث گھروں کی تعمیر کا سلسلہ جاری ہے۔ آواران اور مالار میں رہ کر اس بات کا شدت سے احساس ہوتا ہے کہ ابھی ان علاقوں میں زلزلہ زدگان کی بحالی کا عمل شروع بھی نہیں ہوا۔ ابھی بہت زیادہ کام کرنا باقی ہے۔ اہلِ وطن کو ان مصیبت زدہ لوگوں کو بھلانا نہیں چاہیے بلکہ اس بات کی زیادہ سے زیادہ کوشش کی جائے کہ زلزلہ زدگان کے گھر فوری طور پر بنائے جائیں۔ جب تک ان کے گھر نہیں بنیں گے تب تک ان کے مسائل حل نہیں ہوں گے۔ امید اور محبت کے دیے جلتے رہنے چاہئیں۔ یہ دیے جلیں گے تو روشنی ہوگی۔ ملک میں امن اور سلامتی ہوگی۔ سب سے گذارش ہے کہ محبت اور ہمدردی کے دیوں کو جلائے رکھنے کے لیے ان میں اپنے عطیات کا تیل ڈالتے رہیں تاکہ امید اور آس کے دیے جلتے رہیں۔

ماشکیل، بلوچستان کا زلزلہ اور کسٹمز ہیلتھ کیئر سوسائٹی، لاہور

16 اپریل 2013ء کی شام ساڑھے آٹھ بجے ملک بھر میں زلزلے کے شدید جھٹکے محسوس کیے گئے۔ بعدازاں خبروں میں پتہ چلا کہ آنے والا زلزلہ شدید نوعیت کا تھا اور اس کی شدت ریکٹر اسکیل پر 7.9 تھی جبکہ اکتوبر 2005ء میں آنے والے کشمیر اور خیبر پختون خوا میں آنے والے زلزلے کی شدت 7.7 تھی جس میں ایک لاکھ سے زائد لوگ لقمۂ اجل بنے۔ 16 اپریل کے زلزلے کا اپی سینٹر (مرکز) بلوچستان اور ایران کی سرحد کے ساتھ تھا اور اس کے زیادہ گہرائی میں ہونے کی وجہ سے صرف دونوں جانب کے سرحدی علاقے زیادہ متاثر ہوئے۔ ایران کے سرحدی علاقے میں بھی نقصان ہوا لیکن بلوچستان میں ماشکیل کے چھوٹے سے قصبے اور اس کے گردونواح میں اس زلزلے نے تباہی مچادی۔ مٹی کے کچے گھروندے پل بھر میں خاک نشین ہوگئے۔ کسی بھی آفت میں غریب لوگ سب سے زیادہ متاثر ہوتے ہیں۔ 50 سے زیادہ لوگ جان کی بازی ہار گئے۔ اتنی بڑی شدت کے زلزلے کا سارا بوجھ ماشکیل کے خاک نشینوں نے اپنے اوپر لے لیا اور ملک کے بڑے بڑے شہروں بشمول کراچی اور ملحقہ علاقوں کو اللہ نے اپنی قدرت سے بچالیا۔ ان حالات میں بڑے شہروں خصوصاً کراچی اور لاہور میں رہنے والے تمام پاکستانیوں کا فرض بنتا ہے کہ وہ دامے، درمے، قدمے، سخنے ماشکیل کے زلزلہ زدگان کی امداد کریں۔ ماشکیل پہنچنے کا راستہ اگرچہ دشوار گذار ہے۔ بدامنی، دہشت گردی اور فسادات کی وجہ سے ہر کوئی بلوچستان جانے سے خوف زدہ ہے۔

اکتوبر 2005ء کے زلزلے سے اب تک اللہ کے فضل سے کسٹمز ہیلتھ کیئر سوسائٹی کا یہ طرۂ امتیاز رہا ہے کہ ملک کے کسی حصے میں بھی کوئی آفت آئے، ہمارے ساتھی وہاں سب سے پہلے پہنچ کر خدمت اور علاج کے کاموں میں مصروف ہوجاتے ہیں۔ ماشکیل میں زلزلہ آنے کے فوراً بعد 17 اپریل 2013ء کو کوئٹہ میں طارق شاہ کے بھائی عبدالحنان صاحب سے رابطہ کیا اور فوری طور پر ماشکیل میں اشیائے خورونوش بھجوانے کا اہتمام کیا گیا۔ اللہ کے فضل سے زلزلے کے دوسرے روز سے ہی ہماری طرف سے امدادی سرگرمیوں کا آغاز ہوگیا۔ لاہور سے اعجاز سِکّا، کراچی سے ہمیشہ کی طرح غلام احمد بمبل اور سعودی عرب سے جنید اصغر، لاہور سے ''کاروانِ ختم نبوت'' کی مروہ خان اور کئی دوسرے ساتھیوں نے عطیات بھجوانے شروع کردیے۔ فوری طور پر

کلکٹریٹ آف کسٹمز کوئٹہ کے ساتھیوں سے رابطہ کیا۔ کسٹم کے ساتھی کولیگ شاہ فیصل، جس کا تعلق کوئٹہ سے ہے، نے کوئٹہ کلکٹریٹ آف کسٹم کے انسپکٹر خالد ماٹو کے ذمے لگایا کہ 150 خاندانوں کے لیے راشن خرید کر ماشکیل بھجوا دے۔ خالد کو فوری طور پر رقم بھجوائی گئی۔ کسٹمز ہیلتھ کیئر سوسائٹی کی جانب سے خالد گھنٹوں کا سفر کر کے دالبندین پہنچا۔ دشوار گذار اور پُرخطر سفر ہے۔ جگہ جگہ لٹنے بلکہ مارے جانے کا خدشہ ہے۔ یہاں پہنچتے پہنچتے شام ہوگئی۔ دالبندین سے ماشکیل کا فاصلہ تو 200 کلومیٹر کے قریب ہے لیکن کچا اور صحرائی راستہ ہے۔ ہر طرف ریت کے بگولے اڑتے اور تیرتے نظر آتے ہیں۔ میلوں پانی اور آدم کا نام ونشاں نہیں ملتا۔ بے رحم قسم کا علاقہ ہے۔ بعض سیاح یہاں پہنچنے سے پہلے راستے میں ہی راہیٔ ملکِ عدم ہو جاتے ہیں۔ خالد کو رات کو گاڑی نہ ملی۔ صبح سویرے دو پک اپ میں سامان لوڈ کروا کر کچے راستوں پر چل کر شام کو ماشکیل پہنچا۔ گھر بیٹھے اندازہ نہیں ہوتا کہ کتنی تباہی ہوئی۔ خالد سے مسلسل رابطہ رہا۔ خالد نے بتایا کہ تمام مکانات گر گئے ہیں۔ گرمی زوروں پر ہے۔ تپتے سورج کے نیچے ہزاروں لوگ اپنے بچوں اور عورتوں کے ساتھ بیٹھے ہیں۔

زلزلہ زدگان کو جب بتایا کہ لاہور سے آپ کے لیے راشن آیا ہے تو ان کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ ان کا کہنا تھا کہ ابھی تک تو لاہور اور پنجاب کے بارے میں یہی سن رکھا تھا کہ وہ استحصال کرتے ہیں۔ لاہور والے چھوٹے صوبوں کا حصہ بھی کھا جاتے ہیں لیکن اب اندازہ ہوا کہ ان کو ہمارا کتنا خیال ہے۔ زلزلہ زدگان نے مزید کہا کہ پنجاب والوں کو کہیے کہ ہمارے لیے فوری طور پر خیمے اور چٹائیاں اور کپڑے بھجوائیں۔ زلزلہ زدگان کی تکالیف کا احساس کرتے ہوئے مزید سامان بھجوانے کی تیاریاں شروع کر دی گئیں۔ 449 جہاں زیب بلاک، علامہ اقبال ٹاؤن، لاہور میں امدادی کیمپ لگا دیا گیا۔ کوئٹہ میں عبدالحنان سے رابطہ کیا اور انھیں رقم بھجوا کر پیغام دیا کہ 150 خاندانوں کے لیے بہترین خیمے اور چٹائیاں خرید لیں۔ بچوں کے لیے تحائف پیک بنا لیے گئے کیونکہ زلزلہ زدہ علاقوں میں کام کرتے ہوئے دیکھا ہے کہ خوف زدہ اور ڈرے ہوئے بچوں کو جب چھوٹے چھوٹے تحائف ملتے ہیں تو ان کی خوشی دیدنی ہوتی ہے۔ دواؤں کی وافر مقدار بھی اکٹھی کر لی گئی۔ لوگوں کی فلاح کے لیے جب بھی ارادہ کیا ملک کے کونے کونے سے عطیات آنا شروع ہو جاتے ہیں۔ بچوں اور بڑوں خاص کر عورتوں کے لیے کپڑے بھی پیک کر لیے گئے اور سارا سامان پی آئی اے (PIA) کی کوئٹہ فلائٹ کے ذریعے روانہ کر دیا گیا۔ جوں ہی حالات ذرا بہتر ہوتے ہیں گھروں کی تعمیر میں بھی مدد کی جائے گی۔ ماشکیل کے زلزلہ زدگان کی مدد کے لیے طابیٰ فاؤنڈیشن کے خالد بٹ سے بات ہوئی۔ انھوں نے فوراً اپنی ڈیزاسٹر مینجمنٹ کمیٹی کا اجلاس بلایا جس میں مختلف تنظیموں کے ارکان نے شرکت کی۔ لمز یونیورسٹی، نسٹ یونیورسٹی اسلام آباد، بیکن ہاؤس سکول سسٹم اور دوسری تنظیموں کے تعاون سے ماشکیل کے زلزلہ زدگان کے لیے اچھی خاصی رقم

اور امدادی اشیاء اکٹھی ہوگئیں جنھیں ماشکیل روانہ کر دیا گیا۔ کاوش ویلفیئر ٹرسٹ نے خیموں کے لیے رقم مہیا کی۔ ساری امدادی اشیاء اور خیمے کوئٹہ سے خرید کر دالبندین روانہ کر دیے گے۔ دالبندین سے کسٹمز ہیلتھ کیئر سوسائٹی کے معاونین نے پک اپ لیں اور سارا سامان لوڈ کر کے ماشکیل کے لیے عازمِ سفر ہوئے اور رات گئے ماشکیل پہنچے۔

صبح سویرے جب فجر کی نماز کے بعد ماشکیل کے لوگ اٹھے تو وہ پنجاب سے پیار اور محبت کے تحائف اور امدادی اشیاء کی وافر مقدار دیکھ کر پھولے نہ سمائے۔ فوراً ہی اشیاء کی تقسیم شروع کر دی گئی۔ ماشکیل کے لوگ پنجاب سے محبت اور عقیدت کے ساتھ بھیجے ہوئے یہ تحائف وصول کر کے بہت خوش ہوئے اور انھوں نے اہلِ پنجاب کو ڈھیروں دعائیں دی۔ ماشکیل کے صحراؤں میں کسٹمز ہیلتھ کیئر سوسائٹی اور طابیٰ فاؤنڈیشن کے تعاون سے بھیجے گئے خیموں کی ایک چھوٹی دیدہ زیب بستی قائم ہے جسے دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ اہلِ پنجاب اور اہلِ لاہور کے دل اپنے مصیبت زدہ بھائیوں کے لیے دھڑکتے ہیں اور وہ ہر دم اُن کے لیے کچھ نہ کچھ کرنے کے لیے تیار رہتے ہیں۔ کسٹمز ہیلتھ کیئر سوسائٹی اور طابیٰ فاؤنڈیشن کے تعاون سے اب تک ماشکیل کے زلزلہ زدگان کے لیے 30 لاکھ کی امدادی اشیاء اور خیمے بھجوائے جا چکے ہیں۔ شروع شروع میں ماشکیل میں کچھ ملکی اور غیر ملکی فلاحی تنظیموں نے آ کر کام کیا۔ زلزلہ زدگان کو امدادی اشیاء مہیا کیں۔ ان تنظیموں میں فلاحِ انسانیت فاؤنڈیشن کا نام سرفہرست ہے لیکن اس وقت ماشکیل میں صرف کسٹمز ہیلتھ کیئر سوسائٹی کے جاں نثار کارکن کام کر رہے ہیں اور زلزلہ زدگان کو روزانہ کی بنیاد پر ضروری اشیاء مہیا کر رہے ہیں۔

اب بھی ماشکیل میں خیموں، چٹائیوں، برتنوں اور کھانے پینے کی اشیاء کی سخت ضرورت ہے۔ اس کے علاوہ ادویات کی بھی کمی ہے۔ ماشکیل جا کر اندازہ ہوا کہ یہاں لوگوں کے علاج معالجہ کے لیے کسی قسم کی سرکاری یا غیر سرکاری سہولت میسر نہیں۔ بیمار ہونے کی صورت میں بڑی پریشانی ہوتی ہے۔ ادویات کی ایک وافر مقدار بھیجی گئی تھی۔ ساتھیوں سے مشورہ کر کے ماشکیل کے زلزلہ زدگان کے لیے کسٹمز ہیلتھ کیئر سوسائٹی کے تعاون سے شہر کے وسط میں ایک چھوٹی سے ڈسپنسری قائم کر دی گئی جس سے مفت طبی سہولیات مہیا کی جائیں گی۔ اہلِ پنجاب اور اہل خیر کو دل کھول کر اپنی تجوریوں کے منہ کھول کر ماشکیل کے زلزلہ زدگان کی مدد کرنا چاہیے۔ مصیبت کی اس گھڑی میں ہم اپنے آفت زدہ بہن بھائیوں اور بچوں کی بروقت مدد کر کے سرخرو ہو سکتے ہیں۔ ابھی تک جذبۂ اخوت اور خدمت سے سرشار طابیٰ فاؤنڈیشن کے ارکان فلاحی اداروں، کسٹمز ہیلتھ کیئر سوسائٹی، کاوش ویلفیئر ٹرسٹ، وسیلہ فاؤنڈیشن، ہیومین ریلیف فاؤنڈیشن (یو۔کے)، Milestones، نعم النصیر، حیات فاؤنڈیشن، ضرار شہید ویلفیئر ٹرسٹ کے ساتھ ساتھ بیکن ہاؤس، لمز (LUMS) اور نسٹ (NUST) کی انتظامیہ اور طلباء نے اپنے متاثرہ بہن بھائیوں کی مدد کے لیے بڑھ چڑھ کر امدادی کام میں حصہ لیا ہے۔

بلوچستان میں آنے والے بڑے زلزلے

بلوچستان کے شہر کوئٹہ، چمن، لورالائی اور مستونگ انڈین پلیٹ کی مغربی سرحد پر واقع ہیں۔ اس لیے زلزلے آنے کے لحاظ سے یہ خطۂ ارض ہائی رسک زون میں ہے جبکہ اس سے ملحقہ علاقوں میں بھی زلزلے آنے کا امکان رہتا ہے۔ اسی وجہ سے بلوچستان ہمیشہ شدید زلزلوں کی زد میں رہا جن کی وجہ سے بہت زیادہ جانی و مالی نقصان ہوتا رہا ہے۔ زیادہ تر زلزلے انیسویں صدی کے آخری چار عشروں کے دوران ریکارڈ کیے گئے۔ بلوچستان میں آنے والے زلزلوں کی تفصیل درجِ ذیل ہے:

1- 1862ء میں بارکھان میں ایک شدید نوعیت کا زلزلہ آیا، جس میں 340 افراد جاں بحق ہوئے۔

2- 1865ء میں زلزلے نے کوہلو میں 3 دیہات کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیا۔

3- 1888ء میں دلکش وادی کوئٹہ میں ایک شدید زلزلہ آیا، جس سے کئی عمارات زمین بوس ہو گئیں۔

4- 1890ء میں سنجاوی میں ایک خطرناک زلزلہ آیا، جس نے لوگوں کی نیندیں حرام کر دیں۔

5- 1892ء اور 1893ء میں ژوب سے لے کر کوئٹہ اور خواجہ امران تک کا علاقہ شدید زلزلوں کی لپیٹ میں رہا، جن کے باعث صرف ژوب میں 3 گاؤں تباہ ہو گئے۔

6- 1899ء میں مکران کو اسی قسم کی صورتِ حال کا سامنا کرنا پڑا۔ ایک سال بعد سنجاوی میں زلزلوں کا ایک سلسلہ شروع ہوا، جس میں تسلسل سے ہر دوسرے تیسرے دن زلزلہ آتا تھا۔ یہ سلسلہ ایک مہینے تک جاری رہا۔ جیسا کہ 29 اکتوبر 2008ء کے زلزلے کے بعد 24 دسمبر 2008ء تک 1500 سے زیادہ چھوٹے اور درمیانے درجے کے زلزلے آفٹر شاکس کی صورت میں ریکارڈ کیے جا چکے ہیں۔

7- 1902ء میں کوئٹہ، پشین، گلستان اور قلعہ عبداللہ میں شدید نوعیت کے زلزلوں سے بہت سارے مکانات ملبے کا ڈھیر بن گئے۔ اس کے بعد 29 سال تک خاموشی رہی۔

8- 1931ء میں 27 اور 28 اگست کی درمیانی رات سندھ اور بلوچستان میں شدید نوعیت کا زلزلہ آیا۔ اس زلزلہ کا دورانیہ 4 منٹ تھا۔ ان چار منٹوں میں مکانات زخمی پرندوں کی طرح زمین پر آ گرے۔ زلزلے کے یہ جھٹکے مسلسل تین دن تک جاری رہے اور مجموعی طور پر 200 جھٹکے ریکارڈ کیے گئے، جن

میں 63 زلزلے اس تباہی کے پہلے روز محسوس کیے گئے۔ ان زلزلوں نے آبِ گم، مچھ، سنی شوران اور پانیر کو مکمل طور پر تباہ کر کے رکھ دیا کیوں کہ زلزلے کا مرکز ان علاقوں کے قریب درۂ خوجک میں تھا۔ صرف کوئٹہ میں ان زلزلوں سے 10 ہزار افراد جان سے ہاتھ دھو بیٹھے اور سینکڑوں زخمی ہوئے۔ شہر کے مکانات اور بازاروں کو شدید نقصان پہنچا۔ کوئٹہ میں آئے ہوئے سیاح بالخصوص سندھ سے تعلق رکھنے والے افراد ڈر کے مارے پہلی فرصت میں کوئٹہ سے نکل گئے۔ شوران میں صرف ایک خاندان کے افراد موت کے منہ میں جانے سے بچ پائے اور باقی تمام افراد جاں بحق ہوئے۔ ڈھاڈر میں بھی ایک سو سے زائد لوگ جاں بحق ہوئے۔

9- 1935ء میں آنے والے زلزلے نے قلات شہر کو مکمل طور پر اور کوئٹہ کے بیشتر حصے کو تباہ کر کے رکھ دیا۔ اس زلزلے میں 50 ہزار سے زائد افراد اپنی جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھے۔

زلزلہ آواران، بلوچستان اور پاکستان

کراچی سے آواران:

صبح سویرے اٹھے۔ تہجد کی نماز ادا کی۔ مروت صاحب نے کہا دعائیں پڑھ لیں۔ دعائیں قبول ہونے کا وقت ہے۔ آج کل حج کے دن ہیں۔ ہر وقت دل حج کی طرف لگا رہتا ہے۔ دل چاہتا ہے پر لگ جائیں اور چشم زدن میں مکہ مدینہ پہنچ جاؤں۔ ہوٹل کی مسجد میں، جو سمندر کے عین کنارے پر واقع تھی، فجر کی نماز باجماعت ادا کی۔ باجماعت نماز ادا کرنے میں بڑی برکت ہے۔ دل میں آرزو ہو تو بندہ باجماعت نماز ادا کر ہی لیتا ہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ جہاں بھی گئے باجماعت نماز کی سعادت ملی۔ دبئی میں اطہر نوید کے ساتھ جوڑی رہی اور ہر جگہ پانچوں وقت ساری نمازیں باجماعت ادا کیں۔ اللہ کا شکر ادا کیا جس نے باجماعت نماز پڑھنے کی توفیق دی۔

کراچی سے دعاؤں کے ساتھ کہ یا اللہ کراچی کو امن کا گہوارہ بنا، آواران کا مشکل، پرخطر، جاں گسل سفر شروع ہوا۔ شہر سے نکل کر پٹھان ہوٹل میں ناشتہ کیا۔ بل دار پراٹھے ایسے دل کو بھائے کہ سب ساتھیوں نے پیٹ اور جی بھر کے کھائے۔ پیٹ بھر کے کھانے کا فائدہ ہوا کیونکہ اگلے دس گھنٹے کھانے کو کچھ نہ ملا۔ باورچی کو بہترین خستہ پراٹھے بنانے پر انعام دیا۔ شفقت نیازی نے نہ صرف سمندر کے کنارے بیچ لگژری ہوٹل میں بکنگ کرائی تھی بلکہ ڈرائیور فیروز کو گاڑی سمیت بھیج دیا۔ کراچی آ کر اور شہرِ قائد میں قیام کر کے محسوس ہی نہ ہوا کہ شہر میں بدامنی ہے، دہشت گردی ہے یا گھیراؤ جلاؤ ہے۔ قیام کے دوران دل سے بار بار یہی دعا نکلتی ہے کہ اللہ میرے کراچی کو محفوظ رکھے۔ کیوں کہ کراچی پاکستان ہے۔ پاکستان کراچی کے بغیر کچھ بھی نہیں۔ کراچی میں راقم کی کتاب ''اللہ کعبہ اور بندہ'' کی رونمائی ایک یادگار تقریب رہی۔ بڑے بڑے نام وَر شعرا، ادبا اور مذہبی سکالرز نے کتاب پر مضمون پڑھے۔ کسٹمز آفیسرز کی طرف سے محمد طاہر ایڈیشنل کلکٹر، واجد علی، طارق عزیز اور دوسرے شامل ہوئے۔ سینکڑوں لوگوں نے تقریب میں شرکت کی۔ لاہور ایئرپورٹ سے روانہ ہوتے ہی مروت صاحب کا ڈنڈا زیرِ بحث رہا۔ پی آئی اے (PIA) والوں نے آگے جانے دیا مگر اے ایس ایف (ASF) والے ڈر گئے۔ انھوں نے کہا کہ آپ ڈنڈا ساتھ نہیں لے جا سکتے، بک کروائیں۔ یوں مروت صاحب کا ڈنڈا رجسٹر ہو گیا۔ کراچی اتر کر جب سامان کا انتظار کر رہے تھے تو ایک ایک کر کے سارے کارٹن اور بیگ آ گئے مگر ڈنڈا نہیں آیا۔ آخر میں آیا تو پٹھان کی جان میں جان آئی۔ مروت صاحب کی اونچی پگ،

ڈنڈے اور چادر نے سب کو متاثر کیا۔ ''تیشہ کو بکن'' کے مصنف محمد محسن نے آرٹس کونسل میں پھبتی کسی کہ طالبان کدھر سے آ گئے ہیں۔ آواران جانا تھا، ضرور جانا تھا، سر کے بل جانا تھا۔ سب ڈر رہے تھے۔ ایک دو ساتھی ڈر کے مارے راستے میں کھسک گئے۔ بچے اور اہلیہ شروع میں تو بہت پریشان ہوئے۔ نہیں جانے دینا، خطرہ ہے۔ فوج پر حملے ہو رہے ہیں۔ ادھر بیٹھ کر خدمتِ خلق کرتے رہو مگر جب دیکھا کہ جانے کا پکا ارادہ ہے تو کہنے لگے جائیں اللہ خیر کرے گا۔ اللہ حفاظت کرے گا۔ حنیف عابد اور پنجاب ٹی وی کے کیمرہ مین سہیل نے لاہور اور ملتان واپس جانے میں عافیت جانی۔ دعاؤں کے ساتھ ہوٹل سے روانہ ہوئے۔ حب سے آگے بڑھتے ہوئے راستے میں کئی مقامات پر نیٹو افواج کے کنٹینر سامان سمیت جلے ہوئے نظر آئے۔ پوری ڈار کی ڈار جلی ہوئی دیکھ کر گمان ہو رہا تھا کہ بمباری سے کنٹینرز جلے ہوئے پڑے ہیں۔ راستے میں اونچے نیچے، کٹے پھٹے، آڑے ترچھے پہاڑ نظر آ رہے تھے۔ حب سے تھوڑا سا آگے ماربل سٹی نظر آیا۔ جہاں ماربل بنانے کے لیے پتھر توڑنے کی بڑی بڑی وسیع و عریض رقبے پر پھیلی ہوئی تھیں۔ مروت برابر فون پر بیٹھے ملک بھر کے لوگوں کو گائیڈ لائن دینے میں مصروف تھے۔ کسٹمز کے ایس پی او (SPO) مالک بلوچ اور سپاہی کرم لاسی حب چوکی سے شامل ہوئے۔ کرم لاسی نے تھوڑی دور جا کر سرکاری نمبر پلیٹ بدل دی۔ حب سے آگے بلوچستان کی حدود شروع ہو جاتی ہیں۔ سفر جاری تھا، مروت صاحب فون پر باتیں کر کے تھک چکے تھے اور اب نیند کے مزے لے رہے تھے۔ لسبیلہ تک کا راستہ بالکل صاف ہے، کشادہ سڑک ہے۔ آگے جا کر رش بھی کم ہو جاتا ہے۔

بیلہ اور لسبیلہ کے پہاڑ:

بیلہ میں آواران کے زلزلہ زدگان کے لیے کیمپ نظر آنا شروع ہو گئے۔ یہاں سے متاثرین کی امداد و بحالی کے لیے کی جانے والی کوششیں نظر آ رہی تھیں۔ یہاں سے ایک راستہ بیلہ سٹی اور دوسرا کوئٹہ کو جاتا ہے۔ مروت صاحب بیلہ لے گئے مگر پوچھنے پر پتہ چلا کہ کوئٹہ روڈ سے جانا ہے۔ دوبارہ بیلہ گئے اور کوئٹہ روڈ پر ہو لیے تا کہ آواران کی راہ لیں۔ منزل ابھی دور ہے۔ صبح 6 بجے سے چلے ہوئے ہیں۔ ایک بار پھر شاہراہ آر سی ڈی (RCD) پر آ گئے۔ آواران کا راستہ شروع ہوتے ہی دور پتھریلے، کالے، مٹیالے، بھورے پہاڑ نظر آنا شروع ہو گئے۔ بلوچ مہمان نواز ہیں۔ ایک جگہ چائے پی تو چائے والے نے پیسے نہ لیے کہ آپ مہمان ہیں۔ سامنے آواران کے بلند و بالا پہاڑ نظر آ رہے ہیں۔ آڑے ترچھے، کٹے پھٹے پہاڑ ہیں۔

انھیں پتھروں پہ چل کر اگر آ سکو تو آؤ
مرے گھر کے راستے میں کوئی کہکشاں نہیں ہے
(مصطفیٰ زیدی)

زندگی کا جاں گسل، پُرخطر، مشکل ترین اور دشوار گزار راستوں پر اندیشوں اور خطرات سے پُر سفر جاری ہے۔ اللہ نے 8 اکتوبر 2005ء سے لے کر مخلوقِ خدا کی خدمت کے لیے سینکڑوں سفر کرائے لیکن کسی اور سفر میں اس طرح کے اندیشے اور خطرات نہیں تھے۔ راستے میں مقامی تنظیموں کی طرف سے کیمپ لگے ہوئے تھے۔ اوتھل، بلوچستان کے علاقے میں پہنچے۔ پاکستان کوسٹ گارڈ اور کسٹمز کی چیک پوسٹیں نظر آئیں۔ لق و دق صحرا، ریگستان، کچے کوٹھے، کہیں کہیں اکا دکا گھر۔ بیچ میں بلاکوں کی بنی کچی مسجد..... یہ ان علاقوں کا خاصہ ہے۔ بیلہ میں کہیں کہیں فاصلے پر 5 گھر، دس گھر، کچے گھانس پھونس کی طرح اُگے ہوئے نظر آتے ہیں۔ راستے میں جا بجا ریت کے ٹیلے، اونچے نیچے، چھوٹے اور بڑے پہاڑ ہیں۔ بلوچستان کی اماں سڑک کے کنارے اداس کسی کے انتظار میں بیٹھی تھی۔ گاڑی روکی تو پریشان ہوگئی۔ قریب بلایا حیران اور پریشان ہوتی آگے بڑھی۔ پیسے دیے تو خوش ہوگئی۔ ہزار کا نوٹ دیکھ کر کبھی نوٹ کو اور کبھی ہمیں دیکھنے لگی۔ نعمت غیر مترقبہ ملنے پر پھولی نہ سمائی اور دعا دی۔ اس کی دعا کی بدولت اللہ نے خیریت رکھی۔ اللہ کے راستے میں آدمی نکلتا ہے تو اللہ ضرور مدد فرماتے ہیں۔

کچے راستے، مٹی کے گھروندے:

دن بھر شدید گرمی تھی مگر سارے راستے بادلوں کا سایہ رہا۔ بلوچستان رقبہ کے لحاظ سے ملک کا سب سے بڑا صوبہ ہے مگر آبادی لاہور سے بھی کم ہے۔ بلوچستان کی زمین معدنی دولت سے مالا مال ہے۔ اگر اس کے معدنی دخائر کو نکالا جائے تو اس دولت سے بشمول بلوچستان سارے پاکستان کی قسمت بدل سکتی ہے۔ ریکوڈک منصوبہ اگر ایمان داری اور دیانت داری سے چلایا جاتا تو بلوچستان کو بہت فائدہ ہوتا۔ آواران کا راستہ واقعی دشوار گزار ہے۔ اللہ کی قدرت ہے کہ کہیں کالے، مٹیالے، بھورے اور کہیں پتھریلے، ریتلے پہاڑ ہیں۔ ان کو دیکھ کر گمان ہوتا ہے دیو قامت وحشی منہ کھولے اپنی آغوش میں لینے کے لیے تیار کھڑے ہیں۔ سامنے اونچے پہاڑوں پر گمان ہوتا کہ بڑے بڑے اونچے قلعے بنے ہوئے ہیں۔ پتھروں اور پہاڑوں کے درمیان سے گزر کر آگے بڑھتے جا رہے تھے۔ راستے میں جاتے ہوئے ایک جگہ شیریں فرہاد کے مزار کا بورڈ نظر آیا۔ جا بجا کچے کوٹھے، گھانس پھونس کی چھتیں نظر آئیں۔ کہیں پانی کا نشان نہیں لیکن جہاں دس گھر بھی ہیں وہاں کوئی نہ کوئی چھوٹی سی کچی مٹی کی مسجد ضرور بنی ہوئی ہے۔ سڑک کہیں سے کچی اور کہیں پکی مگر کہیں جگہ جگہ کٹی پھٹی اور آڑھی ترچھی ہے۔ آگے چل کر سانپ کی طرح بل کھاتی سڑک ہو جاتی ہے۔

ریلیف کیمپ اور زلزلہ کی کہانی:

آواران کے قریب سڑک پر کھڑے ایک بابا کو پیسے دیے۔ خوش ہوگیا اور دعا دی۔ بیلہ سے آواران تک پہاڑ ہی پہاڑ ہیں۔ آواران شہر کے قریب عبدالغفور صاحب مل گئے۔ انہوں نے بتایا کہ زلزلے کے بعد

بھی لوگ راضی بہ رضا ہیں۔ آواران شہر میں مقامی اور ملکی تنظیموں اور بشمول پاکستان آرمی، فلاحِ انسانیت فاؤنڈیشن، خدمت کے شہر میں امدادی کیمپ لگے نظر آئے۔ زلزلے کے فوراً بعد سب سے زیادہ مدد مقامی لوگوں نے کی۔ ایک بجے کے قریب آواران شہر پہنچے۔ سڑک کے دونوں کناروں پر امدادی ٹرکوں کی قطاریں لگی نظر آئیں۔ چیک پوسٹ پر فوج والوں نے اینٹری کی۔ اتہ پتہ پوچھا۔ چیک پوسٹ پر پاکستان کا جھنڈا لگا ہوا تھا۔ امدادی ٹرک امدادی سامان کے ساتھ کھڑے تھے۔ آوران کے علاقوں میں دور دور تک زلزلے نے تباہی مچائی لیکن آواران شہر زلزلے سے کوئی زیادہ متاثر نہیں ہوا۔ عبدالغفور نے بتایا کہ زلزلے سے پہلے موسم خوش گوار تھا۔ جوں ہی زلزلہ آیا گرد و غبار کا ایک طوفان اٹھا جو 3 دن جاری رہا۔ اُس وقت سے اب تک موسم انتہائی گرم ہے۔ امداد و بحالی کا کام جاری ہے۔ آرمی کے کیمپ لگے ہوئے ہیں۔ یہاں گاڑیوں کے لیے ایرانی ڈیزل اور پٹرول ملتا ہے، جو کچھ سستا ہے مگر گاڑیوں کی مت مار دیتا ہے۔ آواران سے عبدالغفور صاحب اور شفقت اور قاری عبدالرحمٰن ہمارے ساتھ ہو لیے۔ آواران شہر میں زلزلے کے زیادہ اثرات نہیں ہیں مگر آس پاس مکانات اور دکانیں زلزلہ کی شکار نظر آئیں۔ عبدالغفور نے آواران میں ہمارا ریلیف سنٹر بنایا ہوا ہے۔ ان کے ساتھ کام کر کے اور لوگوں کی خدمت کر کے مزا آ رہا ہے۔ آواران میں چھوٹے بچے اور بچیاں گاڑی دیکھ کر جمع ہو گئے۔ بچوں کے لیے خصوصی طور پر عید قریب ہونے کی وجہ سے تحائف پیک بنائے تھے۔ بچے اور بچیاں گولیاں ٹافیاں اور تحائف لے کر بہت خوش ہوئے۔ آواران کے راستے میں کھجوروں کے جھنڈ کے جھنڈ تھے۔ کچی پکی سڑکیں تھیں۔ مالک بلوچ نے بتایا کہ مشکے میں کھجوروں کے زبردست باغات ہیں اور وہاں کی کھجور بہت لذیذ ہے۔ مروت نے عبدالغفور کو آواران بھائی کہنا شروع کر دیا۔ یہاں آ کر لگتا ہے کہ پہاڑ واقعی اللہ تعالیٰ کی میخیں ہیں۔ پتھریلے، ریتلے، بھورے، مٹیالے پہاڑ، ایک طرف مٹی، ایک طرف ریت، ایک طرف پتھر۔ ان پہاڑوں کا جلال اور کمال دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ موبائل فون کے سگنلز کہیں کہیں آتے ہیں۔ ان علاقوں میں سبزہ کم ہی نظر آتا ہے۔ میلوں آدم یا آدم زاد نظر نہیں آتا۔ پہاڑ راستے میں زیادہ ہیبت ناک ہو جاتے ہیں۔ مروت صاحب بے قرار ہیں۔ پشاور رابطے میں ہیں۔ وصی شاہ، عطاء الحق قاسمی، اسد اللہ غالب، اسرار بخاری سے رابطہ کیا۔ راستے میں موٹر سائیکل سوار ملا ''گولی دو، بیمار ہوں۔'' پتہ نہیں اسے کیسے پتہ چلا۔ گولی دی، اس کی تسلی ہوئی۔ ہمارا میڈیکل کیمپ پہنچنے سے پہلے ہی شروع ہو گیا۔ کچی، نوکیلے پتھروں والی سڑک پر دو دفعہ گاڑی پنکچر ہوئی۔ صبح 6 بجے سے چلے شام تک نہیں پہنچے۔ یہاں میلوں کوئی ذی روح نظر نہیں آتا۔ حقیقت میں جنگل بیابان ایسی جگہوں کو کہتے ہیں۔ گرمی زوروں پر ہے۔ ساتھیوں نے صبح کراچی میں پٹھان ہوٹل سے بل دار پراٹھوں کا ناشتہ تھا۔ پراٹھے اتنے مزے دار تھے کہ چھوڑنے کو دل ہی نہیں کر رہا تھا۔ پراٹھے راستے میں خوب کام

آئے۔ میلوں فاصلے پر چھوٹے چھوٹے مٹی کے گھر نظر آئے۔ پتہ نہیں کتنی دیر اور لگے۔ دُور بادلوں کے ساتھ کالے پہاڑ نظر آ رہے تھے۔

مالک بلوچ نے کہا یہ کالے پہاڑ نہیں سراب ہے۔ بادلوں کے سائے کی وجہ سے ایسے لگ رہے ہیں۔ گاڑی ریت میں پھنس گئی۔ رفیق نے بہتیرا زور لگایا۔ 4x4 لگایا۔ سب نیچے اترے اور دھکا لگایا۔ دعائیں کیں تو گاڑی آگے بڑھی۔ بکروں والا آ گیا۔ ارادہ بنایا کہ اس سے بات کر کے بکرے لے لیں تا کہ عید قربان پر جن دوستوں نے قربانی کا کہا ہے ان کے نام کی قربانی ہو جائے۔

بچوں کے لیے تحائف اور مروت صاحب کا ڈنڈا:

بزداد کے علاقے میں این ڈی ایم اے (NDMA) کے کیمپ لگے ہوئے تھے۔ یہاں پہنچ کر گرے ہوئے گھر اور زلزلے کے اثرات نظر آنا شروع ہو گئے۔ یہاں آبادیوں میں لگے رنگے برنگے خیمے بھی نظر آ رہے تھے۔ سڑک کے دونوں طرف تباہی کے اثرات نمایاں تھے۔ صبح 6 بجے سے چلتے چلتے شام ہونے کو ہے مگر سفر ختم ہونے کو نہیں آتا۔ لوگ سامان لینے کے لیے جمع تھے۔ ایک جگہ گاڑیاں رکیں تو چھوٹی چھوٹی بچیاں، لڑکیاں، عورتیں آگے آ گئیں۔ فوراً لاہور سے پیک کیے ہوئے عید کے تحائف نکالے۔ پہلی بچی جھینپتی شرماتی لجاتی آگے بڑھی۔ جوں ہی تحفہ، پونیوں اور نئے نویلے نوٹوں والا تحفہ ملا، خوشی سے اچھلتی کودتی سکھیوں کے پاس گئی۔ فخر سے دکھایا تو اب سب آ گئیں۔ جمگھٹا لگ گیا۔ گاڑی شاید اسی لیے رکی تھی کہ ان بچیوں کو تحائف مل جائیں۔

راستے میں ایک بڑی گاڑی میں لوگ جا رہے تھے۔ مدرسے کے بچے تھے۔ ان سب کو مروت صاحب نے اپنے ڈنڈے کے زور سے ایک قطار میں کھڑا کیا۔ سارے بچے قطار میں لگ گئے۔ بسکٹ، ٹافیاں، تحائف دیکھ کر پھولے نہ سمائے۔ خوشی سے ان کے چہرے دمکنے لگے۔ ایک دوسرے کو دکھانے لگے۔ سب کو تحائف ملے۔ بچوں نے خوشی سے نعرے لگائے۔ 1984ء میں حب ڈیم بنا جس کی وجہ سے کراچی کو بہت فائدہ ہو رہا ہے۔ ان علاقوں میں بارشیں ہوں تو پانی بڑی تیزی سے آتا ہے۔ یہاں بھی حب ڈیم کی طرز پر چھوٹے بڑے ڈیم بنائے جا سکتے ہیں۔ ان دنوں ونڈر ڈیم زیرِ تکمیل ہے۔ بلوچستان میں ویسے ہی پانی کا مسئلہ ہے۔ بھوک سے ساتھی بے حال ہیں مگر متاثرہ علاقوں میں پہنچنے کا جذبہ کمال کا ہے۔ بے کسوں کی خدمت کرنی ہے۔ اجر اللہ سے لینا ہے۔

راستہ کٹ نہیں رہا:

زلزلہ زدہ علاقوں میں کھلے میدان میں لوگ اپنے گھروں کے ملبے پر چھوٹے بڑے، رنگ برنگے،

اودے پیلے، کالے نیلے، سفید خیمے لگائے موجود تھے۔ صبح سے سفر اور منزل کا انتظار کرتے کرتے ساتھیوں کے پیٹ قل ہواللہ پڑھ رہے تھے۔ مروت صاحب کے بقول پہنچنے کے انتظار میں روٹی کی طلب ہی ختم ہوگئی ہے۔ ناشتہ ڈٹ کر کیا تھا اس لیے زیادہ مسئلہ نہیں ہوا۔ یہاں ریگستان اور پہاڑوں کے علاوہ کچھ نظر نہیں آیا۔ اسلام آباد کی تنظیم ہیلپنگ ہینڈ (Helping Hand) کے کچھ افراد تھے جو کام ختم کر کے آ رہے تھے۔ اس بے آب و گیاہ علاقے کے سفر کو صبح چھ بجے سے شام چھ بجے 12 گھنٹے ہوگئے ہیں۔ شام کے سائے گہرے ہوتے جا رہے ہیں۔ مروت صاحب کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوگیا۔ عبدالغفور سے لڑ پڑے۔ تم نے ہماری نماز خراب کر دی۔ جیسے تیسے لیویز کی چیک پوسٹ پر چمڑے کے مشکیزوں میں سے تھوڑا تھوڑا پانی لے کر وضو کیا۔ پانی کی اہمیت کا اندازہ ان علاقوں میں آ کر ہوتا ہے۔ ہم نہاتے، وضو کرتے، کپڑے دھوتے، گاڑیاں دھوتے سینکڑوں گیلن پانی روزانہ ضائع کرتے ہیں۔ یہاں ایک ایک قطرہ کی اتنی اہمیت ہے۔ پتہ نہیں کہاں سے کس طرح پانی لاتے ہیں۔ بھورے، ریتلے، مٹیالے پہاڑ اب کالے نظر آ رہے ہیں۔ لمبا ترین سفر ختم ہونے کو نہیں آ رہا۔ سفر زندگی ہے۔ سفر وسیلۂ سفر ہے۔ مخلوقِ خدا کی خدمت میں کئی سفر کیے مگر ایسا سفر پہلے نہ ہوا تھا کیونکہ اس سفر میں مشکلات کے علاوہ اندیشے بھی تھے، خدشات بھی تھے۔ مالار کا علاقہ شروع ہوتے ہی زلزلے کی تباہی کے مزید واضح آثار نظر آنا شروع ہوگئے۔ جہاں جہاں پانچ، دس یا بیس گھروں کی آبادی تھی ان سب کے گھر ملبے کا ڈھیر بنے ہوئے تھے۔ کچھ بھی باقی نہ بچا تھا۔ اس علاقہ میں آ کر یوں لگتا ہے کہ کبھی کوئی یہاں رہتا ہی نہیں تھا۔ آواران شہر میں داخل ہوتے وقت لگتا تھا کہ زلزلہ آیا ہی نہیں لیکن آواران سے مالار کے سفر نے زلزلہ کی تباہ کاریاں دکھانی شروع کر دیں۔

آواران اور مالار:

ٹوٹے ہوئے گھر، برباد بستیاں، کھلے آسمان تلے پڑے مکین نظر آئے۔ لاہور میں رہتے ہوئے یہی سنا تھا کہ صرف آواران شہر زلزلے سے متاثر ہے لیکن آواران کے پورے شہر میں امن تھا، سکون تھا، کوئی پریشانی نہ تھی۔ عبدالغفور ہر گھنٹے بعد بتاتے ایک گھنٹہ کا سفر باقی ہے۔ گھنٹہ گھنٹہ کرتے 6 گھنٹے گزر گئے۔ پٹھان مست ہونے لگا تھا کہ عبدالغفور نے بھانپ لیا۔ عصر کی نماز کے لیے گاڑیاں رکوا دیں۔ دس منٹ اور آگے جانا ہے لیکن دس منٹ کٹتے ہی نہ تھے۔ مغرب کا وقت ہوگیا۔ شام کے سائے گہرے ہونے لگے۔ پل بھر میں گھپ اندھیرا چھا گیا۔ ساتھی صبح 6 بجے سے ناشتے کے ساتھ سفر کر رہے تھے۔ راستے میں سُوکھی گھاس بھی نہ ملی تھی۔ پینے کو گدلا پانی، کسی نے منہ نہ لگایا۔ کامران نے اُلٹیاں کرنا شروع کر دیں۔ 12 گھنٹے کے سفر نے کس بل نکال دیے پھر اس بات کا بھی غم تھا کہ کچھ کام نہ ہوا لیکن جب منزلِ مقصود آئی تو جان میں جان آئی۔

مکہ اور مدینہ کی اذان:

عبدالغفور صاحب کی اذان نے مکہ مدینہ کے دنوں کی یاد تازہ کر دی۔ ذی الحجہ کے انہی دنوں میں پچھلے سال حرمِ کعبہ تھا یا حرم نبویؐ اور ہم تھے۔ حرم اور مسجد نبویؐ کے مؤذن کے انداز میں اذان دی۔ نماز کے فوراً بعد گرم گرم کھانا آ گیا۔ مزے دار سالن تھا۔ ساتھیوں نے جی بھر کر کھایا۔ غصہ رفع ہو گیا۔ مروت صاحب کا موبائل گم ہو گیا۔ کھانا بھی دل سے نہ کھایا اگرچہ بھوک سے بولا بھی نہ جا رہا تھا۔ کھانے کے بعد گدلے پانی کی کالی چائے پی کر جان میں جان آئی۔ عشاء کی نماز بھی عبدالغفور صاحب نے مکہ مدینہ کی اذان کی یادوں کے ساتھ پڑھائی۔

مشورہ سنّتِ نبویؐ:

نماز کے بعد اللہ کے حکم اور نبیؐ کی سنت کے مطابق مشورہ کیا۔ سب ساتھیوں سے رائے لی اور پروگرام بنا کہ کل صبح سے شام تک پورا دن جم کر کام کرنا ہے۔ زیادہ سے زیادہ وقت خدمت اور علاج میں گزارنا ہے۔ بکرے والے سے بکرے خریدے 8 بکرے 91000 روپے کے مل گئے۔ لاہور سے دوستوں نے آواران میں قربانی کے لیے کہا تھا۔ مالک بلوچ اور لاسی نے بہتیرا کوشش کی کہ دام کم ہو جائیں مگر بکرے والا نہ مانا۔ نماز اور مشورہ سے فارغ ہی ہوئے تھے کہ پہاڑوں سے گھن گرج کی آوازیں شروع ہو گئیں۔ ساتھی گھبرا گئے۔ عبدالغفور صاحب اور بابر صاحب کہنے لگے فکر نہ کریں یہ یہاں کی روٹین ہے۔ ساتھیوں کے ساتھ مشورہ ہوا کہ سنّت کے مطابق ساتھی دو دو گھنٹے کی ڈیوٹی دیں گے۔

مقامی ساتھیوں نے بتایا کہ 24 ستمبر کو سوا چار بجے بجے آرام سے سو رہے تھے کہ اچانک زوردار گڑگڑاہٹ ہوئی، زمین کانپنے لگی۔ تھرتھراہٹ ہوئی، دو تین جھٹکے لگے۔ عبدالغفور سوئے ہوئے تھے، اٹھے تو گھر کی کھڑکیاں دروازے ٹوٹ کر گر چکے تھے۔ فوراً باہر دوڑے تو پیچھے سے چھت گر پڑی۔ ایک مسجد میں بچے قرآن پڑھ رہے تھے کہ اچانک زلزلہ آیا۔ مسجد زمین بوس ہوئی۔ 20 بچے اور قاری صاحب شہید ہو گئے۔ سارا دن خوب گرمی اور حبس رہا۔ خوب پسینہ آیا۔ جوں ہی کھانے سے فارغ ہوئے آسمان کو سیاہ بادلوں نے گھیر لیا۔ بجلی چمکنے لگی۔ صفیں باہر بچھی تھیں۔ تیز ہوا چلی، اندر گئے۔ موسلا دھار بارش شروع ہو گئی، جس سے مٹی بیٹھ گئی۔ پچھلے سال بدر کے میدان کی سیر یاد آ گئی۔ وہاں بھی بارش ہوئی تھی مٹی بیٹھ گئی تھی جس سے صحابہ کو قدم جمانے میں آسانی رہی۔ ریت میں گاڑی دو دفعہ پھنسی۔ مالاکنڈ میں گھر والوں سے کوئی رابطہ نہیں۔ صرف وی فون یہاں چلتا ہے۔ عبدالغفور کے گھر جا کر یمنیٰ حذیفہ اور ماہ نور سے بات کی۔ تسلی دی۔ رات کو سونے کے لیے مسجد کے

باہر بستر لگائے۔ 10 بجے کے قریب باہر مسجد الحدیث ''جان محمد بازار'' کے وسیع و عریض صحن میں بستر لگ گئے۔ گھروں میں جو کچھ تھا، آ گیا۔ لحاف، بستر، خادمین الحرمین شریفین کی طرف سے دیے گئے کمبل آ گئے۔ بارش کی وجہ سے رات خنکی میں اضافہ ہوگیا۔ تاروں بھری رات، عجیب سہانا موسم تھا مگر سیکیورٹی خدشات کی وجہ سے نیند نہ آئی۔ رات تارے گنتے گزر گئی۔ رات کو فائرنگ ہوئی تھی۔ اس وجہ سے بھی پریشانی تھی۔ امیر اللہ اور زاہد پوری رات اسلحہ کے ساتھ جاگتے رہے۔ مسجد کی دیواروں پر کھڑے ہو کر اور اللہ کے مہمانوں کی پہرے داری کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔ اڑھائی بجے اٹھ کر تہجد کے نوافل پڑھے۔ پاکستان اور علاج اور خدمت کے دوستوں کے لیے دعا کی۔ خنکی زیادہ ہوئی تو نیند آ گئی۔ فجر کے لیے عبدالغفور صاحب نے اٹھایا۔ سب نے اکٹھے فجر ادا کی۔ مروت صاحب نے حسبِ سابق بیان فرمایا کہ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے ادھر آنے، اور اپنے بندوں کی خدمت کی توفیق دی۔ اللہ یہ خدمت قبول کرے۔ اس وقت اجتماعی توبہ کی ضرورت ہے۔ اللہ سے لو لگائیں۔ اسی سے پناہ مانگیں۔ اللہ اپنے بندوں سے 70 ماؤں سے زیادہ محبت کرتا ہے۔ اسلم مروت نے رقت آمیز دعا کی، ایسی دعا کہ سماں بندھ گیا۔ سب اللہ کے سامنے رو پڑے۔ اللہ کا شکر ہے اس نے ہزاروں میل کا سفر طے کر کے اپنے بندوں کے پاس آنے اور ان کی خدمت کرنے کی توفیق دی۔ مروت صاحب نے اپنے بیان میں کہا کہ جب تک ہم دنیا پر تکیہ چھوڑ کر اللہ پر تکیہ نہیں کریں گے مسئلہ حل نہیں ہوگا۔ صبح سویرے سب ساتھی اٹھ گئے تاکہ کیمپ شروع کیا جا سکے۔ ایک ٹیم کو روانہ کر دیا کہ گرے ہوئے گھروں اور مساجد کا سروے کریں تاکہ مسجدوں کی تعمیر کے لیے کوئی منصوبہ بنایا جائے۔ اللہ کے فضل سے ناشتے سے پہلے مالار کے زلزلہ زدہ علاقوں میں اپنا کیمپ شروع ہوگیا۔

جان محمدؒ بازار میں کیمپ:

مالار کی اس بستی جان محمد بازار میں جو زلزلہ میں بالکل تباہ و برباد ہوگئی ہیں، سب سے پہلے کسٹمز ہیلتھ کیئر سوسائٹی کی طرف سے امداد پہنچی۔ یہاں جتنے خیمے لگے ہوئے ہیں وہ ہمارے توسط سے یہاں پہنچے۔ صبح سویرے عورتیں، بچے، جوان اور بوڑھے جمع ہوگئے۔ میڈیکل کیمپ شروع ہوگیا۔ عبدالغفور سے بلوچی زبان کے کچھ فقرے سیکھ لیے تاکہ مریضوں کی بات سمجھ آ سکے۔ ڈاکٹر اور مریض کا رشتہ محبت اور اعتماد کا رشتہ ہے۔ زبان نہ آتی ہو تو مریض اور ڈاکٹر میں ہم آہنگی نہیں ہوتی۔ بلوچی میٹھی زبان ہے۔ جب مریضوں کے ساتھ بلوچی کے فقرے بولتا تو وہ محظوظ ہوتے مگر بات سمجھنے میں آسانی ہوگئی۔ مثلاً:

جاں درد لپ درد (پیٹ درد)' لپ روت (ڈائریا)' گلگ (کھانسی)' خرش (خارش)' پشت درد

(کمر درد) وغیرہ۔ ادھر آ کر احساس ہوا کہ واقعی یہاں کے بڑے مسائل میں غربت، افلاس، سہولیات کی عدم فراہمی ہے۔ پیلے زرد چہرے والی خون کی کمی کی شکار 5-6 بچوں کی مائیں؛ سوکھے، پتلی ٹانگوں والے بچے۔ ہر عورت کا چہرہ کسی افلاس غربت کی تصویر۔ ایک طرف کیمپ جاری تھا۔ دوسری طرف اسماء کی لائی ہوئی چادریں اور سوٹ بٹ رہے تھے۔ ہوا میں خنکی تھی۔ کل سارا دن سخت دھوپ رہیں اور گرمی رہی مگر رات کی بارش نے موسم خوش گوار کر دیا۔ اللہ کے راستے میں جب بندہ نکلتا ہے تو اللہ کئی طرح سے اعزاز فرماتے ہیں۔ راستے آسان بنا دیتے ہیں۔ اللہ خود حفاظت فرماتے ہیں۔ زلزلے کو اتنے دن بیت گئے تھے۔ ان بستیوں کے اندر آ کر ان کے ساتھ بیٹھنے، گفتگو کرنے، ان کی کہانی سننے کا کسی کو حوصلہ نہ پڑا۔ امدادی اشیاء لانا اور تقسیم کرنا بھی بڑے ثواب اور دل گردے کا کام ہے مگر ان کے ساتھ قیام کرنا ان کے دکھ درد شیئر کرنا اور ان کی رنج والم تباہی و بربادی کی داستانیں سننا واقعی بڑے دل گردے کا کام ہے۔ جب ان بے خانماں، بے آسرا لوگوں کو یقین ہو جائے کہ کوئی دل سے ان کے ساتھ ہے تو اس کے سامنے دل کھول دیتے ہیں۔ کچھ بیان کرنے سے ہچکچاتے نہیں۔ ان زلزلہ زدہ علاقوں میں اللہ کے فضل سے ہماری ٹیمیں مقامی لوگوں کے توسط 24 ستمبر 2013ء زلزلہ آنے کے فوراً بعد سے کام کر رہی ہیں۔ خدمت ہو رہی تھی۔ کل سے ان کے ساتھ مل بیٹھنے، ان کے دکھ درد کی کہانی سننے اور ان کا علاج کرنے کا موقع بھی مل گیا۔ بلوچی زبان میٹھی زبان ہے۔ اس کے چند فقرے یاد کر کے مریض دیکھنے میں خاصی آسانی رہی مگر اس کے باوجود عبدالغفور اور کسٹمز کے ایس پی او (SPO) مالک بلوچ، جن کا تعلق زلزلہ زدہ علاقہ ماشکیل سے ہے، بھرپور ترجمانی کے فرض ادا کرتے رہے۔ ان کا اپنا گھر، اپنا گاؤں زلزلہ سے تباہ و برباد ہوا مگر ہمارے ساتھ بڑے حوصلے سے آواران، مالار کے لوگوں کی خدمت میں مشغول رہے۔

جان محمد بازار میں کسٹمز ہیلتھ کیئر سوسائٹی کی خیمہ بستی:

جان محمد بازار وہ سپیشل بستی ہے جہاں سب سے پہلے ہمارے ٹینٹ اور ترپالیں اور دوسرا ساز وسامان پہنچا۔ خوب صورت اور دیدہ زیب واٹر پروف خیموں کی بستی دیکھ کر دل خوش ہوا۔ زیادہ تر ایرانی خیمے تھے جو عبدالحنان شاہ کے ساتھیوں نے ہماری بھیجی گئی رقم سے خرید کر یہاں بھجوائے۔ خیمے بڑے کشادہ اور وسیع ہیں۔ عبدالغفور نے بتایا کہ زلزلہ کے فوراً بعد خیمے ملنے سے اس بازار (بستی) کے مکینوں کو اپنے مکان برباد ہونے کے فوراً بعد بچوں کے ساتھ سر چھپانے کی جگہ مل گئی۔ وسیع وعریض علاقوں میں 50 خیموں کی اس بستی کو دیکھ کر دل خوش ہوا کہ اللہ نے ان کے کام آنے کی توفیق دی۔ عبدالغفور، اسلم مروت، شفقت اور قاری عبدالرحمٰن پر مشتمل ٹیم شہید ہو جانے والی مسجدوں کے سروے پر تھی۔ سعودی عرب سے دردِ دل رکھنے والے درد آشنا ڈاکٹر جنید

اصغر، جو گزشتہ کئی سال سے بے کسوں، ناداروں اور آفت زدہ اور خصوصی طور پر دور دراز کے علاقوں میں کنویں، ہینڈ پمپ اور مساجد بنانے کے لیے عطیات بھجواتے رہتے ہیں، سے بات ہوئی۔ انھیں حالات سے آگاہ کیا تو فوراً بڑے دل والے جنید نے کہا کہ یہاں شہید ہونے والی بڑی مسجد بنوادیں اور اس کے لیے فوراً رقم بھی بھجوادی۔

مریض آتے گئے علاج ہوتا گیا۔ دل اور دماغ اللہ کا بھرپور شکر ادا کر رہے تھے جس نے اس دور افتادہ علاقے میں آنے اور ان لوگوں کی خدمت کرنے کی توفیق دی۔ ایک طرف علاج جاری تھا دوسری طرف تحائف، چادریں اور کپڑے بانٹے جا رہے تھے۔ محبت بھری آوازیں آ رہی تھیں۔ اگرچہ بلوچی زبان سے آشنائی نہیں مگر لوگوں خصوصاً عورتوں اور بچوں کے دمکتے چہرے حالِ دل سنا رہے تھے۔ جہاں زبان سمجھ نہ آئے تو وہاں آنکھیں محبت اور عقیدت کی زبان بن جاتی ہیں۔ آنکھیں محبت اور نفرت دونوں کا حال بتا دیتی ہیں۔

بلوچستان میں قربانی:

پچھلے کئی سال سے اللہ تعالیٰ نے توفیق دی ہوئی ہے کہ ملک کے مختلف علاقوں میں ہر سال غریبوں میں رمضان راشن تقسیم کیا جاتا ہے اور اس کے ساتھ عیدِ قربان کے موقع پر جانوروں کی قربانی کا بھی اہتمام ہوتا ہے۔ پچھلے سال (2012ء) میں اللہ تعالیٰ نے حج کی توفیق دی مگر پیچھے سے مخیّر حضرات اعجاز سکّا، خرم سکّا، محبوب شاہ اور دوسرے دوستوں کے تعاون سے سندھ، بلوچستان، خیبر پختون خوا اور مظفر گڑھ میں کسٹمز ہیلتھ کیئر سوسائٹی کی جانب سے غریبوں، ناداروں اور آفت زدہ لوگوں کے لیے قربانی کا اہتمام کیا گیا۔ اس دفعہ بھی ایسا ہی ارادہ تھا۔ اللہ نے توفیق دی۔ دوستوں نے تعاون کیا۔ رقم آتے ہی مردان، نوشہرہ، سوات، مظفر گڑھ روانہ کر دی تاکہ عید سے پہلے ہی جانور خرید لیے جائیں۔ مالا رپہنچتے ہی آٹھ بکرے خرید لیے کیوں کہ یہاں صرف بکروں کی قربانی کا رواج ہے۔ عبدالغفور کے مشورے سے ملحقہ 5 گاؤں میں بکرے قربانی کے لیے تقسیم کر دیے گئے۔ سرگودھا کے دیرینہ ساتھی اور تبلیغی جماعت کے امیر ڈاکٹر اعجاز احمد کو پتہ چلا تو انھوں نے قربانی کے لئے بڑی رقم بھجوائی جس میں سے آٹھ بکروں کی رقم ڈاکٹر احسان کے حوالے کی اور آدھی رقم مشکے میں قربانی کے لیے بھجوادی کیونکہ مشکے کے زلزلہ زدگان زیادہ بری حالت میں ہیں۔ وہاں بہت کم امدادی اشیاء پہنچ رہی ہیں بلکہ خیمے بھی ابھی تک نہیں پہنچے۔ اس بستی میں 150 مریضوں کا چیک اپ اور علاج ہوا۔ جان محمد بازار میں آخری مریض کو چیک کیا تو ساتھ ہی عبدالغفور کے گھر سے ناشتہ آ گیا۔ عبدالغفور کا اپنا گھر زمین بوس ہے۔ بچے اور خاندان کے دوسرے لوگ خیموں میں رہ رہے ہیں مگر اللہ کا یہ بندہ 24 ستمبر سے ہی زلزلہ زدگان کی خدمت میں مصروف ہے اور اس کی انتہائی کوشش ہے کہ زلزلہ زدگان تک جلد سے جلد ہر قسم کی امدادی اشیاء پہنچ جائیں۔

امدادی اشیاء کی تقسیم کے دوران ہنگامہ ہوتے ہوتے رہ گیا۔ کچھ نوجوان بپھر گئے کہ ''آپ نے ہماری عورتوں کی تصاویر کیوں اتاری ہیں، ان کو ڈیلیٹ کریں۔'' بڑی مشکل سے انھیں سمجھایا کہ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ بڑی مشکل سے انھیں ٹھنڈا کیا مگر اس سے یہ بات سمجھ آ گئی کہ ان علاقوں میں آنے سے ذرائع ابلاغ (میڈیا) کیوں گریزاں ہے۔

بینگل بازار میں کیمپ:

اگلی منزل کی طرف بڑھے تو ایک طاقت ور جوان نے بزورِ بازو گاڑی روک لی۔ ساتھی گھبرا گئے کہ کیا ہوا۔ آگے بڑھنے لگے تو گاڑی کے سامنے آ گیا۔ لگتا تھا غصے میں ہے مگر گاڑی رکی تو بڑے ادب اور احترام سے کہنے لگا میرے گھر کی عورتیں اور بچے بیمار ہیں۔ یہاں ابھی تک کوئی میڈیکل کیمپ نہیں لگا۔ آپ ان کو چیک کریں۔ اس کے ٹوٹے گھر میں میڈیکل کیمپ شروع کر دیا۔ بوڑھی اور نوجوان عورتیں چیک اپ کے لیے آئیں۔ ان کو اچھی طرح دیکھ کر دوائیں دیں۔ بوڑھی اماں کو کیش بھی دیا۔ اماں نے دل کھول کر دعائیں دیں۔ اس محلّہ کا نام تھا چیری محلّہ، بینگل بازار۔ ایک اماں آئی اس کی ایک بیٹی اور تین نواسے لقمۂ اجل بن گئے تھے۔ اماں حوصلے میں تھی۔ اس کو دوائی دی، پیسے دیے اور اماں سے دعا لی۔ آگے بڑھے تو 80-100 گھروں پر مشتمل بینگل بازار آ گیا جو سارے کا سارا ملبہ کا ڈھیر بنا ہوا تھا۔ ایک بھی گھر نہ بچا تھا۔ زیادہ تر لوگ کھلے آسمان تلے یا خیموں میں قیام پذیر تھے۔ ہماری گاڑی رکتے ہی لوگ جمع ہو گئے۔ اس بستی کے حاجی صاحب بڑے جہاں دیدہ قسم کے انسان ہیں۔ آتے ہی خوش آمدید کہا۔ گلے سے لگایا، حالِ دل سنایا۔ شکریہ ادا کیا۔ کہنے لگے ہمارے پاس آپ کو بٹھانے کے لیے کوئی جگہ نہیں۔ شہید ہو جانے والی مسجد کے صحن میں تشریف رکھیں اور ادھر ہی اپنا کیمپ شروع کر دیں۔

بلوچوں کی مہمان نوازی اور تحائف:

بلوچ عوام اس بے بسی اور بے کسی کے عالم میں بھی مہمان نوازی نہیں بھولتے۔ بیٹھتے ہی گرم گرم قہوہ آ گیا جس کے دور بعد میں بھی چلتے رہے۔ حاجی صاحب نے بتایا اس بستی میں ہمیں پُرسہ دینے پہلی بار کوئی آیا ہے اگرچہ امدادی اشیاء مل رہی ہیں۔ اس مسجد کے ملبے تلے آ کر کئی بچے شہید ہوئے۔ بڑی مسجد تھی مگر اب مکمل طور پر ملبے کا ڈھیر بنی ہوئی تھی۔ مروت صاحب اپنی ٹیم کے ساتھ اس مسجد کا انتخاب کر گئے تھے۔ ان شاء اللہ دوستوں کے تعاون سے اس مسجد کو تعمیر کرائیں گے۔ اسلم مروت، شفقت، رفیق ریلیف اشیاء کپڑے، برتن، عید کے تحائف وغیرہ لے کر بستی میں نکل گئے اور ایک ایک خیمے میں جا کر سب چیزیں تقسیم کیں۔ عید کے تحائف

ہمارے ہسپتال میں بڑی محبت سے تیار کیے گئے تھے۔ تحائف پیک میں بچوں کے لیے بسکٹ، ٹافیاں، پونیاں، کلپس، انگوٹھیاں، ہار اور دوسری اشیاء کے ساتھ 50 اور 100 روپے کے نئے نوٹ تھے جو نیشنل بنک کے منصور صاحب نے لا کر دیے تھے۔ اپنی طرف سے بھی انھوں نے نئے نویلے نوٹوں کی دو گڈیاں دیں تا کہ زلزلہ زدگان بچوں میں تقسیم ہوں۔ بچے تحائف کے حصول کے لیے خوب تگ و دو کرتے مگر جب مل جاتا تو ایک طرف ہو جاتے۔ پیک کھول کر خوشی سے دیکھتے۔ نوٹ دیکھ کر ان کی آنکھیں دمک جاتیں۔ پہلے سمجھے کہ نقلی نوٹ ہیں۔ ایک دوسرے سے کن انکھیوں سے بات کرتے مگر جب احساس ہوا کہ اصلی نوٹ ہیں تو خوشی سے بھاگتے چلاّتے جا کر دوسروں کو بتاتے کہ جاؤ لاہور والوں سے اپنا تحفہ اور عیدی لے لو۔

بینگل بازار یا بستی میں بھی بستی کے سارے بیمار، کمزور مردوں و عورتوں اور بچوں کا چیک اَپ کیا۔ یہاں عورتوں میں کم زوری، خون کی کمی، بدن درد، معدہ کی تکلیف، آنکھوں میں خارش اور سانس چڑھنے کی علامات اور تکالیف تھیں۔ زیادہ تر بچے ڈائریا، بخار، کھانسی اور خوراک کی کمی کا شکار تھے۔ مردوں اور بوڑھوں میں سانس کی بیماری، بخار، کھانسی، بلڈ پریشر، شوگر، جسم میں دردیں وغیرہ کی علامات تھیں۔ پانی کی عدم دستیابی اور کنوئیں بند ہو جانے کے باعث صاف پانی کی فراہمی بند تھی جس کی وجہ سے سب جوہڑ کا گندہ پانی پینے پر مجبور تھے۔ مریض چیک کرنے کے دوران حاجی صاحب کے گھر سے بدستور قہوہ آتا رہا۔ جان محمد بازار سے دو بکرے ادھر منگوا لیے اور حاجی صاحب کے حوالے کیے تا کہ قربانی کر کے گوشت زلزلہ زدگان میں تقسیم کریں۔ ساتھ والی بستی کا جان محمد بھی آ گیا اور آتے ہی درخواست کی کہ ہمارے قربانی کے جانور بھی زلزلہ کی نذر ہو گئے۔ عبدالغفور سے تصدیق کے بعد ایک بکرا اس کے حوالے کیا۔ جب سارے مریض چیک ہو گئے تو آگے بڑھے۔ دو کلومیٹر کے فاصلے پر اگلا پڑاؤ رضائی بازار یا بستی تھا۔ یہاں بھی سارے گھر زمین بوس تھے۔ کوئی گھر سلامت نہ تھا۔ ایک خیمے میں ہمارا میڈیکل کیمپ سج گیا۔ جوں ہی میڈیکل کیمپ کا لوگوں کو پتہ چلا بچے، بوڑھے، عورتیں اپنے اپنے خیموں سے نکل کر ہمارے میڈیکل خیمہ کے گرد جمع ہو گئے۔ مروت صاحب اور ہم نوا خدمت کے کام کے لیے نکل گئے۔ اشفاق اب اپنے کام میں طاق ہو گیا ہے۔ اسے نگرانی بھی کرنا ہوتی ہے، ساتھیوں کو ساتھ لے کر چلنا بھی ہوتا ہے۔ ساتھیوں کی جلی کٹی، کڑوی کسیلی باتیں بھی سننا پڑتی ہیں۔ کیمپ کے دوران مروت صاحب کی اونچی آوازیں بدستور کانوں میں پڑ رہی تھیں۔ یہاں بھی بچوں اور عورتوں میں کم زوری، خوراک کی کمی، پیٹ کی خرابی، کان میں انفیکشن، آنکھوں میں جلن، معدے میں تکلیف، ڈائریا وغیرہ کی تکالیف تھیں۔ خارش زدہ مریض بھی آئے۔ جوں ہی کیمپ شروع ہوا ایک جوان دوڑتا ہوا آیا کہ پہلے ہمارے بابا کو چیک کریں جو زلزلے کی وجہ سے ابھی تک خوف زدہ تھا۔ کچھ کھاتا تھا نہ پیتا تھا۔ بابا کو چیک کر کے دوائیں

دیں۔ یہاں بھی گرما گرم قہوہ کا دور چلا جس کی وجہ سے جسم میں گرمی اور توانائی آ جاتی ہے اور تھکاوٹ دور ہو جاتی ہے۔ آخری مریض اور آخری تحفہ ختم ہوا تو آگے کی طرف بڑھے۔ اس بستی میں بھی لوگوں نے ہمیں خوش آمدید کہا۔ کوئی مسئلہ نہ ہوا۔ کسی نے کام کرنے سے نہیں روکا۔ لوگ بڑے اچھے اور تعاون کرنے والے تھے۔ مشکوک قسم کے نوجوان لڑکے ادھر ادھر گھوم رہے تھے مگر ہمیں کسی نے کچھ نہ کہا۔ 150 مریض چیک کر کے آگے کی طرف بڑھے۔

فیض محمد بازار میں کیمپ:

اگلا پڑاؤ فیض محمد بازار میں ہوا۔ یہاں بھی پہلے کی طرح تباہی اور بربادی کی داستانیں تھیں۔ لوگوں کے کچے اور پکے گھروندے زمین بوس تھے۔ سب کھلے آسمان تلے یا خیموں میں قیام پذیر تھے۔ ایک بھی مکان سلامت نہ تھا۔ یہاں بھی ایک خیمے میں بیٹھ کر مریضوں کو دیکھنا پڑا۔ علاقہ کے مکینوں نے بتایا کہ اگرچہ انھیں امدادی اشیاء مل رہی ہیں لیکن یہاں میڈیکل کیمپ پہلی دفعہ لگا ہے۔ مروت صاحب اپنا تھیلا اٹھا کر ایک ایک ٹینٹ تک گئے۔ اہلِ بلوچستان کو پیار اور محبت کا پیغام دیا۔ اللہ سے رجوع کرنے اور اجتماعی توبہ کی طرف توجہ دلائی۔ ان علاقوں میں آ کر اس بات کا شدت سے احساس ہوا اگرچہ یہاں غربت ہے، افلاس ہے، پس ماندگی ہے، جہالت ہے، زلزلے نے ان کے گھر چھین لیے۔ کھلے آسمان تلے پڑے ہیں مگر اس حالت میں بھی یہ لوگ راضی برضا ہیں۔ اللہ سے گلہ نہیں کرتے۔ اللہ سے معافی کے خواست گار ہیں۔ کیمپ کے دوران عبدالغفور ترجمانی کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔ مالک بلوچ مریض کا نام پوچھنے کے ساتھ ان سے مختصر سی ہسٹری بھی لے کر پرچی پر لکھ دیتے۔ جس سے بڑی آسانی رہی۔ فیض محمد بازار میں ایک پیارا سا بچہ تھا نور خان جس نے بڑے اعتماد سے شعر سنائے۔ اس بستی میں بھی سارے کے سارے گھر منہدم ہو گئے۔ ایک بھی سلامت نہ رہا۔ اب یہ لوگ منتظر ہیں کہ کب ان کو دوبارہ گھروں میں جانا نصیب ہوگا۔ کسی کسی جگہ عورتیں اور بچے انہماک سے ملبے کے ڈھیر پر بیٹھے اپنے ہاتھوں اور انگلیوں سے کچھ ڈھونڈ رہے تھے۔ پوچھنے پر پتہ چلا کہ یہ بیچارے ملبے سے بچی کھچی، قابل استعمال اشیاء ڈھونڈنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ بچے ملبے میں اپنے کھلونے تلاش کر رہے تھے۔ ان بچوں کو جب اسلم مروت نے تحائف دیے تو ان کے چہرے خوشی سے دمک اٹھے۔

اس بستی میں کام مکمل کر کے آگے بڑھے۔ اگلی منزل کرکیڈل بازار تھا۔ اس علاقے کے نام کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ یہاں کرک (آک) کے بہت زیادہ درخت ہیں۔ اس وجہ سے کرکیڈل کے نام سے مشہور ہے۔ یہاں بھی تباہی اور بربادی کی داستانیں عام ہیں۔ اس علاقے میں زلزلے سے 23 لوگ شہید ہوئے ہیں۔ دورانِ درسِ قرآن مسجد سے ملحقہ مدرسہ میں قرآن کے حافظ آٹھ بچے اور مسجد کے امام عبدالقادر شہید ہوئے۔

ان کی لاش دوسرے روز ملی اور خضدار روانہ کی گئی۔ عبداللہ 24 ستمبر 2013ء کو زلزلہ میں جان کی بازی ہار گیا۔ اس کی بیوہ کی مالی امداد کی۔ کپڑے اور گھر کے برتن دیے۔ کرکیڈل میں بھرپور کیمپ ہوا۔

کیمپ کے دوران ایک پیاری سی بچی حذیفہ ماں کے ساتھ آئی۔ ماں نے بتایا کہ یہ بچی ملبے میں کئی گھنٹے دبی رہی۔ ہم مایوس ہوگئے۔ اس کی بہن پہلے ہی زلزلہ کی نذر ہو چکی تھی۔ ملبہ ہٹاتے ہٹاتے بچی کا ہلتا ہوا ہاتھ نظر آیا تو بچی زندہ سلامت نکل آئی۔ اس وقت سے سہمی سہمی سی ہے۔ بچی کو گولیاں ٹافیاں دیں تو اس کے چہرے پر تھوڑی سی مسکراہٹ آئی۔

مدرسہ کی عین اس جگہ جہاں بچے اور قاری صاحب شہید ہوئے تھے بیٹھ کر کیمپ کیا۔ آخری مریض دیکھا تو قاری صاحب نے اذان دی۔ باجماعت نماز پڑھی۔ اس مسجد میں رائے ونڈ سے تبلیغی جماعتیں آ کر ٹھہرتی ہیں۔ نماز کے بعد قاری صاحب نے حدیث کی تعلیم کے لیے ''فضائلِ اعمال'' ہاتھ میں تھما دی۔ حدیث پڑھنے کے بعد لوگوں سے درخواست کی کہ آیئے مل کر اجتماعی توبہ کریں۔ استغفار کریں۔ اللہ کی طرف رجوع کریں۔ اللہ کی طرف رجوع کرنے سے ہی مسائل حل ہوں گے۔ کل شام سے پہلے اور اب تک بیرونی دنیا سے رابطہ کٹا ہوا تھا۔ عجیب سی پریشانی تھی مگر علاج اور خدمت میں اس حد تک مگن رہے کہ پیچھے کا خیال ہی نہ آیا۔ نماز کے بعد عبدالغفور کے گھر سے کھانا آیا۔ سب ساتھیوں نے مل کر کھانا کھایا۔ اللہ کا شکر ادا کیا جس نے یہاں آنے اور آفت زدوں کی مدد کرنے کی توفیق دی۔ مالار پہنچتے پہنچتے رات ہوگئی تھی۔ اس لیے زلزلے کے صحیح اثرات کا اندازہ نہیں ہو رہا تھا۔ جوں ہی مالار سے آواران کی طرف بڑھے اندازہ ہوا کہ تباہی اور بربادی بہت زیادہ ہے۔ سینکڑوں بستیاں ویران ہیں۔ رات کی بارش کی وجہ سے ریت دب گئی تھی، جس کی وجہ سے آسانی رہی۔ ادھر آتے ہوئے گاڑی دو دفعہ ریت میں دھنس گئی۔ ریتلے علاقے ہونے کی وجہ سے یہاں زیادہ تر 4x4 گاڑیاں یا ڈبل کیبن گاڑیاں کامیاب ہیں۔ دوسری گاڑیاں یا ایمبولینس وغیرہ ادھر مشکل سے آتی ہیں۔ ڈیڑھ گھنٹے کے ریتلے علاقے کے سفر کے بعد بزداد کے قریب لیوی کی چیک پوسٹ پر پہنچے تو یوفون کے سگنل آنا شروع ہوگئے۔ ڈیڑھ دن بیرونی دنیا سے رابطہ کٹا رہا۔ بچے، گھر والے پریشان تھے۔ پوری دنیا اور لاہور سے رابطہ کٹا رہا۔ گھر والے بچے بہت پریشان تھے۔ ایک دوسرے سے خیریت پوچھتے۔ اللہ خیر کہہ کر تسلی دیتے اور خیریت سے پہنچنے کی دعائیں کرتے۔ اندیشوں اور خدشوں میں وقت گزرا مگر ان دو دنوں میں یہ احساس شدت سے ہوا کہ جب رابطے کٹ جائیں تو کتنی مشکل ہوتی ہے۔ مالار، گشکور اور مشکے کے زلزلہ زدہ علاقوں کا رابطہ کئی دن کٹا رہا۔ ملبے تلے لوگ کئی دن انتظار کرتے رہے۔ کئی تو اس انتظار میں جان کی بازی ہار گئے۔ سب ساتھیوں نے اپنے اپنے گھر بات کی اور یوں سب کی تسلی ہوگئی۔ عبدالغفور صاحب جلدی جلدی اس علاقے سے نکلنے کا کہہ رہے تھے کیوں کہ یہاں سیکیورٹی کے بہت سارے مسائل ہیں۔ مغرب کی نماز تک آواران اپنے مرکز میں پہنچ

گئے۔ یہاں تربت اور مکران سے المکرّان ویلفیئر سوسائٹی کے حافظ ناصرالدین اور تربت سے مولانا عبداللہ امدادی سامان اور مدرسہ کے بچوں کے ساتھ آئے ہوئے تھے اور ہماری طرح وہ بھی بچوں کے ساتھ متاثرہ علاقوں میں خود جا کر امدادی سامان تقسیم کر رہے تھے۔ امدادی اشیاء خود تقسیم کرنے کا اپنا ہی مزہ ہے۔ اس سے دل کو تسلی بھی ہو جاتی ہے اور بندہ مطمئن بھی ہو جاتا ہے کہ متاثرہ لوگوں تک امدادی اشیاء پہنچ گئیں۔

گرمی اور بارش:

رات مسجد کے وسیع و عریض صحن میں گزاری۔ اللہ کا خاص کرم ہے کہ کل جب ہم مالار پہنچے تو دن بھر گرمی اور پسینے میں شرابور ہونے کے باوجود بارش ہوئی اور موسم خوش گوار ہو گیا اور آج جب آواران پہنچے تو دوبارہ بارش ہوئی۔ اللہ کی یہ بھی خاص عنایت رہی کہ جن علاقوں میں ہم کام کر رہے تھے صرف وہاں بارش ہوئی۔ اس میں اپنا کوئی خاص کمال نہیں صرف میرے اللہ کی خاص مہربانی ہے۔ آواران میں زلزلہ کے بعد سب سے پہلے فلاحِ انسانیت کے لوگ آئے اور آتے ہی ریسکیو اور ریلیف کے کام میں مصروف ہو گئے۔ مختلف علاقوں میں کام کرتے ہوئے ان کے ساتھ شناسائی سی ہو گئی ہے۔ سندھ میں بھی کشتیوں میں بیٹھ کر ان کے ساتھ کام کیا اور اب یہاں بھی جب سے شفقت اور قاری عبدالرحمٰن ادھر پہنچے ان کے ساتھ مل کر ریلیف کے کام میں مصروف تھا۔ ڈاکٹر احسان کا فون آ گیا کہ ہمارے ساتھ کھانا کھائیں۔ ان کے خیال میں ہم چند لوگ ہوں گے مگر پوری ٹیم گئی تو کھانا کم پڑ گیا۔ ان کے ساتھی بھی شریک تھے مگر وہ مہمانوں کو دیکھ کر ساتھ بیٹھ کر ایسے ہی ہاتھ چلاتے رہے۔ لائٹ بند تھی پتہ بھی نہ چلا بعد میں احساس ہوا کہ تھوڑے لوگوں کو آنا چاہیے تھا مگر یہاں بھی ایک سنت پوری ہو گئی۔

رات کی بارش کی وجہ سے موسم انتہائی خوش گوار ہو گیا تھا۔ ہلکی ہلکی سردی سی محسوس ہو رہی تھی۔ کچھ ساتھی اندر سو گئے اور ہم سب نے مسجد کے صحن میں فجر کے بعد ہی تیاری شروع کر دی۔ یہاں کنوئیں میں موٹر کے ذریعے پانی آ رہا تھا۔ عبدالغفور صاحب نے موٹر چلا دی تو دو دن بعد نہانے کا بڑا مزا آیا۔ چائے اور رس پر مشتمل ہلکا سا ناشتہ کیا۔

ڈنڈار اور تربت کے لیے دوائیں:

مرکز پر ہی ڈنڈار مالار کے صوفی محمد بخش مل گئے۔ اپنے علاقے کی حالتِ زار کا بتایا۔ انھوں نے بتایا کہ ان کے علاقے میں ابھی تک کوئی میڈیکل کیمپ نہیں لگا۔ انھوں نے درخواست کی کہ وہاں کے لیے دوائیں دے دیں تاکہ بیمار متاثرین کا علاج ہو سکے۔ اشفاق اور امجد نے بڑی محنت سے تمام دوائیں نکال کر پیکٹ

بنائے اور صوفی صاحب کے حوالے کیے۔ ان کو دواؤں کے بارے میں اچھی طرح سے سمجھا بھی دیا۔ بکرے کی قربانی کے لیے پیسے بھی دیے۔ صوفی محمد بخش نے بتایا کہ ان کے علاقے میں زلزلے سے بہت تباہی ہوئی ہے۔ تمام مکانات گرے ہوئے ہیں۔ لوگوں کو ریلیف بھی بہت کم ملا ہے۔ لوگ کئی دن ملبے تلے دبے رہے۔ بیسیوں ملبے تلے دبے ہی جان کی بازی ہار گئے۔ صوفی صاحب کو ڈنڈور میں قربانی کے لیے رقم بھی دی۔ دل کر رہا تھا کہ ڈنڈور جا کر بھی حالات کا مشاہدہ کیا جائے مگر وقت کی کمی کے باعث ایسا نہیں ہو سکا۔ تربت کے مولانا صاحب بھی آ گئے۔ کہنے لگے کہ ہمارے مدرسے کے لیے دوائیں دیں۔ اشفاق اور امجد نے ان کے لیے علیٰحدہ سے ہر قسم کی دواؤں کے پیکٹ بنوائے۔ یوں بلوچستان کے تمام علاقوں میں ہماری ادویات پہنچ گئیں۔ ناشتے کے بعد کیمپ کے لیے نکلے پہلا کیمپ اپنے مرکز سے ایک کلومیٹر آگے ملا عیسیٰ بازار چیدگی میں کیا۔ پہلے کوئی نہ تھا مگر جوں ہی اعلان ہوا عورتوں اور بچوں کی ڈاریں نکل آئیں۔ اسماء کی لائی ہوئی چادریں اور بچوں کے سوٹ بھی یہاں بانٹے۔ صائمہ اور صفیہ نئے نویلے سوٹ فوراً پہن کر کیمپ میں آ گئیں۔ ان کے چہرے خوشی سے دمک رہے تھے۔ ان کو تحائف بھی دیے۔ ان کی خوشی دیکھ کر ساری تھکاوٹ اتر گئی۔ اس مقصد کے لیے تو ادھر آنا ہوا تھا۔ ان کے دکھوں کو بانٹنے اور انھیں خوشیاں دینے کے لیے تو زندگی کا مشکل ترین' جاں گسل' دشوار ترین سفر کیا تھا۔ جن عورتوں کو چادریں مل گئیں وہ خوشی سے ایک دوسرے کو دکھا رہی تھیں۔ جن کو نہیں ملیں وہ اس کا مطالبہ کرتی جا رہی تھیں۔ میڈیکل کیمپ میں مالک بلوچ پرچیاں بنانے کے ساتھ میری ترجمانی کے فرائض بھی ادا کر رہے تھے مگر اب اکثر باتیں سمجھ آ رہی تھیں۔ میرے منہ سے بلوچی زبان کے ٹوٹے پھوٹے فقرے مثلاً جاں درد، پش درد، گوش درد، کلگ، دم کش وغیرہ سن کر بچے اور عورتیں خوب محظوظ ہوتیں۔ 150 مریض چیک کر کے اور سارے تحائف اور کپڑے بانٹ کر آگے بڑھے۔

لال بخش بازار میں میڈیکل کیمپ:

اگلا پڑاؤ لال بخش بازار میں ہوا۔ یہاں ایک کچے گھر میں جو سارے کا سارے چھت کے علاوہ مٹی کا بنا ہوا تھا میں بیٹھ کر کام شروع کیا۔ بیٹھتے ہی گرما گرم قہوہ آ گیا۔ بلوچ قوم مہمان نواز ہے۔ مہمانوں کی قدر کرنا جانتے ہیں۔ اس علاقے میں کچے گھروں کی دیواریں ٹوٹی ہوئی تھیں۔ جلد ہی مریض آنا شروع ہو گئے۔ زیادہ تر بچے اور عورتیں آئیں۔ سارے مریضوں کو چیک کر کے آواران مرکز واپسی ہوئی۔ اب واپسی کا لمبا پرخطر، جاں گسل، لمبا ترین، مشکل ترین اور خطرات سے پُر سفر درپیش تھا۔ مرکز میں سارے لوگ اکٹھے تھے، مقامی بھی اور دوسرے علاقوں سے آئے ہوئے بھی۔ وہاں جانے سے پہلے اللہ سے دعا کی کہ یا اللہ رحم کا کرم کا معاملہ فرما۔ ہماری قربانی قبول فرما۔ آزمائش کی گھڑیاں ختم فرما۔ متاثرین کی بحالی میں مدد فرما اور ہمیں زیادہ سے زیادہ

متاثرین کی خدمت کرنے کی توفیق عطا فرما۔ پاکستان کی سلامتی کے لیے دعا کی۔ سارے بلوچیوں نے آمین اور دعائیں پڑھتے ہوئے واپسی کی راہ لی۔

بابا میری گڑیا کو بچالو!

عافیہ رات کو چیخ مار کے اٹھی، پانی مانگا۔ گلاس اندھیرے میں نیچے گر کر ٹوٹ گیا تو عافیہ پھر لرز گئی، سہم گئی۔ بابا! میری گڑیا باہر ہے۔ زلزلہ آ رہا ہے۔ میری گڑیا مر جائے گی۔ میری گڑیا کو بچالو..... بڑی مشکل سے ماں نے پرسہ دے اور پیار کر کے سلایا۔ بابا خیمے سے باہر جا کر دور خلاؤں میں دیکھ کر آنسو بہاتا رہا۔ اس کی گڑیا عافیہ کی بہن تو دور چلی گئی تھی۔ زلزلے کی نذر ہوگئی تھی۔ زلزلہ زدہ علاقوں میں بچے سہمے ہوئے ہیں۔ ڈرے ہوئے ہیں، بہت پریشان ہیں۔ جب سے زلزلہ آیا کئی بچے تو ڈر سے سوتے ہی نہیں۔ کھانے پینے سے بے رغبتی ہے۔ بعض بات بھی نہیں کرتے۔ باہر ذرا سی آواز انھیں ڈرا دیتی ہے، دھمکا دیتی ہے۔ بچوں کا سوتے میں پیشاب نکل جاتا ہے جب کہ زلزلے سے پہلے ایسے نہ تھا۔ کچھ بچوں نے سونا چھوڑ دیا ہے۔ جو ملبے میں دبے رہے ان میں سے کچھ نے چلنا پھرنا چھوڑ دیا ہے۔ حادثات کے بعد اس طرح کے نفسیاتی مسائل ضرور جنم لیتے ہیں۔ اس بات کے پیشِ نظر ان بچوں کے لیے تحائف لے کر گئے تھے تا کہ ان کو کچھ دیر کے لیے تھوڑی سی خوشی تو دے سکیں۔ زلزلہ زدہ علاقوں کی عورتوں میں بھی اس طرح کے مسائل جنم لے رہے ہیں۔ کچھ کے حمل گر چکے ہیں، کچھ کو جسمانی عوارض ہوگئے ہیں۔ رات کو چیخیں مار کر اور ہڑبڑا کر اٹھ جاتی ہیں بعض چُپ ہوگئی ہیں۔ اپنے گھر کا ملبہ دیکھ کر چیخ چیخ کر روتی ہیں۔ زلزلہ زدہ علاقوں میں بچیوں کا جہیز بھی منوں ملبے تلے دب کر ضائع ہوگیا۔ ان کے والدین اور بچیاں خود الگ سے پریشان ہیں۔ زلزلہ کے بعد نفسیاتی مسائل کے شکار بچوں اور عورتوں کی خصوصی نگہ داشت کی ضرورت ہے۔ ضروری ہے کہ فوری طور پر ان کے لیے گھروں کا انتظام کیا جائے اور ان کے بے روزگار مردوں کو کسی قسم کا روزگار مہیا کیا جائے۔

واپسی کا سفر:

بلوچستان کے زلزلہ زدگان کی خدمت اور علاج کر کے طبیعت خوش ہوگئی۔ دل کو تسلی ہوگئی۔ اللہ کا شکر ادا کر کے واپسی کی راہ لی۔ عبدالغفور اور دوسرے مقامی ساتھیوں نے خوش دلی کے ساتھ رخصت کیا۔ اللہ کی مہربانی سے رات بھی بارش ہوگئی تھی۔ صبح موسم خوش گوار تھا مگر اب گرمی ہوگئی تھی۔ آڑے ترچھے، کٹے پھٹے، بھورے مٹیالے، کالے، ریتلے، پتھریلے پہاڑوں سے گزرتے ہوئے آگے بڑھے۔ واپسی کے سفر میں خدشات کم تھے۔ ویسے بھی جب بندہ اپنا کام مکمل کر لے تو واپسی کا سفر آسان ہو جاتا ہے۔

پورے بلوچستان میں مختلف مقامات پر اور دور دراز علاقوں میں صرف ایرانی ڈیزل ملتا ہے۔ اگرچہ یہ پاکستانی ڈیزل اور پٹرول سے سستا ہے مگر ملاوٹ کی وجہ سے گاڑیوں کا بیڑا غرق کر دیتا ہے۔ اس وجہ سے بڑی گاڑی کا انجن خراب ہوگیا، گاڑی تیز چل ہی نہیں رہی تھی۔ پہاڑوں سے گزرتے آگے بڑھے۔ آواران کے مشکل ترین پہاڑ پیچھے چھوڑتے اور منزل قریب ہونے کی سب کو خوشی تھی۔ سب ساتھی خوش تھے کہ تسلی بخش کام ہوا اور کسی قسم کا کوئی مسئلہ نہ ہوا۔ پہلے کئی قسم کے خدشات تھے، اندیشے تھے، ڈر تھا، خوف تھا۔

شیریں فرہاد کا مزار:

راستے میں جھاؤ کے قریب سڑک کنارے شیریں فرہاد کا مزار نظر آیا۔ مالک بلوچ نے بتایا کہ یہ محبت کی لازوال داستان والے شیریں فرہاد کی جائے استراحت ہے۔ اونچے سنگلاخ، نوکیلے، پتھریلے مہیب خطرناک پہاڑوں کا سینہ اپنے تیشے سے چیر کر فرہاد نے اپنی محبت حاصل کرنے کی کوشش کی۔ مزار سڑک کے کنارے تھا۔ اجڑی سی گندی سی جگہ تھی۔ لگتا ہے کہ ادھر کوئی آتا ہی نہیں۔ مالک بلوچ نے بتایا، قصہ مشہور ہے کہ شیریں اور فرہاد جب اللہ کو پیارے ہوئے تو دونوں کو الگ الگ قبروں میں دفنایا گیا۔ اگلے دن لوگ آئے تو دیکھا کہ دو قبروں کی جگہ ایک ہی قبر ہے۔ سب ساتھیوں نے گاڑی سے اتر کر شیریں فرہاد کے مزار پر فاتحہ پڑھی، ان کے جذبے کو سلام کیا۔ آگے بڑھے سنگلاخ' مہیب' ریتلے' پتھریلے پہاڑ راستے میں تھے۔ سانپ کی طرح بل کھاتی سڑک پر لگ رہا تھا گاڑی گھوم رہی ہے۔ دشت و بیابان اور ریگستان میں جاتے ہوئے ہزار خدشات ذہن میں آتے ہیں۔ راستے میں کچھ ہو جائے تو کسی کو خبر بھی نہ ہوگی۔ اللہ کے سہارے نکلے تھے۔ اسی کی مدد سے آواران اور مالار کے زلزلہ زدگان کے پاس پہنچے، ان کے ساتھ ٹھہرے اور ان کے کیمپوں میں رات گزاری۔ لوگ ڈراتے تھے۔ ذرائع ابلاغ (میڈیا) والوں نے عجب خوف پھیلا رکھا تھا۔ ان سب کے باوجود اللہ تعالیٰ نے زلزلہ زدہ علاقوں میں جانے اور وہاں کام کرنے کی توفیق دی۔ ساتھیوں نے صبح سے صرف چائے اور رس کا ناشتہ کیا ہوا تھا اس لیے سب کی آنتیں قل ہو اللہ پڑھ رہی تھی۔ بیلہ کے قریب پہنچے تو سب نے سکھ کا سانس لیا۔ اب نسبتاً آسان راستہ شروع ہو رہا تھا۔ بیلہ میں ہی ایک ڈرائیور پٹھان ہوٹل میں دوپہر کا کھانا کھایا۔ بھوک لگی ہوئی ہو تو ہر طرح کا کھانا اچھا لگتا ہے مگر اس ہوٹل کا کھانا واقعی مزے دار اور لذیذ تھا۔ کھانے سے فارغ ہو کر آگے بڑھے تو بیلہ شہر کی مرکزی جامع مسجد میں امام صاحب ابھی تقریر کر رہے تھے۔ وہیں جمعہ کی نماز ادا کرنے کے لیے رک گئے۔ اس دور دراز علاقے میں مسجد کے خطیب صاحب بڑا مدلل اور جامع بیان فرما رہے تھے۔ حج قریب ہونے کے باعثِ موضوع تقریر بھی مناسک حج تھے۔ خطیب صاحب کو ''اللہ، کعبہ اور بندہ''

کتاب بھی دی جو انھوں نے شکریہ کے ساتھ قبول کی۔ بڑی گاڑی کی سپیڈ قدرے کم ہو چکی تھی کیوں کہ جعلی ایرانی ڈیزل کی وجہ سے گاڑی کا انجن پرابلم کر رہا تھا۔ 7 بجے کراچی کی فلائٹ تھی اس لیے فیروز اور مالک بلوچ اور اسلم مروت کے ساتھ کراچی کی راہ لی۔ فیروز نے استادانہ مہارت کے ساتھ گاڑی بھگانا شروع کی۔

کراچی سے لاہور:

بیلا سے لسبیلہ، حب اور کراچی پہنچتے شام کے 6 بج گئے۔ کراچی کسٹم کے ایئر پورٹ پر پی آر او سے مسلسل رابطہ تھا۔ وہ جلدی پہنچنے کا کہہ رہے تھے مگر ساتھ ہی بتا رہے تھے کہ پریشان مت ہوں، میں نے بورڈنگ پاس نکلوا لیا ہے۔ فیروز نے بہتیرا گاڑی دوڑائی مگر ائیر پورٹ کے قریب آتے آتے 7 بج گئے۔ مروت صاحب نے کہا پریشان نہ ہوں۔ منہ سے نکلا ان شاء اللہ فلائٹ گھنٹہ لیٹ ہوگی۔ 7 بج کر 5 منٹ پر ایئر پورٹ پہنچے۔ پی آر او نے بورڈنگ پاس دیے۔ آگے بڑھے، بورڈنگ شروع تھی۔ آرام سے مغرب کی نماز ادا کی۔ قطار میں لگے۔ جہاز واقعی 45 منٹ لیٹ ہوگیا۔ جب بندہ اللہ کے راستے میں نکلتا ہے تو اللہ تعالیٰ ہر طرح سے مدد فرماتے ہیں۔ راستے آسان ہو جاتے ہیں۔ ہر مشکل سے بندہ آسانی سے نکل جاتا ہے۔ رات گئے خیریت سے لاہور پہنچ گئے۔ ٹیم کے دوسرے ساتھی بذریعہ گاڑی اگلے دن کراچی سے روانہ ہوئے۔ ایرانی ڈیزل کی وجہ سے گاڑی کی سپیڈ بہت کم ہوگئی تھی۔ اس وجہ سے آہستہ آہستہ چلتے ہوئے اگلے دن اتوار کو پہنچے۔ شفقت کراچی سے بدین پہنچا۔ وہاں اپنے بنائے ہوئے گھروں کو دیکھا۔ پچھلے دنوں بنائی گئی مساجد کا معائنہ کیا۔ قربانی کے لیے جانور خریدے۔ اگلے دن لاہور واپسی ہوئی۔

بنوں سے آواران

آواران بلوچستان کے زلزلہ کے فوراً بعد بنوں سے نیک دل اور بہادر ظہور خان ہیڈ ماسٹر صاحب نے آواران جانے کا عندیہ ظاہر کیا۔ ان کو فوراً شفقت کے ساتھ آواران روانہ کیا۔ جہاں ان دونوں نے بڑی محبت اور بہادری کے ساتھ 3 ماہ سے زائد عرصہ گذارا۔ ریلیف کاموں کی نگرانی کی۔ دو مساجد اور 50 گھر تعمیر کروائے۔ آواران میں گذارے دنوں کی داستان انہوں نے دلچسپ انداز میں تحریر کی ہے۔ ان کی داستان انہی کی زبانی پیشِ خدمت ہے۔

بنوں سے آواران:

اللہ تعالیٰ محمد اسلم خان مروت کو جزائے خیر عطا فرمائے کہ انھوں نے مجھے اپنے گھر سے کھینچ کر پاکستان کسٹمز ہیلتھ کیئر سوسائٹی کے صدر آصف محمود جاہ صاحب کے پاس پہنچا دیا۔ وہاں بھائی شفقت اور رضوان سے ملاقات ہوگئی جن کی تعریف محمد اسلم خان مروت غائبانہ کر چکے تھے۔ دل میں وسوسے لیے لاہور پہنچا۔ ٹھیک صبح 6 بجے لاہور بلال کوچ سے اترا۔ وہیں فجر کی نماز باجماعت ادا کی۔ اچھی طرح روشنی ہو جانے تک مسجد میں ذکر واذکار کرتا رہا۔ اس کے بعد کسٹمز ہیلتھ کیئر سوسائٹی کے ہسپتال واقع 449۔ جہاں زیب بلاک، علامہ اقبال ٹاؤن پہنچا۔ وہیں رفیق ڈرائیور موجود تھے۔ انھوں نے خندہ پیشانی سے مجھے کمرے تک پہنچایا۔ تھوڑی دیر بعد ناشتہ کیا۔ 2 بجے دوپہر کا کھانا کھلایا گیا۔ پھر سارا وقت کمرے میں گذارا۔ جوں ہی مسجد سے اذان کی آواز آتی فوراً وہاں پہنچ جاتا۔ مغرب کی نماز کے بعد آیا۔ عشاء کی نماز سے پہلے ڈاکٹر صاحب تشریف لائے۔ گلے ملے اور پھر اندر چلے گئے۔ مریض بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کو نمٹایا۔ پھر مجھے اندر بلایا۔ گپ شپ کی۔ ان کی کتاب ''اللہ، کعبہ اور بندہ'' کے متعلق بات ہوئی۔ حقیقت ہے کہ بہترین سفر نامہ ہے۔ عشاء کی نماز کلینک کے اندر پڑھی اور پھر ڈاکٹر صاحب مجھے کھانے کے لیے اپنے دولت کدہ لے گئے۔ وہاں بتا دیا گیا کہ صبح 6 بجے شالیمار ٹرین پر کراچی روانہ ہونا ہے۔ سامان کے کارٹن پہلے ہی ریلوے سٹیشن پہنچا دیے گئے تھے۔ ذکر اذکار پورے کرتے ہی نیند کی آغوش میں چلا گیا۔

جہاں زیب بلاک، علامہ اقبال ٹاؤن سے اباسین ہوٹل کراچی:

صبح سویرے اٹھا۔ وضو کیا اور پھر نماز اُدھر کلینک ہی کے اندر پڑھی۔ شفقت رضوان صاحب بھی آئے ہوئے تھے۔ نماز سے فارغ ہوتے ہی گاڑی میں سوار ہو کر سیدھے ڈاکٹر صاحب کے دولت کدہ پہنچ گئے۔ اجتماعی دعا کی اور پھر ریلوے سٹیشن لاہور کی طرف روانہ ہوئے۔ مستری بشیر بھی ہمراہ تھا۔ اللہ تعالیٰ جس سے کام لیتا ہے، لے لیتا ہے۔ اب دیکھئے مستری بشیر شفقت رضوان جیسے لوگوں کے ساتھ راقم کو بھی اللہ تعالیٰ نے آواران میں مسجدیں تعمیر کرنے کے لیے منتخب کیا ہے۔ دل میں وسوسے تو تھے کہ محکمہ ریلوے تو ''بلور فوبیا'' کا شکار ہو چکا ہے۔ ریل پٹڑی پر بھاگ بھی سکے گی، نہیں؟ کتنی لیٹ ہو جائے گی اندر کتنی دھکم پیل ہوگی۔ بھانت بھانت کی بولیاں سننے کو ملیں گی مگر میں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ قلیوں اور پولیس والوں کے قبضے میں سیٹیں نہیں تھیں بلکہ ٹکٹ پر باقاعدہ سیٹ نمبر لکھے ہوئے تھے۔ باقاعدہ کیبن تھے۔ جن میں چار چار افراد کو بٹھایا جا رہا تھا۔ کافی سیٹیں اور برتھیں موجود تھیں۔ صفائی کا بہترین نظام، اچھا صرف مگر کھانا مہنگا اور بہترین سکیورٹی سروس موجود تھی۔ سامان کو باقاعدہ الیکٹرانک آلات کے ذریعے چیک کیا گیا۔ ٹرین روانہ ہوئی تو چھکا چھک کی آوازوں سے ایسے بھاگتی گئی کہ دل خوش ہو گیا اور یوں محسوس ہوا جیسا کہ یہ غلام احمد بلور سے مارے ڈر کے آگے بھاگے جا رہی ہے۔ جو وقت بتایا تھا کہ کراچی کے ریلوے سٹیشن پر رکے گی، بالکل انگریز کے ٹائم کی طرح اُسی ہی ٹائم پر رک گئی اور ہمیں حکم ملا کہ اترو کراچی آ گیا ہے۔ فیصل آباد سے ایک نیک سیرت نوجوان بھی ساتھ تھا۔ کیبن میں آیا۔ پہلے تو گھبرایا گھبرایا سا نظر آ رہا تھا مگر بعد میں ہمارے ساتھ اتنا مانوس ہوا کہ اپنا بزنس کارڈ اور موبائل فون نمبر بھی ہمیں دے دیا۔ راستے میں اس نے ایک ہزار روپیہ آواران کی مسجد کے لیے بطور چندہ دیا اور یہ درخواست کی کہ ڈاکٹر صاحب کی تصنیف کا ایک نسخہ ضرور بھجوایئے گا۔ یاد رکھنے کے قابل نوجوان تھا۔

رات اباسین ہوٹل میں کمرہ نمبر 104 میں ٹھہر گئے اور بستر پر ڈھیر ہوتے ہی نیند کی وادی میں خوابِ خرگوش کے مزے لینے لگے۔ صبح سویرے 5 بجے آنکھ کھل گئی۔ نماز پڑھ کر پھر سو گئے۔

کراچی میں قیام اور انتظار:

کراچی والے بھی عجب لوگ ہیں۔ ساری رات جاگتے رہتے ہیں اور پھر دن کے 10 بجے کے بعد گھروں سے نکل کر بازاروں میں آتے ہیں۔ میں اور شفقت رضوان بھائی ناشتے کے بعد کسی مزدا، شہہ زور یا کسی دوسری سواری کے سلسلے میں نکل گئے۔ کچھ روزمرہ کے استعمال کی چیزیں بھی خرید لیں۔ بعد میں ایک رکشہ لیا اور سواری کے مزدا وغیرہ کو ڈھونڈنے کے لیے مختلف اڈوں پر گئے۔ اس دوران لیاری کے علاقے میں بھی گئے جہاں پر ماحول زبردست تناؤ کا شکار تھا۔ رائفلوں سے لیس لوگوں کو چھتوں پر بیٹھے دیکھا۔ سنتِ نبویؐ کے

مطابق دعاؤں کا اہتمام کیا اور پھر اللہ کی مدد سے اس علاقے سے صحیح سالم نکل گئے۔ رکشے والا ''انسان دوست'' تھا۔ کافی گھبرایا ہوا تھا۔ ہم نے تسلی دی۔ صدر سے ایک وائرلیس سیٹ خریدا اور پھر واپس ریلوے سٹیشن پہنچے۔ بعد میں ایک ''شہہ زور'' والے سے رابطہ ہوگیا۔ وہ تو کسی بھی طرح سے آواران جانے کے لیے 35 ہزار سے کم لینے پر آمادہ نہ تھا مگر کافی منت سماجت کے بعد 33 ہزار روپیہ پر جانے پر تیار ہوگیا۔ شفقت رضوان اور بشیرا مستری کو ریلوے سٹیشن بھیج دیا تاکہ اپنا سامان اکٹھا کرسکیں۔ کیونکہ مجھے تو یہ بھی معلوم نہ تھا کہ کتنے کارٹن ہیں اور کتنے تھیلے۔ عصر کی نماز کے بعد ان شاءاللہ سفر شروع کریں گے۔ کیوں کہ رات کو سفر تیزی سے کٹتا ہے۔ ان شاءاللہ 3 گھنٹوں میں لسبیلہ پہنچ جائیں گے۔ پھر مشورہ کریں گے کہ رات راستے میں کسی ہوٹل میں گذاریں یا کہیں اور۔

ہم نے آواران کی راہ لی:

اللہ اللہ کر کے اور کافی دیر تک فون کھڑکانے کے بعد جماعت الدعوۃ کے ایک بھائی نے ہمارے لیے ایک مزدا کا انتظام کیا اور ساتھ ہی شرط لگا دی/ درخواست کی کہ کچھ ہمارا سامان بھی فی سبیل اللہ اپنے ساتھ لے جاؤ۔ ہم بھی تیار ہوگئے کہ اس کے سوا کوئی دوسرا راستہ ہی نظر نہ آ رہا تھا۔ 32 ہزار روپیہ کرایہ پر مزدا کینٹ سٹیشن پہنچا۔ وہیں شفقت رضوان اور بشیر بھائی نے قلیوں کی مدد سے سامان اکٹھا کیا اور مزدا پر لوڈ کر دیا اور پھر اپنا ذاتی استعمال کا سامان ہوٹل سے نکال کر مزدا پر بیٹھ گئے۔ روانگی سے پہلے مسنون دعائیں مانگیں۔ اللہ کے سامنے گڑ گڑائے تاکہ آسانی سے منزل پر پہنچ سکیں۔ سٹیشن سے نکل کر سیدھا فلاحِ انسانیت کے مرکز کراچی میں گئے۔ وہاں مغرب کی نماز ادا کر کے استقبالیہ میں بیٹھ گئے۔ چائے سے ہماری تواضع ہوئی۔ جماعت والوں نے موقع سے خوب خوب فائدہ اٹھایا۔ پانی کی بوتلیں، قرآن مجید کے نسخے (پیکٹوں میں) اور دوسرا ضروری سامان مزدا میں لوڈ کر کے اپنے تین بندے بھی ہمارے ساتھ کر دیے۔ مزدا کے ڈرائیور نے غصہ کیا مگر ہم نے اس کے غصے پر ٹھنڈا پانی ڈال دیا اور پھر ہم عازمِ آواران ہوگئے۔ راستے میں دورانِ سفر ساحلِ سمندر کے قریب سے جب گذرنے لگے تو باسی مچھلیوں اور مچھلیوں کے بقایاجات سے فیڈ بنانے والے کارخانوں کی بدبو نے ہمارا وہ حشر کیا کہ الامان۔ تقریباً تین گھنٹے کے سفر کے بعد ہم ''بیلہ'' کے قریب ایک ہوٹل میں پہنچے۔ شفقت کو کھانے کا امیر مقرر کیا تھا۔ اس نے بہت اچھا کھانا کھلایا، اور پھر وہیں ہم اِدھر اُدھر مختلف جگہوں پر سونے کے لیے ڈھیر ہو گئے۔ میں تو خود مزدا کے کیبن کے اندر سو گیا کیوں کہ ڈرائیور کو وہاں نیند نہیں آ رہی تھی۔

صبح سویرے 5 بجے اٹھے۔ انسانی تقاضے پورے کیے۔ وضو کیا اور پھر ایک خوش الحان قاری نے 6 بجے باجماعت نماز پڑھائی۔ اللہ کے حضور مناجات کیں۔ سلامتی (اپنے لیے، امت کے لیے، ملک کے لیے) کی دعائیں مانگیں۔ وظائف پورے کیے۔ اطمینان سے ناشتہ کر کے آواران کی طرف نکل گئے اور ''بفضل اللہ''

ساڑھے دس بجے اپنے مطلوبہ مقام پر پہنچ گئے۔ وہاں کے منتظم مولوی عبدالغفور صاحب ''گدھے کے سر سے سینگ'' کی طرح غائب تھے۔ ہم فون پر فون کرتے رہے مگر جواب ندارد۔ آخر صلوٰۃ الحاجت کی طرف متوجہ ہوئے۔ اللہ کے دربار عالیہ میں درخواست گذار ہوئے۔ پھر مولوی صاحب سے رابطہ ہوگیا۔

اور سامان نہ ملا:

ہم نے اُن سے پوچھا تو پتہ چلا کہ آپ کا بھیجا ہوا سامان تو ابھی تک نہیں پہنچا۔ مولوی صاحب سے یہ مطالبہ کر دیا کہ ہمارے لیے ایک (گاڑی) کا بندوبست کر دیجیے تاکہ ہم اپنے سامان کے ساتھ مطلوبہ مقام تک پہنچ سکیں۔ انہوں نے فوراً یہ سوال داغ دیا کہ کیا تم اپنے طور پر سامان تقسیم کرنا چاہتے ہو تو جواباً ہم نے عرض کیا کہ حضرت سامان تو آپ کے مشورے سے تقسیم ہوگا مگر ہمیں تعمیر کی جلدی ہے تاکہ کل ہی ہم کام شروع کرا دیں۔ پس مولوی مطمئن ہوگیا۔ ہاں البتہ ہم نے نہایت عاجزانہ انداز میں استفسار کیا کہ پہلے والا ختم ہو چکا ہے یا کچھ باقی ہے تو جواب ملا کہ وہ ادھر کسی دوسرے آدمی کے ہاں ہم نے رکھوا دیا ہے۔ دوپہر کی نماز کے بعد دوپہر کا کھانا کھایا اور قیلولہ کے لیے لیٹ گئے۔ بس انتظار ہے کہ ''گاڑی'' کب آئے گی۔ مولوی صاحب کی آشیر آباد ہے۔ شام کی نماز سے پہلے ہم بلاک والے کے پاس گئے۔ ان کے ساتھ مول تول کیا۔ خیر آخیر میں -/21 روپے فی بلاک دینے کی حامی بھر لی مگر مشکل یہ تھی کہ مزدا نہیں مل رہا تھا۔ بعد میں مشورہ کیا کہ سائٹ پر جا کر اُن لوگوں سے بات کریں گے۔ وہی کوئی راستہ بنا دیں گے۔ مغرب کی نماز کے بعد ڈبل کیبن گاڑی پہنچ گئی مگر یہ وقت جانے کا نہ تھا۔ اس دوران مکران والے لوگ بھی وہیں ہمارے پاس پہنچ گئے۔ اس کے بعد مشکے سے ایک پارٹی آ گئی اور ہم کو وہاں جانے کی دعوت دی۔ ہم نے ان سے نام پتہ لیا۔ رابطہ کے لیے نمبر بھی لے لیا اور کہا کہ ان شاء اللہ ہمارے دوسرے ساتھی پہنچ جائیں گے تو وہ وہاں آپ کے ساتھ جائیں گے اور میڈیکل کیمپ لگائیں گے۔

ماشکیل والوں کی خدمت اور علاج:

اچھی صورت اور سیرت کے لوگ تھے اور کافی فکر مند لگ رہے تھے کیوں کہ عمومی پروپیگنڈہ یہ ہو رہا ہے کہ ماشکیل میں حالات درست نہیں ہیں۔ ہم نے بھی آپس میں مشورہ کیا کہ ان کے ساتھ مل کر کام کریں۔ پس ہم نے جیکٹوں والے تین کارٹن، دواؤں کے 2 کارٹن اور عورتوں کی شال والے پیکٹ ان کے حوالے کیے اور ان سے وعدہ لیا کہ اللہ کو حاضر و ناظر جان کر صحیح حق داروں تک پہنچا دیں۔ انھوں نے بہت ساری دعائیں دیں۔

آواران سے مالار:

صبح سویرے نماز، ذکر اذکار سے فارغ ہو کر ڈبل کیبن گاڑی میں اپنا سامان لوڈ کرایا اور پھر عازمِ

''مالار'' ہوگئے۔ یہ کافی بڑا علاقہ ہے۔ ہم اس میں چیر مالار کے علاقہ میں پہنچ گئے۔ یہاں کچھ سامان اور دوائیں مولوی عبدالغفور کے ہاں رکھوا دیں اور کچھ سامان اُس گاؤں میں لے گئے جہاں مسجد تعمیر کرنی تھی۔ تعمیر والی جگہ پر ہمیں ایک کمرہ دے دیا گیا۔ کمرے کے سامنے ہی باتھ روم موجود تھا۔ اچھے لوگ تھے۔ ہم نے بھی کھل کر ان کے ساتھ بات کی۔ طریقۂ کار طے کیا اور پھر آرام کیا۔ عصر کے وقت نماز کے بعد گاؤں کے بچوں کو مسجد میں اکٹھا کیا۔ ان سے کلمہ طیبہ پڑھوایا۔ نماز سنی، سیپارے اور قاعدے ان سے سنے اور ہر ایک کا نام کاپی میں لکھتے ہوئے ایک ایک بچے کو بھائی شفقت رضوان کے پاس بھیجتا رہا۔ وہ اپنے ہاتھوں سے اُن کو نئی نویلی جیکٹیں پہناتا رہا۔ سارے لڑکے اتنے خوش تھے کہ بیان نہیں کرسکتا۔ پھر وہاں پر موجود نوجوانوں میں بھی جیکٹیں تقسیم کیں۔ سارے دعائیں دے رہے تھے۔ گاؤں والوں نے تو مجھے مُلّا سمجھ لیا تھا۔ نماز کی امامت کے لیے ضد کر رہے تھے۔ ایک دو نمازیں بامرِ مجبوری پڑھا دیں۔ بعد میں قاری آ گیا اور ہماری جان چھوٹی۔ امامت سے جان چھوٹ گئی تو ''فضائلِ اعمال'' ہاتھوں میں تھما دی۔ اُس کے درس میں مشکل پیش نہیں آ رہی تھی۔ اچھا بھلا لیکچر سنا دیا۔ رات دیر تک وظائف پورے کیے اور پھر لیٹ گئے۔

عصر کی نماز کے بعد قریبی گاؤں کے تقریباً 13 بچے آ گئے۔ ننھے منے اور معصوم۔ میں نے ان کو اپنے ہاتھوں سے کوٹ پہنا دیے کہ شفقت تو موجود ہی نہ تھا حالانکہ وہ اس کا بڑا ماہر ہے۔ آج دن میں کئی بندے ہمارے پاس آئے اور اپنی مسجد بنانے کے لیے ہمیں کہا۔ ہم نے ان کے نام پتے لکھ لیے، ان کو تسلی دی کہ اللہ بہتری کے راستے نکالے گا۔ علاقے کے ایک مفتی عبدالستار صاحب مدرسہ واجباہ جاؤ کے مہتمم ہمارے پاس آئے ہمارے ساتھ مل کر کافی دیر تک پوچھ گچھ کی اور اس بات بہت زیادہ خوشی کا اظہار کیا کہ اہلِ حدیث یا دیگر NGOs اور تنظیموں سے پہلے آپ نے مسجدوں کی تعمیر کی بنیاد رکھ دی ہے اور ان مسجدوں کو منتخب کر لیا ہے جو واقعی زلزلے سے شہید ہو چکی ہیں۔

اللہ کے گھر کی تعمیر کا آغاز اور غیبی مدد

کرکیڈل کی مسجد کا مولوی عبداللطیف بھی آ گیا۔ اس کو فوری کام شروع کرنے کا کہا کہ ملبے کو ہٹاؤ اور بنیادیں کھودنے کا کام شروع کرا دو اور کہیں سے اچھا سا مستری ڈھونڈ کر لاؤ۔ وہی کام کرے گا ہمارا مستری بشیر اس کی راہنمائی کرتا رہے گا۔ نیز اس کو ریت، بجری لانے کے لیے کہہ دیا تا کہ بینگل بازار والی مسجد کے بنتے بنتے دوسری مسجد بھی آدھی کے قریب کھڑی ہو جائے جس سے کام تیز ہو جائے گا اور ہمارے چند دن بچ جائیں گے۔ مسجد کی تعمیر میں دو تین مزدور امتیاز، قاری سدھیر احمد، ظریف اور صابر نے تو شام (مغرب) کی نماز تک ایسا کام کیا کہ دل سے ان کے لیے دعائیں نکلیں۔ مغرب کی اذان تک مزدوروں اور معاونین کو خوب چلایا۔ مغرب کی نماز کے بعد جسم کو لے کر چلنا دوبھر ہو گیا تھا۔ وہیں مسجد ہی میں پاؤں پھیلا کر لمبے لمبے لیٹ گئے۔ عصر کی نماز کے بعد چند بچوں کو، جو قریبی گوٹھوں سے تعلق رکھتے تھے، کوٹ پہنا دیے۔ وہ نئے نویلے بہت زیادہ خوش ہو رہے تھے۔ ان کو دیکھ کر آنکھیں ٹھنڈی ہو رہی تھیں۔ عشاء کے بعد پیٹ پوجا کر لی اور نیند کی پُرسکون وادی میں چلے گئے۔

فجر کی نماز ادا کر کے ذکر اذکار کیا، ناشتہ کر لیا اور پھر مستری بشیر صاحب اپنے اوزاروں کے سامنے میدان عمل میں کود پڑے۔ ترائی کرالی پھر مزدوروں سے بلاک اٹھوائے، ترتیب سے رکھوا دیے۔ مصالحہ بنوایا اور جب چنائی شروع کر دی تو مزدوروں کے پسینے چھوٹ گئے۔ بھوک بھی چمک اُٹھی۔ کسی بندے کو ترس آ گیا۔ اس نے سوّیاں پکوا کر بھیج دیں۔ مزدوروں نے فوراً اس پر حملہ کیا۔ یہ تو اچھا ہوا کہ بشیر کو میں نے پہلے سے نکال کر پلیٹ پکڑا دی تھی ورنہ پتہ نہیں میرے ساتھ کیا ہو جاتا کہ کرنڈی اس کے ہاتھ میں تھی اور تھا بھی وہ میرے قریب۔ شفقت کے ساتھ رابطہ نہیں ہو رہا تھا۔ پریشانی بڑھتی جا رہی تھی۔ خیر خدا خدا کر کے 12:30 بجے صبح بلاکوں کا ٹرک پہنچ گیا۔ تھوڑی دیر کے لیے اس سے رابطہ ہو گیا۔ اس نے یہ اطلاع دے دی کہ سامان مل گیا ہے، اس کے بھیجنے کا بندوبست کر رہا ہوں نیز دوسری مسجد کے لیے بھی بلاک خرید رہا ہوں تا کہ اس کا بھی کام شروع ہو سکے۔ عصر کی نماز کے بعد 27 شال تقسیم کیے (یعنی 27 گھروں میں فی گھر ایک شال بھیج دی)۔ تین چار چھوٹے بچے بھی آئے تھے۔ ان کو جیکٹیں پہنا دیں۔ گاؤں میں چوں کہ گھر زیادہ تھے مگر شال کم اس لیے کہ کچھ

شال آواران میں رہ گئی تھیں۔ کچھ مولوی عبدالغفور کے ہاں پڑی تھیں۔ ایک شال مسجد کے قاری صاحب کو دے دی۔ عشاء کی نماز کے بعد سونے کے لیے دراز ہو گئے کیوں کہ سونا بھی تو سنتِ نبویؐ ہے۔

تعمیرِ مسجد میں مقامی بلوچوں کا کردار:

جمعہ کا دن ہے۔ معاون مستری چھٹی کر گیا ہے۔ ایک مزدور بھی چھٹی پر تھا۔ البتہ ہمارے بشیر بھائی کمر کس کر میدان مسجد میں مع اپنے اوزار آ حاضر ہوئے، مصالحہ بنایا۔ ترائی کرائی۔ مزے کی بات یہ ہے کہ لوگ اس کی باتوں کو نہیں سمجھ رہے ہیں اور یہ لوگوں کی باتوں کو نہیں سمجھتا۔ سب گونگوں کی طرح اشاروں کنایوں میں کام چلا رہے ہیں۔

12 بجے تک خوب زور شور سے کام ہوا۔ الحمدللہ دیواریں نصف کے قریب کھڑی ہو گئی ہیں۔ فرموں کے لیے مقامی لوگوں کے گھروں سے لکڑی کے تختے منگوائے۔ بشیر بھائی کام نکالنا جانتے ہیں۔ 12 بجے کے بعد غسلِ مسنون کیا۔ صاف کپڑے پہن کے کھانا کھایا اور قیلولہ کیا۔ پھر وضو کر کے جامع مسجد کی طرف چل دیے۔ جامع مسجد کے ساتھ ملحقہ مدرسہ مدینۃ العلوم گر چکا تھا جب کہ مسجد پوری شان سے کھڑی تھی۔ ہاں البتہ شکستہ ہو چکی تھی۔ ایک اچھا مستری اس میں بیم لگا کر دوبارہ مستحکم کر سکتا ہے۔ مولانا عبدالشکور صاحب کے پیچھے نماز پڑھی۔ لوگوں کو عذابِ الٰہی سے ڈرایا۔ ان کو اعمال کی درستی کے لیے کہا۔ اُمت کے لیے ملک کے لیے دعائیں کرنے کو کہا۔ نماز کے بعد مولانا صاحب بڑے تپاک سے میرے ساتھ ملے۔ ان سے میں نے صورتِ حال دریافت کی۔ واقعی کچھ گھروندے پورے مسمار ہو چکے تھے۔ ہاں ان کی لکڑیوں اور بانسوں سے بنی ہوئی جھونپڑیاں بچ گئی تھیں۔ مسجد کے ساتھ ہی ایک ڈسپنسری موجود تھی۔ جو سرکار کی تھی مگر وہاں کے ڈسپنسر کام کرتے ہی نہیں کیوں کہ سرکاری دواؤں کا تو وہ تیا پانچہ کر دیتے ہیں۔ ایک اچھا بڑا خیمہ مل جاتا تو پھر وہاں پر میں خود بھی یہ ڈسپنسری چالو کر لیتا کہ اپنے گھر میں بھی تو ڈاکٹر صاحبان موجود ہیں۔

نمازِ جمعہ کے بعد وہاں پر موجود ایک مولوی صاحب سامنے آ گئے کہ میرے گاؤں کی مسجد کو دیکھ لیجیے گری ہوئی ہے۔ اس کو بنوا کر دے دیں۔ اسکی تسلی و تشفی کے لیے اس کے ساتھ پیدل روانہ ہوا۔ ہماری مسجد کا قاری سدھیر بھی ساتھ تھا۔ وہاں ایک ہائی سکول کی عمارت بھی دیکھ لی۔ تھی تو شکستہ مگر کھڑی تھی بڑی شان سے۔ وقتی طور پر اسکی لمبائی چوڑائی کا پوچھا پاکٹ ڈائری میں بھی لکھ دیا کیونکہ میں وہاں ہاں یا نہ میں جواب دے ہی نہیں سکتا تھا۔ شفقت رضوان بھائی ابھی تک آواران میں رُکا ہوا تھا۔ رابطہ بھی نہ ہو سکا تھا۔ ساری توجہ اپنی زیرِ تعمیر مسجد پر لگا دی۔ مسجد کی قریبی جگہ پر ایک پلاسٹک کی ٹینکی لگی ہوئی تھی مگر یہاں کے بچے بھی جب دوسرا مشغلہ

نہیں پاتے تو پھر پتھروں کی لڑائی شروع کر دیتے۔ کہیں سے ایک دو پتھر ٹینکی کو لگے اور ہوگئی کریک۔ سارا پانی رس رس کر بہہ گیا اور پل بھر میں ٹینکی خالی ہوگئی۔ مقامی لوگوں نے مجھ سے ٹینکی بنانے کی درخواست کی۔ میں نے ان کو اس بات پر راضی کیا کہ مستری میں دے دوں گا اور میٹریل اپنے گھروں سے نکال لاؤ تو وہ راضی ہوگئے۔ یوں نمازِ جمعہ کے بعد مغرب تک استاد جی نے خیر سے ٹینکی کھڑی کر دی۔ سارے لوگ بہت خوش ہوگئے کہ اب مسجد کے لیے پانی کا ذخیرہ ختم نہیں ہوگا۔ ساتھ ساتھ گاؤں کے نوجوانوں کو دیواروں کی ترائی پر لگا دیا اور الحمدللہ انھوں نے پل بھر میں ساری دیواروں کو گیلا کر دیا۔ رات کو نماز کے فوراً بعد کھانا کھایا اور سو گیا مگر نیند نہیں آ رہی تھی۔ جسم پھوڑے کی طرح دکھ رہا تھا۔ ذکر اذکار شروع کر دیا کہ اس سے جلد نیند آ جاتی ہے۔

اللہ کا گھر، تعمیر میں سب شامل ہیں:

نماز اور ناشتہ سے فارغ ہوتے ہی تعمیر کا کام شروع ہوگیا۔ کرکیڈل گاؤں کے مولوی لطیف بھی پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ صبح ہی آ دھمکے۔ شفقت سے رابطہ نہیں ہو رہا تھا۔ تھوڑی دیر کے لیے رابطہ ہوگیا تو شفقت بھائی نے بتایا کہ مولوی کو کہہ دیجیے کہ دو ٹرالے ریت اور ایک ٹرالا بجری کا ڈال دے اور بنیادوں کی کھدائی شروع کر دے۔ دوسرا مستری امجد بھی آیا ہوا تھا۔ اس کو ہم نے پانی کی ٹینکی کے پلستر پر لگا دیا۔ پلستر کے کام میں وہ اچھا رہا۔ اب ان شاء اللہ دیواروں کو اونچا کرنا ہے تاکہ وہ چھت کی حد تک پہنچ جائیں۔ آج تو جسم بھی درد کر رہا تھا مگر گولی لینے سے احتراز کرتا رہا۔ رات کو سو گیا مگر جسم پھوڑے کی طرح درد کر رہا تھا۔ آج ایک نوجوان صابر نامی مزدور کو جو بہت زیادہ شیطانی کیا کرتا تھا اور کام بھی نہ کرتا تھا۔ اس کو مستری جی نے فارغ کر دیا۔ میں نے اس کا حساب کتاب کر کے اس کو چلتا کیا۔

آج صبح سویرے نماز، ذکر اذکار اور ناشتہ سے فارغ ہوتے ہی پھر کام شروع کرا دیا۔ چنائی کا کام تیزی سے ہوتا رہا تمام بیرونی دیواریں 6، 6 انچ اونچی ہوگئیں۔ چوں کہ پھٹے اور فرمے نہیں مل رہے تھے اس لیے دیسی طریقے سے کام چلانا شروع کر دیا۔ 800 بلاکس ختم ہوگئے ہیں۔ گری ہوئی دیواروں کے جو بلاکس سالم تھے وہ بھی استعمال کرنا شروع کر دیے۔ سریوں کو سیدھا کرنے کا کام شروع کرایا۔ چھلے وغیرہ بھی بنائے جا رہے تھے۔ الغرض بفضلِ خدا کام تیزی سے نمٹ رہا تھا۔ بچوں سے بہت زیادہ کام کرایا۔ خصوصاً مسجد کی صفائی ستھرائی کا۔ جوں ہی بچے مسجد آ جاتے، میں آدھی اردو، آدھی پشتو اور آدھی بلوچی میں انہیں کام پر آمادہ کرتا جاتا اور جب وہ تھک جاتے تو ٹافیاں کھلا کر ان کو خوش کر دیتا۔ آج تو بعض بچے نیند میں ڈرنے والے تعویز لکھوانے بھی آئے تھے۔

مالار کا پیر:

میں نے لاکھ سمجھایا کہ ہم مُلّا تھوڑے ہیں جو تعویز لکھ کر دیں۔ مگر وہ باز نہیں آ رہے تھے۔ آخر لکھوا ہی لیے۔ میں نے بھی آیت الکرسی، الحمدللہ اور قل ہو اللہ احد لکھ کر دے دیے۔ اعتقاد کی بات ہوتی ہے۔ اللہ ہم سب پر رحم فرمائے اور ایمان و ایقان کی طاقت عطا فرما دے۔ علاقے کی عمومی فضا اچھی ہے۔ بعض لوگ جو غبن کی فکر میں ہوتے ہیں، وہ باہر سے آنے والوں کو ڈراتے ہیں کہ فلاں علاقہ میں مت جاؤ۔ وہاں مت جاؤ صرف میرے پاس ہی رہو۔ یہی طریقہ مولوی عبدالغفور نے بھی شفقت بھائی کے ساتھ اپنا لیا تھا۔ رات وہ عشاء کی نماز کے وقت آیا۔ میں نے اس کو تسلی دی کہ فکر کی کوئی بات نہیں ہم اللہ کے لیے سب کچھ کر رہے ہیں۔ وہی ہماری مدد فرمائے گا۔ نہ آپ ڈریں اور نہ مستری بشیر کو ڈرائیں۔ اپنا کام جاری رکھیں گے۔ شفقت نے آواران میں ایک بڑا گودام حاجی اقبال صاحب کی وساطت سے حاصل کر لیا ہے۔ آئندہ آنے والا سامان اور ساتھی آواران ہی میں آ کر آرام سے گودام میں رہ سکتے ہیں۔ ان شاء اللہ کل ہم کسی گاڑی کا بھی بندوبست کر لیں گے اور ساتھ ساتھ سروے بھی میں مقامی احباب کے ساتھ شروع کر دوں گا کہ کس خاندان کو کس چیز کی ضرورت ہے۔ اس کو ٹوکن دے دیں گے اور بینگل بازار سے ان کو سامان کی فراہمی شروع کر دیں گے۔ آواران شہر کے قریب چند ایک گاؤں اور ہیں جن کی نشاندہی مولانا عبدالعزیز اور اقبال خان امیر نے کی ہے۔ وہاں بھی سامان پہنچانا ہے اس لیے شفقت سے یہ صلاح ہوئی کہ وہ دوبارہ آواران پہنچ جائے اور وہاں اپنا کام شروع کر دیں۔ مزید برآں مسجد کے لیے گارڈ سریہ T-iron اینٹوں وغیرہ کا بھی بندوبست کر لے۔

مستری بشیر کی پھرتیاں:

صبح سویرے روٹین کے مطابق مستری بشیر نے کام شروع کر دیا۔ جتنی بھی اینٹیں بلاک موجود تھے وہ تو چنائی میں لگا دیے۔ سریے سیدھے کیے۔ Piller تیار کیے اور پھر Binding wire کے ذریعے دوبارہ باندھ دیے اور پھر جو بھی لکڑی ملی اسی سے کام لینا شروع کیا۔ دو دن سے رمضان بھائی بھی غائب ہے۔ کل پہاڑوں پر چلا گیا تھا۔ وہاں سے بان وغیرہ لانا تھا تاکہ اپنی جھونپڑیوں کو مخصوص طریقوں سے محفوظ بنا لیں۔ سردیوں کا موسم شروع ہوا چاہتا ہے۔ دن تو بدستور گرم ہیں مگر رات کو ایسی تیز ہوا چلتی ہے اور اتنی ٹھنڈ ہوتی ہے کہ الامان۔ ہم بھی صبح سویرے کی اذان دینے میں کوتاہی نہیں کرتے۔ دوپہر کے بعد نمازِ عصر سے پہلے شفقت سے بات ہوئی۔ اس نے فوری طور پر ٹرک بھیجنے کا کہہ دیا مگر مشکل یہ ہے کہہ دینا تو آسان ہے مگر ٹرک کو آج کل ڈھونڈنا بڑا مشکل ہے۔ مقامی طور پر ایک ٹرک کام کرتا ہے۔ اس کے مالک سے بات کی۔ بڑے شان سے

آئے، بیٹھ گئے اور وہی کرائے پر مک مکا۔ یہ زیادہ مانگ رہا تھا، میں کم دے رہا تھا۔ میں نے دھمکی دی کہ اگر تو مانے گا نہیں تو پھر میں اوپر آسمان والے سے تیری شکایت کر دوں گا۔ تب وہ دس ہزار روپیہ فی پھیرے پر راضی ہوا۔ فوراً اس کو روانہ کر دیا کہ آج رات تک سامان یہاں پہنچانا ہوگا۔ عشاء کے بعد شفقت بھائی سے رابطہ ہوا۔ اس نے بتایا کہ ٹرک والا آنے پر بضد ہے۔ میں نے کہا کہ اس کو آنے دو۔ آپ خود کل آ جائیں۔

بینگل بازار کی مسجد کی تعمیر:

بینگل بازار ماسٹر محمد ایوب اور بینگل بازار ماسٹر دین محمد کے لوگوں کے پہنچ گئے۔ مدرسہ مدینۃ العلوم کے مدرس/ خطیب کی بھی ایک فہرست بابت شہید بچے اور بیوگان ملی۔ کرکیڈل گاؤں کے مولوی عبداللطیف سے گاؤں کے لوگوں کے نام لکھوا لیے تا کہ ہم ان میں منظم طریقے سے سامان تقسیم کر سکیں۔ مجمع ہو جائے تو دھکم پیل اور چھینا جھپٹی ہوتی ہے۔

رضائیوں کی تقسیم:

صبح ناشتہ سے فارغ ہوتے ہی رضائیاں لپیٹنا شروع کر دی۔ بلاک موجود نہ تھے، اس لیے مزدوروں کو چھٹی دے دی صرف دو کو رکھا جنہوں نے دیواروں پر پانی لگانا شروع کرا دیا۔ لحاف بھی لپیٹ کر ترتیب سے رکھے۔ کارٹن بھی قطار میں رکھ لیے۔ خیموں کو اندر رکھا اور پھر شفقت وغیرہ کا انتظار کرنے لگے۔ سارا دن خالی گزرا۔ ہاں فہرستوں کو ترتیب دیدیا تا کہ سامان کی تقسیم میں آسانی ہو۔ ظہر کے وقت شفقت اور کاوش ٹرسٹ کے دو بھائی کمال اور نوید آئے۔ ان کی کارگزاری سنی۔ وہ ایک ڈاٹسن پر کچھ سامان رضائیاں کشکور لے گئے تھے۔ تقسیم کے دوران دلچسپ اور حیرت انگیز واقعات ہوتے ہیں ایسا ہی ایک واقعہ تقسیم کے دوران ہوا۔ آخری رضائی ایک عورت کے ہاتھ آئی تو دوسری نے بھی اسی رضائی کو پکڑ لیا۔ دونوں کی چھینا جھپٹی ہو رہی تھی کہ تیسری اس رضائی پر درمیان میں بیٹھ گئی۔ چوتھی نے بھی اس پر قبضہ ثابت کرنے کے لیے دوسری کے ساتھ نشست سنبھالی۔ ان کے درمیان یہ لڑائی جاری تھی کہ شفقت اپنے ساتھیوں کے ساتھ وہاں سے جان چھڑا کر بھاگ نکلا۔

رضائیاں اور کاوش ویلفیئر ٹرسٹ:

عصر کی نماز کے بعد تمام مردوں کو مسجد کے اندر بٹھایا اور پھر ترتیب سے فہرست کے مطابق ایک ایک بندے کا نام پکارنے لگا۔ کاوش والے ان کو ایک ایک رضائی دیتے گئے اور تصاویر بناتے گئے۔ نہ دھکم پیل نہ شور شرابہ۔ ایک ایک شخص نوجوان، بوڑھا، چھوٹا، بڑا کوئی باپ کی جگہ رضائی لے جا رہا ہے تو کوئی بھائی کی جگہ لے جا رہا ہے۔ تقسیم کے اس طریقے سے سارے گوٹھ والے خوش ہو گئے۔ بعد میں دین محمد بینگل بازار والے لوگوں کو بھی

ایک ایک رضائی تھما دی۔ دھمب کے ایک مولوی عبدالشکور صاحب مغرب کی نماز کے وقت آئے۔ اس کو اس کے گاؤں کی بیواؤں کے لیے 40 عدد رضائیاں، 70 عدد مچھر دانیاں اور 28 عدد چٹائیاں اور 3 خیمے دے دیے۔ خیمے ان کے مدرسہ کے لیے تھے۔ شہدا کے گھرانوں کیلئے ان شاءاللہ کل 30 عدد رضائیاں بھیجیں گے۔ اپنے لیے بھی ایک خیمہ کمرہ کے قریب نصب کرایا۔ مولوی عبدالغفور کے گاؤں میں ڈسپنسری شروع کر دی گئی ہے۔

بچے اور مالار کا پیر:

آج صبح سویرے بلاکوں کا ٹرک اللہ کے فضل و کرم سے پہنچ گیا۔ فوری طور مزدور بلاک اتارنے میں لگ گئے۔ میں کاوش ٹرسٹ کے ساتھیوں کے ساتھ موٹر سائیکلوں پر دھمب گاؤں پہنچ گیا۔ وہاں ایک چھوٹی سی دکان سے کچھ ٹافیاں خرید کر مقامی بچوں کو دینا شروع کیا تو سارے بچے ہنستے مسکراتے میری طرف بھاگ کر آ رہے تھے۔ بچوں کا ایک میلہ سا لگ گیا۔ کاوش ٹرسٹ کے بندوں نے جب یہ تماشا دیکھا تو اپنا کام چھوڑ کر میری طرف لپکے۔ مختلف قسم کے لباسوں میں ملبوس ان چھوٹے بچوں کی تصاویر بنانا شروع کیا۔ تمام بیواؤں میں ایک ایک مچھر دانی مع رضائی تقسیم کی۔ وہاں سے موٹر سائیکلوں پر بینگل بازار واپس روانہ ہوئے۔ بینگل بازار سے دوبارہ میں اور شفقت کرکیڈل کے لیے روانہ ہوئے۔ مالار کی ساری عورتیں اب اپنے بچوں کو دم کرانے کے لیے میرے پاس آنے لگی ہیں۔ مجبوراً آیات پڑھ کر دم کرتا ہوں۔ اللہ شفا دیتا ہے۔ وہ خوش ہو جاتی ہیں۔ بنوں کا گنہگار ظہور خان ''مالار کا پیر'' مشہور ہو گیا ہے۔

اللہ کے ایک اور گھر کی تعمیر:

اللہ کے فضل و کرم سے مسجد کے لیے پیائش شروع کر دی۔ پیائش ہم سے سیدھی نہیں ہو رہی تھی۔ اس لیے شفقت نے مولوی عبداللطیف کو بینگل بازار سے مستری بشیر کو لانے کے لیے بھیجا۔ جلد ہی وہ پہنچ گئے اور پھر باقاعدہ پتھر رکھ دیے۔ مولوی کو کہہ دیا کہ فوراً مزدوروں کا انتظام کر کے بنیادیں کھودنا شروع کر دو اور ریت، روڑا اور بجری کا بندوبست کر دیں۔ اس نے خوش دلی سے اس کام کا بیڑا اٹھایا۔ وہاں پر تھوڑی دیر ٹھہرے رہے۔ ان لوگوں نے اپنی بساط کے مطابق ہمارے لیے کھانے کا بندوبست کیا تھا۔ ان کے ساتھ اکٹھا کھا کر بہت لطف ملا۔ بینگل بازار واپسی کے بعد ''بدرنگہ'' گاؤں کا مولوی یوسف آ پہنچا۔ اس کو ایک خیمہ اور 5 عدد ترپال دے کر رخصت کیا۔ بڑا مشکور تھا۔ لیڈیشی بازار کے محمد علی کو ایک مچھر دانی اور ترپال دے دی۔ آج ایک سلجھا ہوا انسان بھی مجھے ملا۔ نام اس کا علی جان تھا۔ اس سے کافی معلومات حاصل کیں۔ اس کا تعلق ''کلیڈ بیزی بازار'' سے تھا۔ ہم نے اس کو ایک ترپال اور دو عدد مچھر دانیاں دیں، بڑا خوش ہوا۔ عشاء کی نماز کے بعد کھانا کھایا۔ کچھ دیر

مقامی لوگوں سے گپ شپ ہوئی۔ پھر مسجد کے مؤذن اور ایک خادم امتیاز، جو ہماری خدمت میں پیش پیش رہتے ہیں، کو ایک ایک ترپال دی۔ ان کی خوشی دیدنی تھی۔ چلنے سے پہلے انھوں نے مجھے درخواست کی کہ ڈاکٹر صاحب سے ہماری سفارش کریں کہ ہم کو رائیونڈ کے مدرسہ میں داخل کرا دیں۔ ہم نے ان کو تسلی دی کہ اللہ تعالیٰ خیر کے راستے آپ کے لیے کھول دے گا۔ رات کو خوب ڈٹ کر سو گئے کیوں کہ تھکن سے برا حال ہو رہا تھا۔

مسجد کی تعمیر میں پیش رفت:

صبح سویرے نماز، ذکر و اذکار اور ناشتہ سے فارغ ہوئے۔ مستری بشیر اور دوسرے مستری کو کام پر لگا دیا۔ کھڑکیوں اور دروازوں کے بیم اٹھا دیے۔ ان کی نوک پلک درست کر دی اور پھر چنائی کا کام شروع کرا دیا۔ اس کے بعد ایک مقامی ساتھی سے موٹر سائیکل لے کر اس پر ''لیڈیشی'' نامی گاؤں کی طرف ایک رہبر کے ساتھ روانہ ہوا۔ تقریباً 8 کلومیٹر کا فاصلہ تھا۔ وہاں ٹرک ڈرائیور ملا۔ اسے کرکیڈل کی مسجد کے لیے بلاک لانے کو کہہ دیا۔ ساتھ ہی شفقت کو فون کیا کہ ٹرک روانہ کر دیا ہے۔ اس میں کچھ سامان بھی کرکیڈل کے لیے لوڈ کر لو۔ آج سعید اللہ بازار کا مولوی عبدالغفور آیا۔ وہ جامع مسجد کے قریب مدرسہ میں بچوں کو پڑھاتا ہے۔ اس کو دو خیمے دیے کیونکہ مدرسہ کے سارے کمرے گرے ہوئے تھے۔ جامع مسجد کا نیا تعمیر شدہ حصہ پوری شان و شوکت کے ساتھ کھڑا تھا جب کہ پرانا حصہ منہدم ہو چکا تھا۔ ویسے بھی اس حصہ کو ہٹانا ضروری بھی تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے ان کی مزدوری کر لی اب وہ گرانے کی بجائے صرف ملبہ ہی نکال لیں گے اور خوبصورت مسجد ظاہر ہو جائے گی۔ مولوی عبدالغفور کو مچھر دانی اور ایک ترپال بھی دے دیا۔ تھا تو یک چشم مگر بہت خوش دکھائی دے رہا تھا۔ کرکیڈل کے مولوی عبداللطیف کو 3 عدد خیمے دے دیے۔ ساتھ ہی ترپال بھی روانہ کر دیے۔ مستری بشیر نے دروازوں اور کھڑکیوں کے چھوٹے لنٹر ڈال دیے اور دوسرے مستری نے جنوبی دیوار کو اٹھا دیا۔ مغربی دیوار کا آدھا حصہ بھی مکمل اونچا ہو گیا۔ دیگر دیواروں کو خوب اچھی طرح تر کر لیا ہے اور ہال کے اندر کا سارا ملبہ نکال لیا۔ ان شاء اللہ کل جمعہ کو دیواریں مکمل ہو جائیں گی۔

مسجد، کرکیڈل اور مالار کے زندہ دل لوگ:

حسبِ معمول صبح کے ناشتہ وغیرہ سے فراغت حاصل کرنے کے بعد مستری بشیر نے کام شروع کر دیا۔ معاون مستری چھٹی پر تھا نیز ایک مزدور ''سیدو'' بھی غیر حاضر تھا۔ جمعے کا دن تھا۔ راشن کے پیچھے نکل گئے ہوں گے۔ صرف 3 مزدور موجود تھے۔ مستری نے T-irons مخصوص دیسی طریقوں سے کاٹ لیے اور ان کو دروازوں کھڑکیوں کے بیم بنانے کے لیے استعمال کیا۔ میں بھی اس کا ناطقہ بند کیے ہوئے تھا کہ کچھ بھی ہو مغربی

دیوار کو مطلوبہ اونچائی تک پہنچانا لازمی ہے۔ 9 بجے کے قریب میں آواران کے لیے روانہ ہوا کہ شفقت کی صلاح یہی تھی۔ 20 لیٹر تیل ڈالا۔ کلیڈزی بازار کے ایک مولوی کو ٹینٹ دیا اور فوراً لگانے کے لیے کہا۔ میں نے اس سے اس گاؤں کے مکینوں کی فہرست مانگی تو یہ دیکھ کر حیرانی ہوئی کہ جھگیاں اتنی نہ تھیں جتنی فہرست میں نام لکھے گئے تھے۔ پس میں نے مولوی کو سمجھایا کہ ادھر ادھر کے لوگوں کے نام نہ لکھے۔ ہم اس کے مطابق آپ کور ضائیاں وغیرہ بھیج دیں گے اور ہمارے ساتھی ان کو تقسیم کر دیں گے۔ وہاں سے جلد ہی نکل گئے۔ راستے میں ایک لیوی کی چیک پوسٹ پر کسی سپاہی نے اللہ کے مقدس نام کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ اسے مع جھونپڑی کے سامان کے آواران تک لے جائیں۔ اس بندۂ خدا نے ہمارا آدھا گھنٹہ ضائع کیا۔ راستے میں دیکھا کہ ہر دو تین کلومیٹر کے فاصلے پر مستعد فوجی جوان کھڑے ہیں۔ کسی نے ہمیں روکا نہیں مگر آواران سے چند کلومیٹر پر موجود پولیس چوکی پر موجود فوجی جوانوں نے ہماری گاڑی روک دی اور اگلے حکم تک انتظار کے لیے کہا۔ کیپٹن سے پوچھا تو جواب ملا کہ ملک کے وزیراعظم بنفس نفیس آواران تشریف لا رہے ہیں۔ اس بات پر مجھے کافی افسوس ہوا کہ جن لوگوں کو امداد دینے کے لیے وزیراعظم آ رہے ہیں ان کو تو مزید آزمائش میں مبتلا کر دیا گیا ہے۔ ہم تو خیر سے مسافر ٹھہرے مگر بہت سارے مقامی لوگوں کو دیکھا جو موٹر سائیکلوں پر جوڑا جوڑی تین تین اور ویگنوں کی چھتوں پہ آ رہے تھے۔ ٹرکوں کے سائے میں جہاں جگہ ملی بیٹھ گئے۔ میں نے تو اللہ کا ذکر شروع کیا کہ یہی انتظار کی گھڑیوں کو آسان بنا دیتا ہے۔ چار گھنٹے کم و بیش انتظار کیا۔ جمعہ کی نماز بھی نہ پڑھ سکے۔ راستے میں ہی ایک کنویں سے کچھ پانی نکال کر ظہر کی نماز ادا کی۔ اس دوران فوجیوں کا رویہ انتہائی مہذب رہا۔ انھوں نے انتظار کرنے والوں کو ایک ایک پیکٹ بسکٹ کا تھما دیا۔ مجھے تو انھوں نے سلیمانی چائے کی پیالی بھی پیش کر دی جو ایک نعمتِ غیر مترقبہ تھی۔ جوں ہی عوامی وزیراعظم پرواز کر گئے۔ سڑکیں کھل گئیں۔

گشکور میں علاج اور خدمت:

صبح سویرے مستری بشیر کو کام پر لگا دیا۔ گاڑی کو رضائیوں، خیموں، چٹائیوں اور مچھر دانیوں سے لوڈ کیا اور مولوی عبدالصمد کے ہمراہ داد دوست بازار گشکور روانہ ہو گئے۔ اس علاقے میں بھی کافی مکانات اور جھگیاں گر چکی ہیں۔ مسجد بھی شہید ہو چکی ہے۔ ترپال سے ایک مسجد بنا رکھی تھی۔ اس میں بیٹھ گئے۔ حاجی داد دوست نے مکینوں کے ناموں کی فہرست دی۔ ہم نے سامان مسجد میں رکھ دیا اور پھر کاوش والوں سے کہا کہ نام پکارتے جاؤ اور رضائی دیتے جاؤ۔ اس دوران حاجی داد دوست نے سلیمانی چائے سے ہماری تواضع کی۔ 60 گھر/جھگیاں تھیں۔ ہر ایک کے حصے میں کم از کم ایک رضائی آ ہی گئی۔ دو ترپال مسجد کی چھت کی زینت بن گئیں۔ دو ترپال ہال میں بچھانے کے لیے جبکہ کچھ ترپال جھگیاں بنانے والوں کو دے دیں۔ حاجی داد دوست

نے کھانا بھی کھلایا۔ نماز ظہر کے بعد واپس بینگل بازار کے لیے روانہ ہو گئے۔

مالار میں ہماری ڈسپنسری:

واپسی کے سفر میں مولوی عبدالغفور کے گاؤں میں قائم کردہ ڈسپنسری کا بھی دورہ کیا۔ مقامی لوگوں نے تصدیق کر دی کہ ڈسپنسر روزانہ 9 بجے آتا ہے اور ایک بجے واپس چلا جاتا ہے۔ وہاں سے مستری بشیر کے لیے کچھ دوائیں لیں۔ مغرب کی نماز کے وقت بینگل بازار پہنچ گئے۔ کاوش والوں کو صبح سویرے کر کیڈل بھی بھیجا تھا۔ فہرست ان کے ہاتھ میں تھما دی تھی۔ وہاں بھی انھوں نے مقامی احباب کے تعاون سے تمام لوگوں کو منظم انداز میں رضائیاں اپنے ہاتھوں سے دیں۔ اپنی تصویریں تو وہ کھینچ ہی رہے ہیں مگر مجھ سے پوچھے بغیر میری تصاویر بھی انھوں نے کھینچ لی تھیں۔ مجھے تصاویر دکھائیں تو میں خود دیکھ کر حیران ہو گیا۔ میں نے شفقت کو کہا کہ ان کو محفوظ کر کے ڈاکٹر صاحب کے پاس بھیج دو۔ مغرب کے وقت شفقت اور کاوش والوں کو آوران کی طرف اپنی ڈبل کیبن میں روانہ کر دیا۔

زلزلہ زدگان سے محبت:

صبح سویرے مستری بشیر نے کام کے لیے کمر کس لی اور میں نے رضائی بازار کے بندوں کو بلایا جن کی فہرست میں نے ایک دن کے لیے حاصل کی تھی۔ ان کو رضائیاں دے دیں۔ بہت خوش تھے۔ ان کے علاوہ بھی چند ایک سفید ریش آئے ہر ایک اپنا اپنا دکھڑا سنا رہا تھا۔ ان کے ہاتھوں میں بھی کچھ تھما کر رخصت کیا۔ کبھی اچانک سوچ میں ڈوب جاتا ہوں کہ لوگ ان زلزلہ زدگان سے محبت کے اظہار کے طور پر سامان راشن وغیرہ بھیج رہے ہیں، ان کو مل بھی رہا ہے مگر اب وہ ''ہل من مزید'' کے چکر میں پڑ گئے ہیں۔ ہر ایک سے سوال کرتے نظر آتے ہیں۔ میرے پاس جب آتے ہیں تو پہلے ان کو تبلیغ والوں کی طرح ترغیب دینے لگتا ہوں اور ان کو کہہ دیتا ہوں کہ نکلو اللہ کی راہ میں، 4 مہینے چلّے کے لیے تو وہ فوراً کہہ دیتے ہیں کہ یہ تو تبلیغ والے ہیں۔ پھر وہ دوسری بار ہمارے پاس نہیں آتے۔ مچھر دانیوں نے ہمارا مسئلہ بڑی حد تک آسان کر دیا ہے۔ عصر کے وقت علی جان کی گاڑی واپس بینگل بازار آ گئی۔ مچھر دانیوں کے پیکٹ، ترپال کے پیکٹ اور رضائیاں بھی ساتھ لایا تھا۔ شفقت سے فون پر بات ہوئی۔ اس نے بتایا کہ اقبال صاحب کے مشورے سے مقامی آدمی کے ساتھ ماشکیل کے قریبی گاؤں میں رضائیاں تقسیم کرنے جا رہا ہوں۔ میں نے اجازت دے دی۔ الحمدللہ کہ مالار اور مشکے دونوں شہروں میں ہمارا سامان پہنچ رہا ہے۔ مستری بشیر مسجد کے محراب کا قالب بنا رہا تھا۔ میں نے اسے مکمل کرنے کے لیے کہا۔ رات الحمدللہ بہت اچھی گزری۔

مسجد کی جاری تعمیر:

آج مستری بشیر کو کام پر لگانے سے پہلے کہہ دیا کہ ہال اور برآمدے کی دیواروں کو مطلوبہ بلندی تک پہنچانا ہوگا اور ستونوں کی بھرائی بھی شروع کر دے۔ اس نے لکڑی کے پھٹے کہیں سے ڈھونڈ نکالے تھے۔ ساتھ ہی برآمدے کے دروازوں کے قالب بھی بنانے ہیں اور مسجد کے برآمدے میں موجود ملبے کو ہٹانا بھی ہے۔ مقامی احباب، انکے بچوں اور مزدوروں کو ملبہ ہٹانے پر لگا دیا اور بفضلِ خدا 3 گھنٹوں کے اندر اندر ملبہ اٹھا دیا گیا۔ مفتی عبدالستار صاحب نے سانڈان ''گوشانگ'' کے گاؤں میں رضائیاں، چٹائیاں اور مچھر دانیاں بھیجنے کے لیے کہا تھا۔ اس لیے وہاں کے مقامی ذمہ دار لوگوں کو بلایا اور مطلوبہ سامان ان کے حوالے کر دیا چوں کہ یہ گاؤں پہاڑ کی دوسری طرف ہے۔ اس لیے سامان ان کے حوالے کر دیا اور حلف لیا کہ اسے لوگوں میں فہرست کے مطابق تقسیم کرنا ہوگا۔ انھوں نے وعدہ کیا کہ ایسا ہی کریں گے۔ مغرب کی نماز سے پہلے احقر کرکیڈل گاؤں کے بچوں کے لیے کوٹ اور شہید بچوں کی ماؤں کے لیے شال لے کر گیا۔ وہاں پر موجود ایک ہیڈ ماسٹر عبدالمجید کے ہاتھوں تمام بچوں کو کوٹ پہنا دیے۔ سارے بچے اتنے خوش تھے کہ بیان نہیں کر سکتا۔ شہدا کی ماؤں کے لیے شالیں دیں۔

زلزلہ زدگان کی مزید خدمت:

صبح سویرے حسب معمول تیار ہوئے تو کرکیڈل کے لیے میں اور مستری بشیر رمضان ویگن میں روانہ ہوئے۔ اپنے ساتھ کوٹ، رضائیاں، ترپال اور مچھر دانیاں بھی لیں۔ میر فیض محمد کے بازار میں وہ سامان فہرست کے مطابق تقسیم کیا۔ بچوں کے کچھ کوٹ بھی تھے۔ وہ بھی مقامی بچوں اور نوجوانوں میں تقسیم کیے۔ سب خوش تھے کہ گھر بیٹھے اللہ تعالیٰ نے ان کو نواز دیا۔ اللہ جب دیتا ہے تو ایسے دیتا ہے کہ بندے کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتا کہ یوں مل جائے گا۔ جانے سے پہلے ایک بیوہ سلطانہ (دلمراد کی بہن) کے لیے ایک خیمہ کھڑا کر دیا۔ اس کی چھوٹی چھوٹی بچیاں خوشی سے اچھل رہی تھیں۔ ایک دوسری بیوہ جس کا نام نوری ہے اس کے لیے اگر کمرہ بنا کر دیا جائے تو یہ بہت ہی بڑی بات ہوگی۔

کرکیڈل پہنچنے کے بعد چھوٹا تالاب بنا لیا اور اس پر ریت بجری سیمنٹ کی تہہ چڑھا دی۔ واٹر سپلائی کی موٹر خراب ہے اس لیے مجبوراً ڈاٹسن میں بڑا مشک ڈال کر کسی قریبی ٹیوب ویل سے پانی لانا پڑے گا۔ ڈاٹسن والے کے ساتھ بات ہوگئی ہے۔ اپنے لیے ایک خیمہ کھڑا کر دیا ہے۔ خیمہ کے قریب بھی ایک واش روم موجود ہے۔ نومبر کے مہینے میں دن کو سخت گرمی اور رات کو ٹھنڈک محسوس ہوتی ہے۔ کافی پرسکون محسوس کر رہے ہیں۔

رات کو دال نان کھا کر ایسا محسوس ہو رہا ہے جیسا کہ مارگلہ ہوٹل اسلام آباد میں ڈنر کھا رہے ہوں۔ بنیادیں کھود لیں کل ان شاءاللہ ان کی بھرائی ہوگی۔ رات خوب میٹھی نیند سوئے۔

ہے جذبہ تعمیر زندہ:

آج صبح سویرے ناشتہ وغیرہ سے فارغ ہوئے تو مستری کو بنیادوں کی سیدھ، پیمائش اور قبلہ کے تعین کے لیے لگا دیا۔ مقامی احباب نے بنیادیں کھودیں اور ان میں پتھر ڈالنا شروع کر دیا۔ دو مزدور مصالحہ تیار کرنے میں لگ گئے۔ ڈاٹسن والا بروقت پانی کے پھیرے لے آیا اور تالاب کو اچھی طرح بھر دیا۔ ظہر کی نماز اور کھانے سے جوں ہی فارغ ہوا تو مسجد کے اندر نیتِ اعتکاف کر کے دراز لیٹ گیا کیوں کہ آج پیروں میں درد بھی محسوس کر رہا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ یورک ایسڈ کا لیول پھر بڑھ گیا ہے۔ ان شاء اللہ پرہیز سے اچھا ہو جائے گا۔ مغرب کی نماز کے وقت تک آدھی سے زیادہ بنیادوں پر ریت بجری اور سیمنٹ کی تہہ چڑھ چکی تھی۔ شفقت سے فون پر بات ہوئی۔ کہہ رہا تھا کہ کریکیڈل کیوں آ گئے۔ میں نے اس کو صورتِ حال سے مطلع کیا کہ دن خالی گزارنا (کام کے بغیر) مجھے اچھا نہیں لگتا۔ بینگل بازار میں جب کوئی کام ہی نہ تھا تو پھر کریکیڈل میں کام شروع کرنے میں کیا حرج ہے۔ مستری بشیر کی تو دیہاڑی چل رہی ہے۔ اس سے مسجدوں کا سامان جلد از جلد پہنچانے کی درخواست کی۔ شفقت نے بتایا کہ ہمارے ساتھ مانوس بدین والے دو مستری ہمارے پاس پہنچ رہے ہیں۔ بلاک بنانے کا بھی انتظام کر دیا ہے جس سے اخراجات کم ہو جائینگے۔ مولوی عبداللطیف صاحب کہیں سے ایک سانچہ ڈھونڈ لائے۔ رات خیمہ میں سکون سے گزری ''الحمدللہ''۔

شفقت غائب ہے، اللہ خیر کرے:

صبح سویرے اٹھ کر مستری کو کام پر بھیج دیا۔ تین مزدوروں کے ساتھ مقامی احباب نے بھی کام شروع کر دیا۔ ہال کی بنیادیں پتھروں سے بھر دیں ان پر مصالحہ کی تہہ چڑھا دی گئی۔ محراب کی بنیادیں بنا لیں۔ برآمدے کی شمالی اور جنوبی بنیادوں پر بھی مصالحہ چڑھا دیا گیا۔ مستری بشیر نے مغربی دیوار کی چنائی شروع کر دی۔ شفقت کا اتہ پتہ نہیں چل رہا ہے۔ اس کی طرف سے مجھے تشویش ہے مگر اللہ تعالیٰ سے خیر ہی کی توقع ہے۔ ساڑھے گیارہ بجے رات شفقت سے فون پر بات ہوگئی۔ کچھ سامان کی کمی اور کچھ سارا دن تشویش میں گزارنے کی وجہ سے لہجہ تھوڑا تلخ ہو گیا۔ یقیناً شفقت بھائی کو ناراض کر لیا ہوگا۔ تھوڑی دیر بعد اسلم خان مروت کے ساتھ بھی فون پر لڑ پڑا۔ مقام شکر ہے کہ وہ ہنس ہنس کر میری جلی کٹی سن رہا تھا اور تلقین کر رہا تھا کہ استغفار اور درود شریف پڑھنا شروع کر دو۔ تب مجھے احساس ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنے لگا، چپکے چپکے رو دیا۔ دونوں

بھائیوں (شفقت اور مروت) کو دعائیں دینے لگا۔ کل ان شاء اللہ ان سے معذرت کرنی ہے۔ امید ہے معاف کر دیں گے۔ ساری رات نیند نہیں آ رہی تھی۔ تصور ہی تصور میں دونوں ساتھیوں کے افسردہ چہرے سامنے آ رہے تھے۔

شفقت خیر سے ہے:

آج جمعہ کا دن ہے۔ ذکر اذکار کے فوراً بعد مسجد میں بیٹھے ہی بیٹھے (بغیر ٹیک لگائے) نیند آ گئی۔ سکون محسوس کر رہا تھا کہ مؤذن کی آواز کان میں آ گئی۔ چونک گیا اور موذن کے ساتھ ساتھ اذان کے بول دہرانے لگا۔ واقعی اللہ تبارک وتعالیٰ بہت بڑا ہے، جس نے ہزاروں کلومیٹر دور سے اٹھا کر یہاں بلوچوں کے دیس میں لا بٹھایا ہے۔ نماز پڑھی، تلاوتِ کلام پاک اور ذکر اذکار سے فارغ ہو کر خیمے میں آیا تو مستری بشیر پانی اور چائے لے کر آ گیا۔

اسی اثناء میں شفقت کا فون موصول ہوا۔ اس کی خیریت معلوم ہوئی تو دل کو تسلی ہوئی۔ بلاک کی کمی ہے۔ فیکٹری والے نخرے کر رہے ہیں۔ لوگوں سے لاکھوں ایڈوانس وصول کر چکے ہیں۔ اس لیے میں نے ایک تجربہ کیا اور مقامی طور پر 10 بلاک بنا لیے۔ ان کا حساب کرتے گئے۔ جتنا حساب کرتے گئے فی بلاک 25 تا 31 روپے خرچ آ رہا تھا۔ تب مقامی ساتھیوں سے کسی کاریگر کو لانے کے لیے کہہ دیا۔ فی بلاک 5 روپے بنانے پر راضی ہو گئے۔ نمازِ جمعہ تک کام کرتے رہے۔ میر پیر جان بازار کے جامع مسجد دھمب میں نمازِ جمعہ ادا کی۔ واپس آئے تو سامان کا ٹرک آ گیا۔ دو مستری بھی اس پر موجود تھے۔ ان دونوں کو خیمے میں پہنچا دیا۔ چند رضائیاں اور چٹائیاں کلیڈزی بازار میں تقسیم کیں۔ فہرست موجود تھی لہٰذا کسی قسم کی بدنظمی نہیں ہوئی۔ کرکیڈل کی قریبی مسجد میں نمازیوں کے لیے خیمہ نصب کر دیا کیوں کہ یہ ضروری تھا۔ شفقت کو مغرب کی نماز کے بعد اطلاع دے دی کہ سامان پہنچ گیا ہے۔

مسجد مکمل ہو رہی ہے:

حسبِ معمول صبح سویرے ناشتہ سے فارغ ہوتے ہی مستریوں کو کام پر لگا دیا۔ مقامی بچوں اور دیگر رضا کاروں سے بھرائی کا کام شروع کرا دیا۔ مستری بشیر بھی مختلف مقامات پر پیمائش کرنے کے بعد نشانات لگاتا رہا۔ سامان کا ٹرک پہنچ گیا، اس کے ساتھ ہی متعلقہ مزدوروں نے ان لوڈنگ شروع کر دی۔ ٹرک ڈرائیور کو کرایہ ادا کیا۔ مزدوروں نے اپنی مزدوری لی۔ 30، 40 ٹائلز ٹوٹ چکی تھیں۔ بینگل بازار میں سریہ گارڈرز وغیرہ لے جانے کی بات کی۔ مگر ڈرائیور بولا کہ حاجی صالح محمد نے کہا ہے کہ سارا سامان وہاں اتار دو۔ مغرب تک

مقامی بچوں سے کافی بھرائی کرالی ہے۔

حسبِ معمول مسجد کی تعمیر کا کام شروع ہوا۔ مقامی مستری امجد کو چھٹی دے دی کیوں کہ مطلوبہ مقدار میں بلاک موجود نہ تھے۔ اکبر کو دوبارہ بلاک بنانے کے کام پر لگا دیا کیوں کہ مفت کی دیہاڑی اچھی نہیں ہوتی۔ مشتری بشیر نے ستونوں کے پھٹے بنانے کا کام شروع کیا اور ساتھ ہی ستونوں کی بائینڈنگ (کٹائی، سیدھائی، رنگ ڈالنا) شروع کر دی۔ اس دوران وہ میری کسی بات پر ناراض ہوگیا میں خاموشی سے اٹھ کر مسجد میں بیٹھ گیا اور ذکر اذکار شروع کر دیا کیونکہ یہی سکونِ قلب کا واحد ذریعہ ہے۔ اس کو بھی بعد میں احساس ہوگیا کہ اچھا نہیں ہوا۔ لہٰذا وہ مستعدی سے کام میں لگ گیا۔ بعد میں اس نے تین ستونوں میں بجری بھی ڈال دی اور دیواروں پر دو اطراف سے بیم بھی ڈال دی۔ مقامی بچوں کو دیواروں کی ترقیاتی کام پر لگا دیا۔ ایک بلاک 26 روپے کا پڑتا تھا۔ شفقت نے فون پر بتایا کہ سیمنٹ کا ایک ٹرک لوڈ کر کے بھیج دیا ہے۔ فی الحال کام کرنے کے لیے ایرانی سیمنٹ کی چند بوریاں موجود ہیں، کام رکے گا نہیں۔ اللہ تعالیٰ سے یہی دعا ہے۔ عشاء کی نماز کے بعد کھانا کھایا۔ اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کیا اور میٹھی نیند سو گئے۔

شفقت ماشکیل سے واپس نہیں آیا:

حسبِ معمول صبح سویرے 3 مستریوں اور 4 مزدوروں نے تیزی سے کام شروع کر دیا مگر کیا کریں خالی ہاتھ کام نہیں ہوسکتا۔ عبداللطیف کو رضائی بازار کے سلیم کے پاس سیمنٹ کے لیے بھیج دیا مگر وہاں سیمنٹ نہ ملا۔ ماسٹر ایوب بینگل بازار والے سے 20 بوری سیمنٹ لے آیا۔ کل شام کو شفقت نے خوش خبری سنائی تھی کہ سیمنٹ کا ٹرک پہنچ جائے گا مگر افسوس کہ ابھی تک ٹرک نہیں پہنچ سکا۔ ''نہ دیو آیا نہ آنے کا نام لیتا ہے'' کے مصداق ٹرک فی الحال غائب ہے۔ نہ ہمارے پاس پہنچا نہ آواران۔ اللہ تعالیٰ سے رحم مانگ رہا ہوں۔ بلاکوں کی ترائی کرالی۔ جو سیمنٹ موجود تھا اس سے بلاک بنانے کا کام شروع کر دیا ہے۔ ایک مقامی ساتھی آواران بھی بھیج دیا کہ ایک ٹرک بلاک لوڈ کروالے۔ اللہ تعالیٰ شفقت کی نگہِ بانی کرے نہیں لگ رہا ہے اور یہ بھی کہ کس حال میں ہے۔ حال ہی میں اس نے فون پر بتایا تھا کہ سارا سامان پورا کر کے ہی کراچی سے نکلوں گا۔ سامان کب پورا ہوگا۔ اس کا علم اللہ کو ہے اور مشقت کتنی ہوگی۔ وہ شفقت کو معلوم ہوگی۔ میں نے تو مستریوں کو لگایا ہوا ہے۔ بنیادوں کا کام مکمل ہو چکا ہے۔ دوپہر کو روز اچھا کھانا مل رہا ہے، دعوت پر دعوت ہے۔ مستری بشیر کے وارے نیارے ہیں۔ دانت ہل رہے ہیں مگر پھر بھی گوشت چھوڑتا نہیں۔ میں بھی اپنا حصہ اس کی پلیٹ میں ڈال دیتا ہوں۔ سفید چاول تو یہاں پر اچھے کھانوں کا لازمی جز ہے۔ ویسے بھی راشن میں دال چاول ان لوگوں کو کافی

مقدار میں مل چکے ہیں۔ مقامی احباب کے مطابق ہر ایک کو کم از کم 4 ماہ کا راشن تو مل ہی گیا ہے۔ جو موٹر سائیکل والے تھے، انھوں نے دگنا راشن جمع کر لیا ہے۔ پانی کا انتظام بھی اللہ تعالیٰ نے کر دیا ہے۔ ایک مقامی ڈاٹسن ڈرائیور نے موبل آئل کا ایک بہت بڑا ایرانی مشک کہیں سے ڈھونڈ کر ڈاٹسن پر رکھ دیا ہے۔ اس کو بھر کر تالاب میں پانی ڈال دیتا ہے جس سے سارا دن پانی لگانے اور مصالحہ بنانے کا کام ہوتا رہتا ہے۔ بکریاں بھی اس میں سے پانی پی جاتی ہیں۔ عبداللطیف کو بھی آواران بھیج دیا ہے تاکہ وہاں سے متفرق سامان اور بلاک لا سکے۔ ان شاء اللہ مقامی طور پر تیار کردہ بلاکوں سے ہی چنائی پوری ہو جائے گی۔ آج 255 بلاک بن گئے ہیں جب کہ 8 بوری سیمنٹ استعمال ہوئی۔

بلاکوں کی تیاری:

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے صبح سے مسجد کی تعمیر کا کام شروع ہوا۔ مقامی احباب کو بھرائی پر لگا دیا اور مستریوں کو چنائی اور ستون کی بھرائی پر لگا دیا ہے۔ کل جس بھائی کو آواران بھیجا تھا وہ بلاک نہیں لا سکا مگر جو چھوٹا موٹا سامان لکھوایا تھا وہ لے ہی آیا۔ الحمدللہ مقامی طور پر تیار شدہ بلاک بہت اچھے نکل رہے ہیں اور اچھی طرح چنائی میں استعمال ہو رہے ہیں۔ دوپہر کو تالاب کا پانی ختم ہو گیا۔ پانی لانے والا ڈاٹسن ڈرائیور نخرے کرنے لگا۔ اللہ تعالیٰ نے بھی اس کو سزا دی کہ اس کا گیئر لیور ٹوٹ گیا۔ دوسرے ڈاٹسن والے کے ساتھ مقامی ساتھیوں کی بات کی مگر وہ پٹرول کا لالچ کر رہا تھا۔ مجبوراً دو پھیرے 500 روپے پر اس کو راضی کر لیا۔ عصر کے وقت پانی مل گیا۔ بلاک بنانے والے نے 222 بلاک بنا لیے۔ مستری بشیر نے سریے کاٹے اور اس میں رنگ ڈال دیا۔ بقیہ ستون بھی بھر دیے گئے۔ مقامی لوگوں کے گھروں سے سلیمانی چائے کے تھرماس اور پراٹھے آ رہے ہیں۔ ہر گھنٹہ بعد چائے سلیمانی کی چسکیاں مزا دیتی ہیں۔ عصر کے وقت سیمنٹ کا ٹرک آ پہنچا۔ بہت خوشی ہوئی۔ خیمہ کے سامنے ایک ترپال بچھا کر اس پر 170 بوری سیمنٹ اتار دی اور 130 بوری بینگل بازار کی طرف بھیج دی۔ وہاں پر مسجد کے علاوہ دو کمرے بھی بنوانے ہیں۔ ایک ''نوری'' بیوہ کا اور دوسرا ''زباد'' کا جو انتہائی مفلس اور مسکین ہونے کے ساتھ ساتھ انتہائی متقی اور خوددار بھی ہے۔ اس کا ایک بیٹا قرآن کا حافظ ہے۔ ابھی تین پارے اس کے باقی ہیں۔ تربت کے مدرسے میں پڑھ رہا ہے۔ ہمارے ساتھ مزدوری بھی کر رہا ہے۔ میرے خیال میں یہ دو انتہائی مستحقین میں سے ہیں۔ شفقت کے ساتھ فون پر بات ہوئی اور اسے اطلاع دی کہ ٹرک پہنچ گیا ہے۔ اس نے دوسرا ٹرک لوڈ کر کے بھیج دینے کا بھی کہہ دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے لیے خیر کے راستے کھول دے تاکہ وہ اپنا کام صحیح نہج پر سرانجام دے سکے۔ عشاء کی نماز کے بعد اللہ تعالیٰ نے میٹھی نیند کی وادی میں پہنچا دیا۔

آج مقامی مستری امجد کو چھٹی دے دی۔ دو مستری بدین والے اور ایک مستری بشیر کام چلا سکتے ہیں۔ صبح سویرے سے کام کا انداز ہی نرالا تھا۔ ہتھ ریڑھیاں ادھر ادھر بھاگتی پھر رہی تھیں۔ پورا کام درست انداز میں ہو رہا ہے۔ بچوں کو دیواروں کی ترائی پر لگا دیا ہے۔ اشاروں کنایوں میں ان کو سمجھا دیا تھا۔ مستری بشیر نہ مکمل اردو بول سکتا ہے نہ مکمل پنجابی، جس کی وجہ سے مقامی مزدور اس کی بات کو سمجھنے میں ناکام ہو جاتے ہیں۔ ہم اس کی ترجمانی کر لیتے ہیں۔ شفقت سے رابطہ نہیں ہو رہا ہے۔ اس کے دوسرے ٹرک کا انتظار ہے۔ مغرب سے پہلے ڈاکٹر آصف جاہ صاحب کے ساتھ فون پر بات ہوئی۔ کام کی تفصیل انھیں بتا دی۔ بھائی شفقت کے متعلق استفسار کیا مگر جس کو خود معلومات نہ ہو وہ دوسرے کو کیا خاک بتائے گا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ شفقت تندرست، توانا اور چاق و چوبند ہو اور سلامتی سے پہنچ جائے۔

دعاؤں سے مدد:

آج رات ہی سے دل بھرا ہوا تھا۔ اشراق کی نماز پڑھ لی اور پھر اللہ تعالیٰ سے مناجات کرنے لگا۔ ضبط کے بندھن ٹوٹ گئے۔ دل ہلکا ہو گیا تو خیمے پہنچا۔ سب کے لیے دعائیں مانگیں۔ مقامی مستری امجد کو گارڈرز اور ٹی آئرن کی رنگائی پر لگا دیا۔ مقامی احباب اور بچے بھرائی اور ترائی کرنے لگے۔ مستری چنائی کا کام کرنے لگے۔ دوپہر سے تھوڑا پہلے دھیان ہٹ گیا تو اس دوران مستری بشیر اور غلام رسول کسی بات پر اڑ گئے۔ ان کی تو تکار سنی۔ فوراً استغفار پڑھی، ان کی سرزنش کی اور کام پر لگا دیا۔ آج ظہر نماز کے بعد کھانا ملا۔ کسی نے دعوت کی تھی۔ ہم سب نے ایک ہی دسترخوان پر کھانا کھایا۔ آج بلاک والے نے 365 بلاک بنا دیے کیونکہ اس کے مددگار زیادہ تھے سیمنٹ کی 9 بوریاں لگ گئیں۔ مسجد کی تعمیر کا بھی اچھا خاصا کام ہو گیا۔ عصر کے وقت شفقت بھائی ایک مولوی صاحب کے ساتھ پہنچ گیا۔ فوٹو گرافی شروع کر دی۔ ہمارے فوٹو تو نہیں کھینچ رہا تھا البتہ مسجد، سامان اور ٹرک کی ان لوڈنگ کرنے والے افراد کے فوٹو کھینچ لیے۔ خیمے میں آ کر بیٹھ گئے تو اس کو حساب کتاب بھی دکھایا۔ کچھ اس نے سنا دیں کچھ ہم نے ان کو بتا دیا۔ رات اس نے مولوی صاحب کے ہمراہ حاجی دل مراد کے گھر میں گزاری۔ میوہ جات اور مٹھائیاں بھی ساتھ لایا تھا۔ بھنے ہوئے چنے بھی موجود تھے۔ اس نے یہ بھی بتا دیا کہ رضائیوں کا ایک ٹرک ماشکے اور دوسرا ڈینڈار بھیج دیا ہے۔

زندگی اِک خواب ہے:

آج پھر جمعہ کا دن ہے۔ زندگی ایک خواب سی بن گئی ہے، تیزی سے گزرتی جا رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہماری زندگیوں میں برکت دے۔ مزدور کام نہیں کرنا چاہتے تھے۔ پھر بھی آدھے دن کام کے لیے آمادہ کر لیا

تا کہ ہال اور برآمدے کے ستون 6 انچ تک بھر سکیں۔ چائے پینے کے بعد شفقت نے مستری بشیر کو کام جلد نمٹانے کے بارے میں کچھ ہدایات دیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ جلدی جلدی سارا کام خوش اسلوبی سے مکمل ہو۔

ڈنڈور میں خدمت:

شفقت نے کہا میں پھر ڈنڈور جا کر وہاں رضائیاں تقسیم کروں گا۔ میں نے بھی جوابی طور پر اعلان کر دیا کہ چوں کہ میری چھٹیاں 25 نومبر 2013ء کو ختم ہو رہی ہیں اس لیے 26 نومبر 2013ء سے میں بھی عازمِ بنوں ہو جاؤں گا۔ اگر 25 نومبر 2013ء تک کرکیڈل مسجد کی چھت نہ ڈال سکا تو اس کا دُکھ ہمیشہ محسوس کرتا رہوں گا۔ گھروں کی تعمیر کے سلسلے میں بھائی شفقت سے بات کرنے کی کوشش کی مگر وہ احتراز کرتا رہا۔ میں نے ایک کاغذ پر تین مستحق لوگوں کے نام لکھ کر دے دیے کہ میری عدم موجودگی میں ان کا گھر بنوا دیں۔ مقامی بھائی عبداللطیف نے بھائی شفقت کو لوکل ڈبے میں سوار کرا کے آواران بھیج دیا۔ مجھے یہ بھی قلق رہا کہ میں نمازِ جمعہ نہ پڑھ سکا۔

حسبِ معمول صبح سویرے کام شروع کر دیا۔ تین مستری اور 4 مزدور کام پر لگ گئے۔ مقامی بچوں سے بھرائی کا کام لیا۔ انتہائی محنت کش ہیں۔ کام پر لگ جائیں تو تھکتے نہیں۔ مستری امجد کو گارڈرز وغیرہ کی رنگائی پر لگا دیا تا کہ چھت کا سامان پورا ہو جائے۔ مستری بشیر محراب کی نوک پلک درست کرنے میں لگا ہوا تھا۔ دروازوں کے بیم رکھ دیے۔ بلاک بنانے والوں کو مسلسل شاباش دے رہا ہوں۔ آج انھوں نے 300 بلاک بنائے۔ شفقت سے فون پر رابطہ ہوا۔ دعاؤں کا طلب گار تھا۔ بتایا کہ مشکے میں ہوں۔ وہاں سامان تقسیم کیا ہے۔ ان شاء اللہ کل تک پہنچ جاؤں گا۔ بلاکوں کا ایک ٹرک آواران سے منگوایا تا کہ ہمارے کام میں رکاوٹ نہ ہو۔ ٹرک ڈرائیور کو پورا کرایہ دیا۔ ظہر کی نماز کے بعد بکرے کا گوشت اور سفید چاول مع سلاد نصیب ہوا۔ الحمدللہ رات کو بھی اچھا کھانا کھایا اور میٹھی نیند سو گئے۔

موسم کی جولانیاں:

آج صبح سویرے موسم بہت اچھا تھا۔ آسمان پر گہرے بادل چھائے ہوئے تھے۔ کبھی کبھار دھوپ نکل آتی تھی۔ کام جاری ہو گیا۔ مستری بشیر نے دو کھڑکیوں کے بالائی بیم مع چھجہ بنا لیے۔ محراب کی بالائی گولائی کے لیے بھی قالب بنا لیا۔ مستری غلام رسول آج نسبتاً سست رہا۔ امجد مستری کو چلانا پڑتا ہے۔ رکھنے کو دل بھی نہیں کرتا مگر چھوڑ بھی نہیں سکتے۔ مقامی بچوں سے خوب کام نکالتا ہوں مگر وہ بھی کام کے ساتھ شرارتیں بھی ضرور کرتے ہیں۔ ٹافیوں پر ان کو بہلا رہا ہوں۔ ساتھ ہی کچھ رضائیاں بھی تھیں جو بینگل بازار کے ماسٹر محمد

ایوب کے مشورے سے ایک گاؤں میں تقسیم کر دیں۔ مغرب کی نماز سے پہلے دوبارہ کر کیڈل پہنچ گیا۔ مسجد کا کام کل کی طرح نہیں ہو رہا تھا اور جتنا ہونا چاہیے تھا اتنا نہیں ہو سکا۔ اس وجہ سے تھوڑی بہت پریشانی ضرور ہوئی۔

آواران میں ''اللہ، کعبہ اور بندہ'':

آج صبح سویرے حسبِ معمول مستریوں نے کام شروع کر دیا جب کہ میں اپنے خیمے میں بیٹھ کر کتاب ''اللہ کعبہ اور بندہ'' کا مطالعہ کرنے لگا۔ اس میں درج واقعات نے بہت زیادہ رلایا۔ کافی دیر تک مطالعے میں مصروف رہا جب کہ شفقت مختلف اطراف سے مسجد کی تصاویر کھینچتا رہا۔ بلاک والے سے کہہ رہا تھا کہ بینگل بازار میں بلاک بنا کر دو۔ بلاک بنانے والا تو راضی تھا مگر مزدور وہاں جانے سے انکاری تھے۔ بعد میں انھوں نے مجھے بتا دیا کہ یہاں جو فی بلاک 25 روپے ہے وہ اس لیے ہے کہ یہ مسجد کے لیے بنائے جا رہے ہیں ورنہ اس سے تو ہماری دیہاڑی بھی پوری نہیں ہو رہی۔ میں نے ان کو مسجد کی خدمت پر شاباش دی اور ان کو ٹافیاں کھلائیں۔ اس کے بعد وہ کہنے لگے کہ گھروں کے لیے ہم بلاکوں کی مزوری 8 روپے فی بلاک بنا لیں گے۔ میں نے ان کے ساتھ تھوڑی بے رخی برتی تو پھر وہ 6 روپے فی بلاک بنانے پر راضی ہوئے مگر تھے متذبذب۔ اللہ بھی دلوں کو پھیرنے والا ہے۔ میں نے شفقت کو حساب کتاب بھی دکھایا چونکہ آج میری چھٹیاں ختم ہو رہی ہیں اس لیے میں نے واپس بنوں جانا ہے۔ میں یہ فیصلہ کرنے سے قاصر تھا کہ بنوں براستہ کوئٹہ جاؤں یا کراچی تا لاہور تا بنوں یا کراچی تا بنوں چلا جاؤں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ وہ مجھے ایسے راستے پر لے جائے جو محفوظ بھی ہو اور مناسب بھی۔ مروت نے فون پر بتایا کہ میں ڈاکٹر صاحب سے بات کرتا ہوں کہ کراچی سے بذریعہ ہوائی جہاز چلے جاؤ مگر اسراف بھی درست نہیں۔

شفقت آج ''گلدستہ المکرّان'' والی این جی او (NGO) کے بندے ناصرالدین کے ہمراہ ڈینڈار چلا گیا۔ انھوں نے بھی اس مسجد کی تصویریں کھینچیں اور پھر مجھ سے اجازت لے کر چلے گئے۔ ان شاء اللہ وہ کل شفقت کو یہاں پہنچا دیں گے۔ مسجد کا ہال تو اللہ کے فضل و کرم سے بیم تک پہنچ گیا ہے۔ کھڑیوں اور دروازوں کے بیم بھی ہو گئے ہیں۔ برآمدے کے دروازوں کے قالب کھڑے کرنے ہیں۔ لنچ اور ڈنر دونوں بہت زوردار تھے۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو مزید عطا فرمائے۔ رات خوب سکون سے گزری۔

دعاؤں سے اللہ کی مدد:

صبح سویرے مسجد کی طرف گیا۔ امام مسجد موجود نہیں تھے لوگوں نے مجھے آگے کر دیا، چار و ناچار نماز کی امامت کی۔ کچھ اس بات کا قلق تھا کہ واپس جانے کا دن آ گیا ہے مگر مسجد کی چھت نہیں ڈالی جا سکی۔ چھیر مسجد

کے اندر نماز پڑھانے لگا۔ بڑی مشکل سے نماز پڑھائی۔ نماز کے بعد دل بھر آیا۔ اللہ کے حضور گڑگڑایا۔ ساری رات وطن، ڈاکٹر صاحب اور اپنے رفقاء کار کے لیے دعائیں مانگیں۔ ٹوٹا پھوٹا انسان ہوں، اعمال بھی ایسے نہیں کہ جنھیں میں اللہ کے حضور پیش کر سکوں لیکن اللہ تعالیٰ رحمٰن بھی ہے رحیم بھی ہے اور معاف کرنے والا بھی۔ لہٰذا کامل یقین ہے کہ میری بھی سنے گا۔ مسجد سے واپسی پر ناشتہ کیا۔

گھروں کی تعمیر کا آغاز:

اس کے بعد شفقت بھائی اور عبداللطیف کو ساتھ لیا اور گھر بنا کر دینے والے مستحقین کی جھگیوں میں گئے۔ 10 نام میں نے فائنل کر دیے ہیں۔ وہاں گئے ان سے دعا سلام ہوئی۔ ان کو پانی کا بندوبست کرنے اور بنیادیں کھودنے کے لیے کہہ دیا۔ ان شاءاللہ چند ہی دنوں میں یہ گھر بن جائیں گے۔ کلیڈزی بازار کے بھی تین چار آدمیوں کے نام لکھے ہیں اور بینگل بازار کے بھی دو نام میں نے شفقت بھائی کے حوالے کر دیے ہیں۔ ان شاءاللہ وہ بھی بن جائیں گے۔ سب سے بڑی مشکل یہ ہے کہ ان لوگوں کے ساتھ معاملہ کرنا بہت ہی مشکل ہے۔ جن لوگوں کو ہم نے کہہ دیا ہے کہ بنیادیں کھودو، وہ تو خوشی کا اظہار کر رہے ہیں جبکہ دیگر ہمارے پاس آ کر اپنا اپنا بیان ریکارڈ کروا رہے ہیں، گلے شکوے کر رہے ہیں۔

سنگر اور حضرت بلال حبشیؓ:

سب سے دلچسپ بات یہ ہے کہ ایک مقامی بچہ جسکا نام ''سنگر'' ہے۔ بلال حبشیؓ کے قبیلے کا لگتا ہے۔ سر اس کا چھوٹا ہے مگر ہر بات نہ صرف سمجھ لیتا ہے بلکہ جس کام کے لیے کہا جائے وہ کر کے ہی رہتا ہے۔ تمام مستریوں، مزدوروں اور رضا کاروں کو پانی پلاتا رہتا ہے۔ شفقت نے اس کی تصویریں کھینچی ہیں، اس کا والد مفلس ہے مگر مسجد کی طرف بھول کر بھی نہیں آتا۔ یہ بچہ اپنی پھوپھی کے پاس رہتا ہے جو بیوہ بھی ہے اور انتہائی مفلس بھی۔ ہم نے ازراہِ مذاق اس بچے سے پوچھا کہ بتاؤ کمرہ تمہارے باپ کے لیے بنا دوں یا تمہاری پھوپھی کے لیے۔ تو وہ ہمیں سیدھا اپنی پھوپھی کے پاس لے گیا۔ بعد میں اس کا والد آیا کہ سنگر میرا بیٹا ہے کمرہ اس کی پھوپھی کے لیے بنا رہے ہو۔ وہاں مسجد میں موجود مقامی احباب سے میں نے ہنس کر کہا کہ سنگر فیصلہ کرے کہ کمرہ اس کے والد کے لیے بنا دیا جائے یا اسکی پھوپھی کے لیے تو سنگر نے برجستہ جواب دیا کہ میں تو پھوپھی کے لیے بنواؤں گا۔ حضرت بلالؓ کی طرح، جو ہر حال میں احد احد پکار رہے تھے۔ سنگر بھی پھوپھی کا نام راجو راجو دُہرا رہا تھا۔ یہ سن کر اس کا والد ہمیں چھوڑ کر چلا گیا۔ اگر مزید گھروں کی منظوری مل جائے تو اس کے لیے بھی ایک کمرہ بنا دیں گے۔ سنگر ایک دلچسپ کردار ہے۔ مسجد اور اس میں موجود لوگوں کی خدمت کے لیے ہر

دم حاضر رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سب لوگوں کا بندوبست کرے۔ کیونکہ سب سے بہتر دینے والی ذات صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ہے۔ آج تو ڈاکٹر صاحب سے فون پر بات ہوئی۔ دل خوش ہو گیا یہ سن کر کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ڈاکٹر صاحب کی بیٹی کو صحت عطا فرمائی اور میڈیکل کالج میں داخلہ بھی مل گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ڈاکٹر صاحب کی، ان کے متعلقین کی، ہماری اور ساری امت کی اولاد کو نیک سیرت بنا دے۔ آج تو ابتدائی طور پر میں پژمردہ سا تھا مگر بعد میں ڈاکٹر صاحب نے بتایا کہ آپ نے 30 نومبر 2013ء کو کراچی سے پشاور جانا ہے جس کے لیے آپ کو ٹکٹ کراچی ائیر پورٹ پر مل جائے گا۔ دل خوش ہو گیا کہ ان شاء اللہ 28 نومبر 2013ء تک مسجد کو بنی بنائی حالت میں دیکھ ہی لوں گا۔ آج تو مستریوں اور مزدوروں نے بھی کام نمٹا لیا ہے۔ سریے سیدھے کر دیے ہیں۔ رنگ لگ رہے ہیں۔ مستری بشیر گھوڑی پر سوار پھٹے لگا رہا ہے اور کچھ مزدور بجری کا مصالحہ بنا رہے ہیں تا کہ بیم کی بھرائی ہو سکے۔ کل ان شاء اللہ ٹریکٹر والا ملبہ ہٹانے آئے گا تو چار دیواری کی کھدائی کر لیں گے۔

بلوچیوں کی مہمان نوازی:

اکبر کو بخار چڑھ گیا ہے۔ اس کے لیے دعائیں کر رہے ہیں۔ یہاں اس گاؤں کے مقامی ڈسپنسر کو بلایا ہے۔ اس نے بلڈ پریشر چیک کیا ہے اور درد کا ایک انجکشن لگا دیا ہے نیز ملیریا کی دوائی لانے کے لیے نسخہ دیا ہے۔ کل ان شاء اللہ لے آئیں گے۔ دوپہر کو دعوتی لنچ کیا اور رات کو بینگن کی سبزی اور دال کھا کر اتنا خوش ہوئے کہ بیان نہیں کر سکتا۔ روز روز کی بوٹیوں سے انسان اکتا جاتا ہے۔ آج کل مستری بشیر لنچ کے وقت مجھ سے دور بیٹھ جاتا ہے تا کہ میں اس کی پلیٹ میں بوٹی نہ ڈال سکوں۔ کل کے ڈنر پر تو اس نے اپنے حصے کی ساری بوٹیاں مجھے دے دی تھیں۔ بہت اچھا بندہ ہے مگر جب غصہ چڑھ جاتا ہے تو اس کے ماتھے پر بارہ بجے کی بجائے 36 بج جاتے ہیں۔ اس دوران اس سے دوری اور خاموشی میں عافیت ہوتی ہے۔ اللہ اس کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ ایک اور دلچسپ بات یہ ہے کہ مالار کے لوگ اور خاص کر عورتیں اپنے چھوٹے بچوں کو میرے پاس لا رہے ہیں کہ ان پر دم کر دو۔ میں بھی الحمد شریف اور سورۃ اخلاص کے علاوہ آیت الکرسی پڑھ کر پھونک مار دیتا ہوں۔ ایک مزدور یونس کے سر میں درد ہو رہا تھا۔ میرے پاس آیا کہا کہ حاجی ''میرے سر کو دم کر دو، درد ہو رہا ہے۔'' مجبوراً اس پر دم کیا۔ اللہ کی قدرت کہ وہ ٹھیک ہو گیا۔ دوسرا مقامی بھائی آیا کہا کہ حاجی صاحب میرے لیے دعا کریں۔ میری گھر والی میرے ساتھ جھگڑا کرنا چھوڑ دے اور ایک تعویز بنا کر بھی دے دیں۔ بڑی مشکل سے اس سے جان چھڑائی۔ اس پر اللہ رحم فرمائے۔ بھائی اشفاق کا فون آیا تھا۔ اس نے ٹکٹ اور فلائٹ نمبر بتا

دیے جو میں نے ایک کاغذ پر نوٹ کر لیے۔ آواران کی طرح اور بھی ایسے مقامات بلوچستان میں ہوں گے۔ جہاں نہ تو باقاعدہ سڑک ہے نہ پانی کا صحیح انتظام، نہ بجلی کا نہ ہسپتال کا نہ تعلیم کا۔ سب کا بیڑہ غرق ہے۔

بلاکوں کی مزید تیاری:

آج صبح سویرے مستریوں کو کام پر بھیج دیا۔ ہر ایک نے اپنا اپنا کام منتخب کر لیا تھا۔ کوئی بیم بنا رہا ہے، کوئی چنائی کر رہا ہے، کوئی مصالحہ تیار کر رہا ہے، جن کو کمرہ بنانے کا کہہ دیا ہے، ان کو بنیادیں کھودنے کے لیے کہہ دیا ہے۔ دو بندوں کے لیے مستری بشیر نے لگا دیے ہیں وہ کھدائی کا کام شروع کر چکے ہیں اور ساتھ ہی پتھر بھی اکٹھے کر رہے ہیں۔ یہاں پتھروں کی کمی نہیں ہے بلاک بنانے والا بلاک بنانے میں لگا ہوا تھا۔ ہم نگرانی کرنے کے ساتھ ذکر بھی کر رہے تھے تاکہ اللہ تعالیٰ کی نصرت ہمارے ساتھ ہو۔ ایک ٹریکٹر والے کو بلا کر اس سے مسجد کا بقیہ ملبہ ہٹوایا۔ کچھ ملبہ برآمدے اور کمرے کے قریب لے آیا تاکہ بھرائی میں استعمال ہو سکے۔ مقامی بچوں کو ہتھ ریڑیوں کے ذریعے بھرائی پر لگا دیا۔ ہوا بھی چل رہی تھی ہر طرف گرد و غبار دکھائی دے رہا تھا۔

یہاں کرکیڈل میں ایک ڈسپنسر ہے اگر یہاں پر ایک ڈسپنسری بن جائے تو یہ آدمی اسے بغیر معاوضہ یا کم معاوضہ پر چلا سکتا ہے، صرف دوائیں اسے ملتی رہیں۔ معقول انسان ہے۔ دوپہر کے لنچ پر آج مستریوں اور مزدوروں کو دال اور سفید چاول ملے۔ بنگلہ دیش والوں کی خوراک یاد آئی جو میں نے حرمِ پاک میں دیکھی تھی۔ بہت ہی مزا آیا۔ شام تک بیم مکمل ہو گئے تھے۔ اس پر دورَدے بھی ہو چکے تھے اور چھت کی مطلوبہ اونچائی تک دیواریں مکمل ہو چکی تھیں۔ ان شاء اللہ کل گارڈرز اوپر ہوں گے۔ شفقت کو آواران بھیج دیا تاکہ وہاں سے بینگل بازار اور کمروں کے بیم کے لیے رنگ بنا کر لے آئے تاکہ کام تیزی سے ہو سکے۔ مغرب کی اذان تک ہم نے لوگوں کو مشغول رکھا عشاء کی نماز کے بعد بہترین کھانا اللہ پاک نے کھلایا اور پھر گھوڑے بیچ کر سو گئے۔

رضائیوں کی مزید تقسیم:

صبح سویرے مسجد میں نماز باجماعت ادا کی۔ اشراق تک وہیں ٹھہرا رہا۔ ذکر اذکار پورے کرنے تھے۔ نمازِ حاجت پڑھی اور پھر 2 رکعت اشراق کے پڑھے۔ ناشتہ کرنے کے بعد مستری اور مزدور اپنے اپنے کام پر لگ گئے۔ اللہ کی قدرت کہ ناکارہ واٹر موٹر کو ایک مقامی ساتھی نے کھول کر اس کے کل پرزے الگ الگ کیے۔ سب کی صفائی دُھلائی کی اور پھر فٹ کرنے لگا۔ جب فٹ ہوا تو بسم اللہ کہتے ہوئے اس کی ڈوری کھینچی۔ موٹر سٹارٹ ہو گئی اور پھر مسجد کی ترائی اسی سے ہونے لگی۔ زمین پر پڑے ہوئے بلاکوں کو بھی اسی سے تر کیا۔ بلاکوں کا مصالحہ بھی تیزی سے بننے لگا اور مسجد کی ترائی بھی ایسی کی کہ پانی نے دیواروں پر سے بہنا شروع کر دیا۔

شفقت کو ہم نے رنگ کے لیے بھیج دیا تھا مگر آج کل کاریگر بھی اپنی مرضی کرتے ہیں۔ پہلے 10 روپے فی رنگ بنا رہا تھا اب جب لوگوں کے گھروں کی تعمیر کرنے لگے تو اس نے بھی بہتی گنگا میں ہاتھ کو دھونا شروع کر دیا۔ اب وہ 12 روپے فی رنگ مزدوری لے رہا ہے۔ آوے کا آوا ہی بگڑا ہوا ہے کس کس چیز کو درست کریں گے۔ اللہ تعالیٰ جل شانہ اپنی قدرت سے درستی لا سکتا ہے، ہم کس کھیت کی مولی ہیں۔ تقریباً 12 بجے مقامی ساتھی جس کا نام ''حاصل خان'' ہے کو کہہ دیا کہ موٹر سائیکل پر احقر کو آواران پہنچا دو۔ اس نے اپنی موٹر بائیک نکال کر مجھے آواران تک تقریباً اڑھائی گھنٹے میں پہنچا دیا۔ سڑک پر شفقت سے ملاقات ہوگئی جو آواران کے قریبی گاؤں ''لباچ'' جا رہا تھا۔ میں نے اس کو وہاں کے مکینوں کی فہرست بنانے اور جامع مسجد (جو گر چکی ہے) کا معائنہ کرنے کے لیے بھی کہہ دیا۔ مغرب کی نماز کے بعد وہ آواران آیا تو بتایا کہ وہاں کے ایک بندے نے کہہ دیا کہ گارڈرز اور T-iron کی مسجد ہمیں نہیں چاہیے RCC مانگتے ہیں۔ حساب لگا کر دیکھا تو 40 لاکھ سے اوپر کا خرچ آ رہا تھا جب کہ کھڑکیوں، الماریوں، دروازوں اور بیرونی دروازوں پر ہونے والا خرچ اضافی تھا۔

مغرب کی نماز آواران کے گودام میں باجماعت پڑھی۔ ایک مقامی تبلیغی ساتھی امیر اقبال صاحب بھی آئے تھے۔ انھوں نے شفقت کا ناک میں دم کر رکھا ہے۔ ایک آدمی کو بھیج دیا ہے کہ اس کو 5 رضائیاں، دوسرے کو 4 رضائیاں وغیرہ دے دو۔ جس کی وجہ سے دروازے پر اتنا رش ہو جاتا ہے کہ الامان! لوگ لڑائی پر اُتر آتے ہیں۔ میں نے ان کے سامنے شفقت کو آڑے ہاتھوں لیا کہ ہمارا شورائی فیصلہ کیوں توڑا گیا۔ ہمارا تقسیم کا طریقہ یہ نہیں کہ تم دفتر/گودام میں کسی کو رضائیاں وغیرہ دیا کرو۔ بلکہ طریقۂ کار یہ ہے کہ جس گاؤں میں سامان دینا مقصود ہو، وہاں جا کر ان کے ناموں کی فہرست خود بنا کر سامان پہنچا دو اور ان کو فہرست کے مطابق دو۔ اس سے بدنظمی پیدا نہیں ہوتی۔ تب وہ مقامی احباب سمجھ گئے کہ غلطی ہو رہی ہے لہٰذا انھوں نے اپنے ساتھیوں کو مع دیگر لوگوں کے گودام سے چلے جانے پر آمادہ کیا۔ یوں ہماری جان چھوٹی۔ رات آواران کے ایک مدرسے میں وہاں کے علماء اور منتظمین کے ساتھ نشست کی۔ 10 بجے ہم اپنے گودام چلے گئے اور وہاں خوب اچھی طرح آرام کیا۔ کل ان شاء اللہ شفقت مالا رجائے گا۔

کام میں مشکلات:

آج صبح کی نماز گودام ہی میں پڑھنا پڑی۔ ذکر اذکار کے بعد دوبارہ بستر پر ڈھیر ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد شفقت کو ایک لاکھ روپیہ (جو میرے پاس کیش ان ہینڈ تھا، دے دیا۔ ساتھ ہی حساب کتاب کی ایک کاپی اور اپنی پاکٹ بک بھی دے دی کہ ان پر حساب لکھا کرو۔ مزدوروں کی دیہاڑی اور بلاک بنانے والے کی دیہاڑی کے متعلق تفصیلات سے آگاہ کر دیا۔ ساتھ ہی یہ مشورہ بھی دیا کہ آواران میں جو گودام لیا ہے۔ اس سے ہمارے

لیے کافی پریشانیاں پیدا ہو رہی ہیں۔ اس لیے کر کیڈل میں مسجد کے قریب جو کمرہ بنایا جا رہا ہے، اسی میں سامان کو کسی نہ کسی طریقے سے شفٹ کر دو کیوں کہ آواران شہر کے لوگ زیادتی کرتے ہیں۔ دور دور کے گاؤں والوں کے حقوق چھین رہے ہیں۔ غضب تو یہ ہے کہ جو اچھے لوگ ہیں وہ بھی اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں کے لیے زیادہ سے زیادہ لینے کی تاک میں رہتے ہیں۔ کیا کیا جائے۔ گزارا کرنا پڑتا ہے۔ لہٰذا مناسب یہ دکھائی دیتا ہے کہ مالار کے علاقے کے لوگوں کو جتنا ہو سکتا ہے دے دیا جائے کیوں کہ ان کا نقصان سب سے زیادہ ہوا ہے۔

آواران سے کراچی واپسی:

7 بج کر 30 منٹ پر صبح گودام سے نکل کر ہوٹل پہنچ گئے۔ وہاں 120 روپے کا ناشتہ کیا (3 نفر کا) پھر ''القمبر انی ٹریول آواران'' کے اڈے پر پہنچ گئے۔ وہاں سے میں نے شفقت بھائی کو واپس بھیج دیا۔ 9 بجے صبح گاڑی روانہ ہوئی۔ اڑھائی بجے دوپہر کو کراچی کے لیاری چوک (لی مارکیٹ) پہنچا دیا۔ فلاح انسانیت فاؤنڈیشن والے لوگ اب زلزلہ زدگان کے لیے بانس آواران بھیج رہے ہیں اور لوگوں کو کچھ بانس ایک گارڈر اور 5000 روپے نقد دے رہے ہیں۔ ان سے وہ لوگ اپنے لیے جھگیاں بنا رہے ہیں جبکہ اللہ کے فضل سے ہم نے آواران میں حکومت اور کسی بھی تنظیم کی طرف سے سب سے پہلے مساجد اور لوگوں کے لیے پکے گھر بنانا شروع کر دیئے ہیں۔ اللہ کی توفیق سے یہ سب کچھ ممکن ہوا۔ بلوچستان کے پہاڑوں میں قدرتی طور پر کھجور کے درخت کی طرح کا ایک پودا موجود ہے، جس کے پتوں کو یہ لوگ ''پش'' کہتے ہیں، اپنی جھگیوں پر باندھتے ہیں اور چھت پر ایک بڑی چٹائی بھی ڈال دیتے ہیں۔ ہمارے لیے بھی کر کیڈل کے لوگوں نے ایک جھگی بنائی جو بہت ہی آرام دہ اور کافی کشادہ بھی ہے۔ کراچی میں کینٹ ریلوے سٹیشن کے اباسین ہوٹل میں کمرہ لیا اور بستر پر (نمازِ ظہر کے بعد) ڈھیر ہو گیا۔ نیند تو نہ آئی البتہ بدن کی تھکاوٹ ذرا کم ہو گئی۔ عصر کی نماز سٹیشن پر جبکہ مغرب کی نماز مسجد میں پڑھی۔ جب کہ عشاء کی نماز کمرے میں پڑھی۔ ایک مہینوں کی غبار کپڑوں اور بدن پر پڑی تھی۔ بال بھی بڑھ گئے تھے۔ اس لیے ایک ہیئر ڈریسر سے سر کے بال اور داڑھی کی تراش خراش کروائی۔ نائی نے سر پر جو مالش کی اس سے کافی فریش ہو گیا۔ کمرے میں آ کر غسل کیا۔ بار بار صابن کو جسم پر ملتا رہا تا کہ میل کچیل اُتر جائے اور پھر اپنی جون میں آ جاؤں۔ کل تو ویسے بھی ڈاکٹر صاحب کی طفیل ہوائی جہاز میں کراچی سے پشاور کے لیے اُڑان بھرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ ڈاکٹر صاحب اور ان کے مخلصین و محبین اور معاونین کو جزائے خیر عطا فرمائے کہ ہمارا خیال بھی رکھا، آج کراچی میں تازہ امرود اور پپیتا دیکھ کر انھی کو کھانے پر اکتفا کی۔ ان شاء اللہ عشاء کے بعد کھانا کھاؤں گا۔ رات بفضلِ خدا بہت اچھی گزری۔

بلوچستان کا زلزلہ اور غیر سرکاری اسلامی تنظیمیں

آواران، بلوچستان میں زلزلے کے فوراً بعد صرف ملکی غیر سرکاری تنظیموں، این ڈی ایم اے (NDMA) اور پاکستان آرمی نے اپنی اپنی بساط کے مطابق زلزلہ زدگان کی خدمت کی اور امدادی سامان فراہم کیا۔ اب بھی ان میں سے کئی غیر سرکاری تنظیموں کے کیمپ آواران میں قائم ہیں ان کے بے لوث کارکنان زلزلہ زدگان کی خدمت میں مصروف ہیں۔ بلوچستان کے زلزلہ زدہ علاقوں میں کام کرتے ہوئے اس بات کا اندازہ ہوا کہ یہاں کام کرنے والی ملکی غیر سرکاری تنظیموں میں اسلامی ذہن رکھنے والی این جی اوز (NGOs) کا کردار سب سے زیادہ اہم اور مؤثر رہا۔

الخیر انٹرنیشنل، الامین ٹرسٹ، فلاحِ انسانیت فاؤنڈیشن، الخدمت فاؤنڈیشن، مسلم ہینڈز سمیت کئی دوسری اسلامی این جی اوز (NGOs) کے ارکان 24 ستمبر 2013ء کے زلزلہ کے فوراً بعد یہاں پہنچے اور زلزلہ زدگان کی خدمت میں جُت گئے۔ زلزلہ کی خبر سننے کے فوراً بعد آواران کے مکینوں نے سب کچھ چھوڑ کر متاثرہ علاقوں کا رخ کیا اور امدادی کارروائیاں شروع کیں۔ زخمیوں کو ملبے سے نکال کر ہسپتال تک پہنچایا۔ مُردوں کو نکال کر ان کے غسل اور کفن دفن کا انتظام کیا۔ ''آواران'' کے لوگوں نے اس خدمت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

این ڈی ایم اے کے چیئرمین اپنے ساتھیوں اور ساز و سامان کے ساتھ زلزلے کے دوسرے دن متاثرہ علاقوں میں پہنچ گئے اور سرکاری طور پر زلزلہ زدگان کو امدادی اشیاء کی فراہمی شروع کر دی۔ پاکستانی افواج کے بہادر جوان بھی نامساعد حالات کے باوجود فوراً زلزلہ زدہ علاقوں میں پہنچے اور جاتے ہی متاثرین کی خدمت میں جُت گئے۔ فلاحِ انسانیت فاؤنڈیشن کے ڈاکٹر احسان نے بتایا کہ انھوں نے آواران پہنچ کر فوراً متاثرین کے لیے کھانا پکوانے کا بندوبست کیا اور صبح شام تمام متاثرین کو ان کے کیمپ سے کھانا بھجوایا جاتا رہا۔ اس کے علاوہ انھوں نے میڈیکل کیمپ بھی قائم کیے۔ اسی طرح دوسری اسلامی ذہن رکھنے والی ملکی اور غیر ملکی این جی اوز (NGOs) نے بھی یہاں پہنچ کر بے لوث خدمات انجام دیں۔

اس کے علاوہ بلوچستان کے علاقوں تربت، مکران وغیرہ سے بھی المکرّان ویلفیئر سوسائٹی اور کوئٹہ سے الخیر یہ فاؤنڈیشن امداد کے ساز و سامان سے لیس ہو کر یہاں پہنچے ہیں اور ان کے کارکن زلزلہ زدہ علاقوں میں خود

جا کر یہ سامان تقسیم کر رہے ہیں۔

زلزلہ زدہ آواران میں کام کرتے ہوئے نہ صرف مختلف غیر سرکاری تنظیموں کے بارے میں بلکہ اسلامی ذہن رکھنے والی این جی اوز (NGOs) کے بارے میں خاص معلومات حاصل ہوئیں، جس کے باعث یہ احساس ہوا کہ اسلام کے تحمل، برداشت، رواداری، بھائی چارے، عالمی محبت اور یگانگت کے پیغام کو پھیلا کر مسلمانوں کے امیج کو نہ صرف بہتر بنایا جا سکتا ہے بلکہ اس طرح اسلام کی احسن طریقے سے ترویج بھی کی جا سکتی ہے۔ آواران میں ہماری خدمت اور علاج کی ٹیمیں مقامی لوگوں کے ساتھ مل کر بالعموم اور فلاحِ انسانیت کے ساتھ بالخصوص مل کر زلزلہ زدگان کی صبح و شام خدمت میں مصروف ہیں۔ حج کے ساتھی اور میری کتاب ''اللہ، کعبہ اور بندہ'' کے خاص کردار طارق شاہ کے بھائی عبدالحنان شاہ، جو کوئٹہ میں قیام پذیر ہیں، ان سے طارق شاہ کے توسط رابطہ ہوا۔ 16 اپریل 2013ء کو جب ماشکیل میں زلزلہ آیا تو کوئٹہ میں عبدالحنان شاہ کے توسط سے ماشکیل میں بلوچستان کے زلزلہ زدگان کی خدمت کی۔ ماشکیل میں زلزلہ کے فوراً بعد خیموں، کھانے پینے کی اشیاء، ادویات اور کپڑوں کی بڑی کھیپ کوئٹہ روانہ کی گئی۔ بعد ازاں بھی مختلف النوع اشیاء زلزلہ زدگان کے لیے بھجوائی جاتی رہیں۔ ماشکیل کے صحرا میں کھجور کے درختوں کے جھنڈ میں کسٹمز ہیلتھ کیئر سوسائٹی کی آباد کردہ بستی آج بھی قائم ہے۔ اس کے علاوہ ماشکیل میں زلزلہ زدگان کو پینے کا صاف پانی مہیا کرنے کے لیے کئی کنوئیں بھی کھدوائے گئے۔ مسجدوں کی مرمت بھی کروائی گئی۔ اس کے علاوہ عبدالحنان شاہ کے مشورہ سے ماشکیل میں ایک ڈسپنسری کا قیام بھی عمل میں لایا گیا۔ کاوش ویلفیئر ٹرسٹ کے عمار ترین صاحب بھی خیر کے کاموں میں ہمیشہ بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں۔ ان کے ساتھ سوات اور نوشہرہ میں جب آئی ڈی پیز (IDPs) آئے مل کر کام کیا۔ زیارت میں ان کے تعاون سے شیلٹر ہوم بنوائے۔ آواران میں بھی ان کے ساتھ رابطہ رہا۔ سردیوں کی آمد کے ساتھ ہی عمار صاحب نے اہل خیر کے تعاون سے زلزلہ زدگان کے لیے 4000 خوب صورت رضائیاں تیار کروائیں۔ جو نومبر میں موسمِ سرما کے آغاز سے ہی شروع میں آواران میں موجود ہماری ٹیموں نے کاوش ویلفیئر ٹرسٹ کے کارکنوں کے ہمراہ آواران کے زلزلہ زدگان میں تقسیم کر دیں۔ رضائیاں اتنی خوب صورت اور دیدہ زیب تھیں کہ آواران کے تمام دور دراز کے زلزلہ زدگان ان کو حاصل کر کے خوشی سے پھولے نہ سمائے اور پنجاب کے لوگوں کو دعائیں دینے لگے۔

تیسرا حصہ

زلزلہ، زیارت اور زندگی

29 اکتوبر 2008ء: زیارت میں زلزلہ

تاریخ میں بہت کم ایسا ہوا ہے کہ تاریخ مرتب کرنے والا اور آفت زدہ لوگوں کی مدد کرنے والا ایک ہی شخص ہو اور اگر دونوں باتیں کسی ایک میں جمع ہو جائیں تو وہ بلا کا شخص ہوتا ہے۔ ڈاکٹر آصف محمود جاہ کا یہ کمال ہے کہ انہوں نے جہاں وادیٔ زیارت کی خوبصورتیوں کا ذکر اس حسین طریقے سے کیا ہے کہ آدمی وہاں کی جنت نظیر فضاؤں میں گم ہو جاتا ہے وہیں انہوں نے ان افراد پر ٹوٹنے والی قیامت، اُن کی بلند حوصلگی اور اللہ پر ایمان کو، بھروسے کو بھی خوبصورت انداز سے تاریخ کا حصہ بنایا ہے..... دوسرا مقام رشک اُن کی انسانیت کے لیے تڑپ، لگن اور فلاح کا جذبہ ہے۔ یہ تو وہ مرتبہ ہے جو اللہ کی خاص عنایت سے ملتا ہے اور ڈاکٹر صاحب پر یہ عنایت بلا کی ہے، غضب کی ہے۔ (اوریا مقبول جان)

زیارت (بلوچستان) میں زلزلہ.....قیامت کی ایک اور گھڑی

8 اکتوبر 2005ء کے زلزلہ کی تیسری برسی کے موقع پر 8 اکتوبر 2008ء کو کوئٹہ میں یومِ آگہیٔ آفات کے موضوع پر ایک سیمینار ہوا جس میں اس بات کا اندیشہ ظاہر کیا گیا کہ فالٹ لائن پر واقع ہونے کے باعث پاکستان میں بالعموم اور کوئٹہ اور اس کے نواحی شہروں میں بالخصوص زلزلے آنے کا بہت زیادہ امکان ہے۔ اس سے پہلے ارضی ماہرین کوئٹہ اور اس کے نواحی علاقوں میں 70 سے 80 سال بعد ایک بڑے زلزلے اور ہر 10 سے 15 سال بعد ایک درمیانی شدت کے زلزلے آنے کے خدشے کا اظہار کرتے رہے ہیں۔ کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ زلزلہ آنے کی یہ پیش گوئی اتنی جلد پوری ہو جائے گی۔ بدھ 29 اکتوبر کو علی الصبح ایک تباہ کن زلزلے نے کوئٹہ سمیت بلوچستان کے مختلف علاقوں بالخصوص شمالی علاقوں کو ہلا کر رکھ دیا۔ اس قیامتِ صغریٰ کا پہلا جھٹکا علی الصبح 4 بج کر 30 منٹ پر محسوس کیا گیا، جس نے لوگوں کو گھروں سے باہر نکلنے پر مجبور کر دیا اور تمام لوگ کلمے کا ورد کرتے ہوئے کھلی جگہوں پر نکل آئے۔ زلزلے کا یہ جھٹکا زیادہ شدید نہیں تھا، چناں چہ لوگ دوبارہ اپنے اپنے گھروں میں چلے گئے کیونکہ شدید سردی میں ان کے لیے کھلے آسمان تلے قیام ممکن نہ تھا۔ زلزلے کے بعد ہمیشہ آفٹر شاکس آتے ہیں۔ اس خطرے کے پیش نظر خوف کے مارے زیادہ تر لوگ جاگتے رہے۔ ان کا یہ خدشہ درست ثابت ہوا کیوں کہ پہلے جھٹکے کے تھوڑی دیر بعد 5 بج کر 10 منٹ پر دوسرا زوردار جھٹکا لگا۔ دوسرا جھٹکا پہلے جھٹکے سے کئی گنا زیادہ شدید تھا، جس کے بعد کوئٹہ شہر کے لاکھوں شہری کلمے کا ورد کرتے ہوئے گھروں سے باہر یا گھروں میں کمروں سے باہر آ گئے۔ صبح کے وقت عام دنوں میں اکثر مساجد خالی ہوتی ہیں لیکن زلزلے کے باعث چونکہ لاکھوں افراد سڑکوں پر تھے اور زلزلے کے خوف نے انھیں ہلا کر رکھ دیا تھا جس کی وجہ سے صبح کی نماز میں مساجد میں لوگوں کے رش کے باعث جگہ نہیں تھی۔ کوئٹہ میں خوش قسمتی سے کوئی شخص جاں بحق نہیں ہوا تاہم زلزلے کے خوف سے 9 کے قریب افراد افراتفری کی وجہ سے زخمی ہو گئے۔ محکمۂ موسمیات کے مطابق زلزلے کا پہلا جھٹکا، جو 4 بج کر 30 منٹ پر آیا، درمیانے درجے کا تھا، جس کی شدت ریکٹر اسکیل پر 5.5 ریکارڈ کی گئی، جب کہ دوسرا جھٹکا شدید تھا، جس کی شدت ریکٹر اسکیل پر 6.4 تھی۔ زلزلے کا مرکز کوئٹہ سے 60 کلومیٹر شمال مشرقی علاقے خانوزئی میں تھا، جس نے اپنے قریب موجود علاقوں

خانوزئی اور زیارت میں تباہی مچادی۔

زلزلے کی شدت اِس قدر شدید تھی کہ اس کی وجہ سے بعض پہاڑ شق ہو گئے، جبکہ زیارت کی دو یونین کونسلوں میں 8 سے 12 دیہات بُری طرح تباہ ہو گئے۔ زیادہ تباہی کا شکار ہونے والے علاقوں میں کو اس، ور چوم، کچھ، کان بنگلہ، وام، گوگی اور اس سے ملحقہ دیہات شامل ہیں۔ ان علاقوں میں 250 سے زائد افراد جاں بحق ہوئے جب کہ سینکڑوں لوگ زخمی ہو گئے جن میں زیادہ تر بچے اور خواتین شامل ہیں۔ سب سے زیادہ تباہی وام تنگی اور ور چوم کے علاقے میں ہوئی، جس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ایک سکول ٹیچر افضل کے خاندان کے پندرہ افراد جاں بحق ہوئے۔ چونکہ بلوچستان میں صوبائی اور ضلعی سطح پر کسی قدرتی آفت سے نمٹنے کا مؤثر انتظام نہیں اس لیے امدادی سرگرمیاں شروع کرنے میں 6 گھنٹے تاخیر ہوئی۔

توبہ اچکزئی کا علاقہ افغانستان کی سرحد سے متصل ہے، جہاں تین افراد ہلاک ہوئے جب کہ خانوزئی کے مختلف علاقوں میں ایک شخص ہلاک اور 7 زخمی ہو گئے۔ ان علاقوں کے علاوہ بلوچستان کے جن دیگر علاقوں میں زلزلے کے جھٹکے محسوس کیے گئے اُن میں پشین، لورالائی، قلعہ عبداللہ، سبی، مستونگ، قلات، مچھ، سبی اور ژوب شامل ہیں، تاہم ان علاقوں میں کوئی جانی یا مالی نقصان نہیں ہوا۔

30 اکتوبر 2008ء کو شام کے وقت کوئٹہ میں پھر شدید زلزلہ آیا۔ ایک عینی شاہد کے مطابق کوئٹہ کے گرد بجلی چمکتی محسوس ہوئی۔ درخت ہل رہے تھے۔ طوفان کا سا سماں تھا۔ ہزاروں گھر متاثر ہوئے لیکن کوئی جانی نقصان نہ ہوا۔ ہزاروں لوگوں کو بچوں اور عورتوں سمیت کھلے آسمان تلے رات بسر کرنا پڑی۔ آفٹر شاکس کا سلسلہ جاری رہا اور پورے بلوچستان میں سراسیمگی پھیل گئی۔ فوراً امدادی سرگرمیوں کا آغاز کر دیا گیا۔ متاثرہ علاقوں میں فرنٹیئر کور اور پاک فوج کے جوان سب سے پہلے پہنچے اور امدادی سرگرمیوں میں مصروف ہو گئے۔

اِس سے پہلے کوئٹہ شہر میں 30 مئی 1935ء کو تاریخ کا تباہ کن زلزلہ آیا تھا جس سے اُس وقت کی پچاس ہزار آبادی کا یہ شہر ملیا میٹ ہو گیا تھا۔ 1935ء کا زلزلہ رات تین بجے آیا تھا۔ اس وقت زیادہ تر لوگ اپنے گھروں میں محوِ استراحت تھے اس لیے انھیں اٹھنے کا وقت نہ مل سکا۔ تاریخی شواہد کے مطابق زلزلہ آنے کے دوسرے دن فوج نے شہر کا کنٹرول سنبھال لیا۔ شہر میں یکم جون سے 28 جون تک مارشل لاء لگا دیا گیا۔ چوبیس گھنٹوں میں ریلوے لائن کو بحال کر دیا گیا۔ سب سے پہلے زخمیوں کو نکالا گیا اور 28 جون تک 50 ہزار مریضوں کا علاج کیا گیا۔ اس کے بعد ایک منصوبے کے تحت شہر کی تعمیرِ نو کا کام دوبارہ شروع کر دیا گیا۔ پوری دنیا سے اس وقت کے حالات کے مطابق امداد ملی۔ ایک سال میں پورے شہر سے ملبہ ہٹا لیا گیا اور پھر تن دہی سے تعمیر نو ہوئی۔ ایک ایک پائی ایمان داری سے خرچ ہوئی۔ زلزلہ پروف گھر بنائے گئے۔ پھر بھی تعمیرِ نو میں پورے

چھ برس لگے۔

آفاتِ ارضی وسماوی سے نبرد آزما ہونے کے لیے اللہ کی مدد کے ساتھ ایمانداری، تن دہی، پوری یک جہتی، جذبہ وایثار اور قومی جذبے کے ساتھ کام کرنے کی سخت ضرورت ہوتی ہے۔ 8 اکتوبر 2005ء کے زلزلہ کے بعد خیبر سے کراچی تک پوری قوم یک جا ہوگئی۔ زلزلہ کے دوسرے دن ہزاروں لوگ امدادی اشیاء کے ہزاروں ٹرکوں کے ساتھ زلزلہ زدہ علاقوں میں پہنچ گئے اور مصیبت زدہ بہن بھائیوں کی خدمت میں مصروف ہوگئے۔

بلوچستان میں 29 اکتوبر 2008ء کو آنے والے زلزلہ کے بعد اگرچہ امداد و بحالی کا کام شروع ہو چکا ہے لیکن مصیبت کی اس گھڑی میں پوری قوم کو ایک دفعہ پھر جذبۂ خدمت وایثار کا مظاہرہ کرنا ہے۔ زیارت اور پشین کے مصیبت زدہ لوگوں کی خدمت کے لیے ساری پاکستانی قوم کو آگے بڑھنے کی ضرورت ہے اور کسی نہ کسی طور پر امداد اور بحالی کے کاموں میں حصہ لے کر ایک دفعہ پھر سے اس بات کو ثابت کرنا ہے کہ ہم سب ایک ہیں اور مصیبت کی اس گھڑی میں اپنے بلوچ بہن بھائیوں کو اکیلا نہیں چھوڑیں گے۔ اس کے علاوہ اس بات کی بھی ضرورت ہے کہ اللہ کے حضور سربسجود ہو کر خیر و عافیت کی دعا مانگی جائے کہ اللہ تعالیٰ ہم گنہگاروں پر اپنا کرم فرمائے اور کسی بھی بڑی آزمائش سے بچائے۔

30 مئی 1935ء کو کوئٹہ میں آنے والے زلزلہ کے بعد امداد اور بحالی کا کام ایک خاص شفاف نظام کے تحت ہوا جس میں اس وقت کے وسائل کے مطابق امداد اور بحالی کا کام کیا گیا۔ آبادکاری اور بحالی کے اس نمونے کو آج کل کے حالات کے مطابق اپنا کر بحالی اور آبادکاری شروع کرنے سے متاثرینِ زلزلہ کی فوری مدد کے ساتھ ان کی بحالی بھی ہوسکتی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ 1935ء کے نمونے کو اپنا کر آئندہ آنے والے زلزلوں کی تباہ کاریوں سے بھی کسی حد تک بچا جاسکتا ہے۔

مچھ، خضدار اور تاراچند

1931ء میں 27 اگست اور 28 اگست کی درمیانی رات بلوچستان میں آنے والے زلزلے میں سب سے زیادہ متاثر ہونے والا علاقہ مچھ تھا۔ مچھ کا ریلوے سٹیشن، جیل اور بازار پل بھر میں زمیں بوس ہو گئے۔ اس تباہی سے فضا میں اس قدر گرد و غبار بلند ہوا کہ لوگوں کا قریب سے دیکھنا بھی محال ہو گیا اور وہ جان بچانے کے لیے بھاگنے سے قاصر رہے۔ اس زلزلے کی شدت اتنی تھی کہ مچھ ریلوے سٹیشن پر کھڑی ایک ریل گاڑی شٹل کاک کی طرح اچھل کر دور جا گری اور اس میں سوار مسافر پلیٹ فارم پر ادھر اُدھر گرنے لگے۔ لوگ اس قدر خوف زدہ تھے کہ وہ ہل جُل بھی نہیں پا رہے تھے۔ مچھ کی فضاء میں ہر طرف درد بھری چیخ و پکار تھی۔ مرد و زن زور سے اللہ اللہ پکار رہے تھے جب کہ بہت سی خواتین سینہ کوبی کر رہی تھیں۔ جو زندہ بچ گئے ان کی حالت مُردوں سے بدتر تھی اور وہ شدید حواس باختہ تھے۔ مچھ جیل کی عمارت گرنے کے باوجود 473 قیدیوں کو کوئی گزند نہ پہنچی لیکن وہ اس قدر خوف زدہ تھے کہ افراتفری کے باوجود بھاگ نہ سکے۔ بعد میں انھیں کوئٹہ جیل میں منتقل کر دیا گیا۔ مچھ کے لوگوں کو تین دن تک پانی اور خوراک میسر نہ تھی۔ مچھ ریلوے سٹیشن کا سٹیشن ماسٹر اس دن کا ہیرو ثابت ہوا کیوں کہ اس نے امدادی پارٹی تشکیل دے کر ملبہ صاف کر کے لوگوں کے لیے تباہ شدہ مکانوں سے خوردنی اشیاء نکالیں۔ مچھ میں ایک معجزہ اُس وقت پیش آیا جب ایک چھوٹی لڑکی کو ملبے کے ایک بڑے ڈھیر سے زندہ نکالا گیا۔ وہ ذرا بھی زخمی نہیں تھی، تاہم ڈری اور سہمی ہوئی تھی۔ مچھ کی صرف ایک عمارت، جس نے زلزلے کا کامیابی سے مقابلہ کیا اور سلامت رہی، وہ تھی بجلی گھر کی عمارت، جسے بعد میں امدادی کیمپ کے طور پر استعمال کیا گیا۔ زلزلے کے پہلے روز لوگوں نے ایک سبق سیکھا تھا اور وہ یہ کہ جب جھٹکے شروع ہو جاتے تو لوگ دوڑ کر کھلے میدانوں، کھیتوں اور باغات میں پہنچتے۔ مچھ تک امدادی ٹیموں کی رسائی ناممکن تھی کیونکہ زلزلے نے سبی کوئٹہ روڈ کو شدید نقصان پہنچایا تھا۔ خود کوئٹہ بھی باقی ملک سے کٹا ہوا تھا، کیوں کہ سبی اور کوئٹہ کے درمیان ریلوے لائن کی 8 نمبر سرنگ کو زلزلے نے شدید نقصان پہنچایا تھا۔ بھرپور کوششوں کے باوجود مچھ کی تباہی کی خبر کوئٹہ یا سبی تک پہنچانا مشکل تھا کیوں کہ ٹیلی گراف کا نظام درہم برہم ہو چکا تھا۔ ایک انگریز افسر کرنل روبی اور ان کے تین ماتحتوں نے ایک گاڑی حاصل کر کے سبی پہنچنے کی کوشش کی تا کہ اس طرح مچھ کی تباہی کی خبر وہاں پر

موجود حکام بالا کو پہنچائی جا سکے۔ یہ افراد 4 گھنٹے میں صرف 5 میل کا فاصلہ طے کر سکے۔ مچھ ریلوے سٹیشن کے ہیڈ کلرک تاراچند کی سربراہی میں ایک اور ٹیم تشکیل دی گئی جسے کوئٹہ پہنچنا تھا۔ ایک گھنٹے بعد یہ ٹیم ناکام ہو کر واپس آ گئی کیوں کہ تباہ حال سڑک پر سفر کرنا ناممکن تھا۔ تاراچند پھر ایک خچر پر سوار ہوا اور کوئٹہ تک پیغام پہنچانے میں کامیاب ہو گیا۔ یہ کوشش بارآور ثابت ہونے کے باعث کوئٹہ سے رائل ایئر فورس کا ایک طیارہ اڑ کر مچھ پہنچا اور یہ پیغام لایا کہ فوج کے جوان جلد ہی امداد کی غرض سے پہنچ رہے ہیں۔ اسی دن ٹھیک 7 بجے شام فوج کے جوان مچھ پہنچ گئے۔ 1931ء کا زلزلہ بلوچستان میں آخری زلزلہ نہ ثابت ہوا کیوں کہ 4 سال بعد اس علاقے میں پہلے آنے والے تمام زلزلوں سے کہیں شدید زلزلہ آیا۔

زیارت کی زیارت اور وام میں خیمہ مسجد:

جمعہ کی رات کھانے سے فراغت کے بعد عورتوں اور مردوں نے عشاء کی نماز ادا کی۔ اس رات سونے سے پہلے بات چیت میں وقت گزرا۔ سب کا دل چاہ رہا تھا کہ باتوں کا سلسلہ ختم نہ ہو۔ باتوں باتوں میں آنکھ لگ گئی۔ صبح ساڑھے چار بجے ایک خوف ناک گڑگڑاہٹ نے سب کو جگا دیا۔ سب لوگ حیران و پریشان کلمہ شریف کا ورد کرتے ہوئے گھر سے باہر نکلے۔ اندازہ ہوا کہ زلزلہ آیا ہے۔ کچھ دیر سب باہر کھڑے رہے اور دس پندرہ منٹ کے بعد میر عالم کی بیوی، دو بیٹیاں اور دو بہوئیں گھر کے اندر داخل ہوئیں۔ کلی پائیو وام میں رہنے والا میر عالم کچھ دیر اور باہر کھڑا رہا۔ ابھی اندر داخل ہونے کا ارادہ ہی کیا تھا۔ ایک پاؤں دروازے کے اندر اور دوسرا باہر تھا کہ پہلے سے بھی زیادہ زوردار جھٹکا آیا۔ جس سے آنِ واحد میں میر عالم کا نیا مکان زمین پر آ رہا اور گھرانے کے تمام افراد ملبے تلے دب کر خالقِ حقیقی سے جا ملے اور میر عالم یہ داستانِ غم سنانے کے لیے اکیلا رہ گیا۔ 29 اکتوبر کو زیارت میں زلزلہ کا سن کر کسٹمز ہیلتھ کیئر سوسائٹی کے رضا کاروں/ جاں نثاروں نے بلوچ بہن بھائیوں کے دکھ درد میں خود سے شریک ہونے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ دوسرے دن جانے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ جوں ہی ارادہ بنا۔ خدائی مدد شروع ہو گئی۔ سیّد محبوب علی صاحب نے راشن کا ذمہ لیا۔ فرحان صاحب نے خیمے مہیا کر دیے۔ ڈاکٹر وحید بھٹی نے گرم سویٹر اور جرسیاں لا دیں۔ ترین صاحب نے راستے کے لیے رقم مہیا کی۔ ادویات کا بندوبست بھی ہو گیا۔ لمبے سفر کی وجہ سے تھوڑی سی پریشانی تھی۔ اشفاق، ارشد، محمد عظیم، شیخ زاہد، منظور ڈرائیور، شاہد خان پر مشتمل ٹیم کا قافلہ یکم نومبر بروز ہفتہ اللہ سے یہ دُعا کر کے روانہ ہوا کہ وہ خیر و عافیت سے رکھے اور زیادہ سے زیادہ دکھی انسانیت کی خدمت کرنے کی توفیق عطا کرے فرمائے۔ ٹرک کے ساتھ مشتاق کو روانہ کیا گیا۔ لاہور سے فیصل آباد، جھنگ، گڑھ موڑ، سخی سرور، رکھنی، بارکھان، لورالائی سے

ہوتے ہوئے یہ قافلہ دو دِن مسلسل سفر کے بعد رات گئے زیارت پہنچا۔

زیارت بلوچستان کا صحت افزا مقام ہے، جو کوئٹہ سے تقریباً دو گھنٹے کی مسافت پر 156 کلومیٹر دور واقع ہے۔ زیارت کی وادی بلوچستان کا ٹھنڈا ترین علاقہ ہے۔ یہاں سردیوں میں درجۂ حرارت نقطۂ انجماد سے دس گیارہ درجے نیچے چلا جاتا ہے۔ اس لیے زیادہ تر لوگ نومبر سے اپریل تک یہاں سے ہجرت کر جاتے ہیں۔ زیارت کا قدیم نام غوسکی تھا۔ اٹھارویں صدی میں بابا خرواریؒ جب فوت ہوئے تو ان کو جنوب میں 9 کلومیٹر دور دفن کیا گیا۔ لوگ ان کے مزار کی زیارت کو آنے لگے۔ اس وجہ سے اس کا نام زیارت پڑ گیا۔ 1886ء میں اسے باقاعدہ ''زیارت'' کا نام دے دیا گیا۔ 1903 میں ضلع سبی کو گرمائی صدر مقام قرار دیا گیا۔ 1974 میں اسے تحصیل کا درجہ دے دیا گیا اور 1986 میں زیارت ضلع بن گیا۔ زیارت کے ضلع بننے کا پس منظر بھی دل چسپ ہے۔ 1986ء میں سبی کے لوگوں نے ہڑتال کر دی اور مطالبہ کیا کہ گرمیوں کے موسم میں ضلعی دفاتر سبی شہر سے زیارت منتقل نہ کیے جائیں کیوں کہ انھیں دُگنا فاصلہ طے کر کے براستہ کوئٹہ زیارت جانا پڑتا تھا۔ دوسری طرف زیارت کے لوگوں نے بھرپور مہم چلائی کہ ضلعی دفاتر حسبِ معمول گرمیوں کے موسم میں زیارت منتقل کیے جائیں۔ جام غلام قادر مرحوم اُس وقت کے وزیر اعلیٰ بلوچستان نے اس کا حل یہ نکالا کہ زیارت کو ضلع کا درجہ دے دیا اور یوں سبی اور زیارت دونوں جگہوں کے لوگوں کو مطمئن کر دیا۔ یہیں بابائے قوم نے اپنی زندگی کے آخری ایام گزارے۔ اسی وجہ سے قائد اعظم ریزیڈینسی مرجع خلائق ہے۔ جو کوئی بھی کوئٹہ یا زیارت آئے وہ اس ریزیڈینسی کی زیارت ضرور کرتا ہے۔ زیارت ایک لاکھ سے ڈیڑھ لاکھ نفوس پر مشتمل چھوٹا سا شہر ہے۔ 29 اکتوبر کے زلزلہ سے اگرچہ زیارت شہر میں کوئی جانی نقصان نہیں ہوا لیکن اس سے ہزاروں گھر متاثر ہوئے اور ان میں سے سینکڑوں اب رہنے کے قابل نہیں۔ شہر کے اکثر مکین گھروں سے باہر کھلے آسمان تلے رات گزارنے پر مجبور ہیں کیوں کہ مزید زلزلوں یعنی آفٹر شاکس کا سلسلہ جاری ہے۔

29 اکتوبر سے اب تک سینکڑوں چھوٹے بڑے آفٹر شاکس آ چکے ہیں۔ وام زیارت کا چھوٹا سا گاؤں ہے جو زلزلے سے خاصا متاثر ہوا۔ یہاں تقریباً 50 سے زیادہ اموات ہوئیں اور اکثر گھر جو زیادہ تر کچے تھے زمین بوس ہوئے۔ یہاں کے باسیوں نے بتایا کہ زلزلے کا پہلا جھٹکا کافی شدید تھا۔ اس سے نقصان کم ہوا۔ کچھ دیر گھروں سے باہر نکلنے کے بعد لوگ دوبارہ گھروں کے اندر داخل ہوئے تو دوسرے جھٹکے نے مکانات گرائے جس کی وجہ سے ملبے تلے دب کر زیادہ تر عورتیں اور بچے جاں بحق ہوئے۔ جیسا کہ ''کلی ملک پائیو خاں'' کے ملک نے بتایا کہ دوسرے جھٹکے میں اس کی بیوی، دو بہوئیں اور دو بیٹیاں شہید ہوئیں۔ وام میں بہت ساری قومی اور بین الاقوامی سماجی تنظیمیں بشمول امہ ویلفیئر ٹرسٹ، منہاج القرآن، سحر، کیئر انٹرنیشنل، خدمتِ خلق وغیرہ

نے اپنے اپنے کیمپ لگائے ہوئے تھے اور مصروف عمل تھیں۔ سماجی تنظیموں کے ساتھ کام کرنے والے اے سی مستونگ نصیر ناصر صاحب کافی تن دہی سے فرائض سرانجام دے رہے تھے اور صبح سے شام تک امداد و بحالی کے کاموں میں مصروف رہتے۔ وام کے سینٹر میں وزراء کی آمد کا سلسلہ جاری تھا۔ فوٹو سیشن ہو رہے تھے جس سے سماجی تنظیموں کے لوگ نالاں تھے۔ نصیر صاحب اسسٹنٹ کمشنر مستونگ نے ہمیں علاقے کا دورہ کروایا۔ وام میں ایک بڑی مسجد تھی جو اَب مٹی کا ڈھیر بن چکی تھی اور لوگ کھلی فضا اور یخ بستہ ہواؤں میں مسجد کے کھنڈرات پر صفیں بچھائے نماز پڑھ رہے تھے۔ 8 اکتوبر 2005ء کو سرحد اور آزاد کشمیر میں کام کرتے ہوئے اپنے میڈیکل کیمپ کے لیے ایک بڑا خیمہ خصوصی طور پر تیار کروایا تھا جو کیمپوں میں ہمارے ساتھ ہوتا تھا تاکہ جہاں کیمپ کے لیے جگہ نہ ملے وہاں اسے لگا لیا جائے۔ وام کی مسجد کی تباہ حالی دیکھ کر بڑا دکھ ہوا۔ نصیر صاحب نے کہا کہ اگر یہاں عارضی طور پر مسجد کا انتظام ہو جائے تو بہت بہتر ہوگا۔ فوراً بڑے خیمے کا خیال آیا۔ سب ساتھیوں سے مشورہ ہوا۔ سب نے یک زبان ہو کر کہا کہ اس سے بڑی سعادت کیا ہوگی کہ ہمارا خیمہ مسجد کے کام آ جائے۔ چنانچہ سب نے مل کر ٹرک سے خیمہ اتارا اور وام کے باسیوں کی مدد سے اسے مسجد کی جگہ پر ایستادہ کیا۔ خیمہ بہت بڑا تھا۔ اس کے لگانے میں ہمارے دو تین گھنٹے لگ گئے۔ عصر کا وقت تھا، اذان دے کر نماز پڑھی تو دل کو سکون ملا۔ خیمہ مسجد بنانے پر سب ساتھی بہت خوش تھے۔ وام کے باسی بھی آپس میں سرگوشیاں کر رہے تھے کہ امدادی اشیاء غیرہ تو ہمیں مل رہی ہیں اور ملتی رہیں گی، پنجاب کے دوستوں نے عارضی مسجد بنا کر ہم پر بڑا احسان کیا ہے۔ کچھ دیر بعد ایک ساتھی نے مسجد میں بجلی کی کیبل لا کر ایک بلب بھی لگا دیا۔ یوں اللہ کا گھر نہ صرف تیار بلکہ روشن بھی ہو گیا۔ وام کے متاثرین میں اشیائے خورد و نوش کے پیکٹ اور گرم کپڑے، سویٹر، جرسیاں اور جیکٹیں وغیرہ تقسیم کیں۔ مغرب کا وقت ہو چلا تھا۔ صبح سے بغیر کھائے پیئے کام ہو رہا تھا۔ مغرب کے بعد سب نے تھوڑا تھوڑا کھانا کھایا اور پھر کام میں جُت گئے۔ وام کے ساتھ ملحق ایک قریبی بستی کلی ملک پائیو خان گئے اور وہاں بھی راشن اور گرم کپڑے تقسیم کیے۔

زلزلہ کی گڑگڑاہٹ میں نمازِ عشاء:

رات کا قیام ایک ریسٹ ہاؤس میں ہوا۔ یہاں یخ بستہ ہوائیں چل رہی ہیں۔ درجۂ حرارت نقطۂ انجماد سے تین چار درجے کم تھا۔ رات سخت سردی کی وجہ سے نیند نہ آئی۔ پانی برف جیسا یخ تھا۔ رات ساڑھے نو بجے ڈی سی او زیارت سہیل خان کے گھر پر متاثرہ علاقوں میں کام کرنے والی قومی اور بین الاقوامی تنظیموں کے نمائندوں کے ساتھ ملاقات ہوئی۔ یہاں ہر تنظیم نے اپنے اپنے کام کے بارے میں بتایا۔ زلزلے کے فوراً بعد

بہت ساری سماجی تنظیمیں یہاں پہنچیں اور اپنے اپنے دائرۂ اختیار میں مختلف کاموں کا بیڑا اُٹھایا۔ کسی بھی قدرتی آفت کے بعد ملکی اور غیر ملکی غیر سرکاری تنظیموں کا کردار بہت اہم ہوتا ہے۔ 8 اکتوبر 2005ء کے زلزلہ کے بعد پوری دنیا سے سرکاری اور غیر سرکاری تنظیموں کے ارکان کشمیر اور سرحد پہنچے اور متاثرین کی فوری بحالی اور مدد کے لیے بے لوث خدمات انجام دیں۔ زیارت کے زلزلے کے فوراً بعد غیر سرکاری تنظیموں امہ ویلفیئر ٹرسٹ، کیئر انٹرنیشنل، Save the Children، الخیر انٹرنیشنل، الامین ٹرسٹ، خدمتِ خلق، ترقی فاؤنڈیشن، بلوچستان رورل سپورٹ پروگرام اور کئی سیاسی جماعتوں کے ارکان یہاں پہنچے ہوئے ہیں اور اپنے اپنے شعبے میں خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ امہ ویلفیئر ٹرسٹ کے محمود حقانی صاحب بڑے فعال ہیں اور صبح سے شام تک زلزلہ زدگان کی خدمات میں مصروف رہتے ہیں۔ انھوں نے اپنے کیمپ کا دورہ کروایا جہاں وہ صبح و شام متاثرین زلزلے کے لیے کھانا پکوا کر تقسیم کرتے ہیں۔ دیگوں میں کھانا تیار تھا اور اسے تقسیم کرنے کے لیے حقانی صاحب ہدایات دے رہے تھے۔ برادر ملک ترکی کے بھائیوں کو دیکھ کر بہت خوشی ہوئی جو یہاں زلزلہ زدگان کی خدمت کے لیے آئے تھے۔ 2005ء میں کشمیر کے زلزلے کے دوران بھی تُرکی نے متاثرین کی بہت مدد کی تھی اور ماڈل گھر بنا کر بھیجے تھے۔ ملکی اور غیر سرکاری تنظیمیں تو یہاں بڑی فعال نظر آئیں مگر مقامی حکومتوں کا کردار، جس کا پچھلے دور میں بڑا چرچا کیا گیا اور اس کے لیے اچھے بھلے قائم شدہ نظام کو تلپٹ کر دیا گیا، کہیں نظر نہ آیا۔ 8 اکتوبر 2005ء کے زلزلے کے بعد کشمیر اور سرحد میں ناظمین اور کونسلرز، کہیں نظر نہیں آئے تھے اور یہاں بھی ایسی ہی صورتِ حال تھی۔ ڈی سی او صاحب اپنے نمائندوں کے ساتھ اپنے تئیں کوششوں میں مصروف تھے اور سب سے بڑھ کر غیر سرکاری تنظیموں کے ساتھ رابطہ کر کے ان کے کام میں مداخلت کیے بغیر ان کی معاونت بھی کر رہے تھے۔ 8 اکتوبر 2005 کے زلزلے سے موازنہ کرتے ہوئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ بلوچستان کے زلزلے نے تھوڑے اور بہت کم لوگوں کو متاثر کیا لیکن ایک بات دیکھ کر تسلی ہوئی کہ یہاں تھوڑا علاقہ متاثر ہونے کے باوجود ملک کے کونے کونے لاہور، کراچی، فیصل آباد، سیالکوٹ، مظفر گڑھ، مظفر آباد، ڈی جی خان سے امدادی سامان اور سماجی کارکن پہنچے ہوئے ہیں اور صبح سے شام تک متاثرین کی ہر طریقے سے خدمت میں مصروف ہیں۔ عشاء کی نماز کے لیے کھڑے ہوئے تھے کہ ایک خوف ناک آواز اور گڑگڑاہٹ نے سب کو ہلا کر رکھ دیا۔ زبردست جھٹکا لگا۔ سب لوگ باہر آ گئے۔ مقامی لوگوں نے بتایا کہ یہ تو یہاں کا معمول بن گیا ہے اور روزانہ ایسے جھٹکے لگتے رہتے ہیں۔

ٹائر، سیب اور صنوبر:

اگلی شب جلد بیدار ہونے پر نمازِ تہجد کی سعادت نصیب ہوئی۔ ملک کی سلامتی اور مصیبت زدہ لوگوں

کے لیے دعا کی۔ نمازِ فجر کے بعد ساتھیوں نے تیاری شروع کر دی۔ زیارت کے نواحی علاقوں سے کچھ متاثرینِ زلزلہ ''کلی سوئی'' سے آئے تھے۔ ان میں راشن اور گرم کپڑے تقسیم کیے۔ 9 بجے سب لوگ تیار ہو گئے۔ دواؤں کے ساتھ سامان خور ونوش، بچوں کے لیے بسکٹ، گولیاں ٹافیاں، چپس وغیرہ پیک کر کے عازمِ سفر ہوئے۔ زیارت سے نکلے، ابھی تھوڑا فاصلہ ہی عبور کیا تھا کہ دور سے کالا دھواں اٹھتا نظر آیا۔ استفسار پر پتہ چلا کہ ایک علاقے کے لوگوں نے سڑک بلاک کی ہوئی ہے۔ راستے میں ٹائر جلا رہے ہیں اور جانے والی گاڑیوں پر پتھراؤ سے بھی گریز نہیں کرتے۔ نصیر ناصر صاحب نے گاڑیاں روکنے کا اشارہ کیا اور کہا کہ آگے نہیں جا سکتے۔ تھوڑی سی دیر میں گاڑیوں کی لمبی قطار لگ گئی۔ ایک دو گھنٹے بعد گاڑیوں سے اتر کر حالات کا جائزہ لینے کے لیے آگے گئے۔ زندرہ کے کچھ مقامی لوگوں نے سڑک بلاک کر رکھی تھی اور اس بات پر احتجاج کر رہے تھے کہ ان تک امدادی اشیاء نہیں پہنچ رہیں۔ انتظامیہ اور پولیس بھی آ گئی تھی۔ دو تین گھنٹے اس شش و پنج میں گزر گئے۔ آخر ساتھیوں کے مشورہ سے سڑک کے کنارے زندرہ گاؤں میں کیمپ لگانے کا ارادہ کیا۔ پل بھر میں بچے، بوڑھے، جوان جمع ہونا شروع ہو گئے۔ کیمپ میں بچوں کی دلچسپی کا خاصا سامان تھا۔ بچے دواؤں کے ساتھ بسکٹ ٹافی اور چپس لے کر پھولے نہیں سما رہے تھے۔ زیادہ تر چھوٹے بچوں میں بخار، نزلہ، کھانسی، چھاتی میں درد، سینہ کا انفیکشن، خارش وغیرہ کی تکلیف تھی۔ بڑوں میں کمر درد، جسم درد، سانس کی بیماری، گردوں میں درد، معدے میں جلن، تیزابیت، نیند نہ آنا وغیرہ کی تکالیف تھیں۔ کیمپ میں تھوڑی سی دیر میں خاصے لوگ اکٹھے ہو گئے۔ اشفاق نے ڈسپنسری لگالی۔ عظیم صاحب پرچیوں پر لگ گئے۔ شیخ زاہد نے بچوں میں اشیائے خور ونوش گولیاں ٹافیاں وغیرہ تقسیم کرنا شروع کر دیں۔ بچے اپنی پسند کی اشیاء پا کر بہت خوش ہو رہے تھے۔ مختلف تنظیموں کے نمائندوں نے بھی ہمارے کیمپ کا دورہ کیا۔ دوپہر کے کھانے کا اہتمام زندرہ کے شکیل صاحب نے کیا۔ شکیل ایک نوجوان بزنس مین ہے، جس کے سیبوں کے باغات ہیں جن میں خوب فصل ہوتی ہے۔ انھوں نے ہمارے ساتھ ہر طرح کا تعاون کیا اور وقفے وقفے سے اپنے باغ سے موٹے تازے میٹھے سیب لا کر ہماری تواضع کرتے رہے۔ زیارت کے نواحی علاقوں میں زیادہ تر لوگ باغ بانی کے پیشے سے وابستہ ہیں اور پھل اُگاتے ہیں۔ یہاں کے مشہور پھلوں میں سیب، چیری اور آلو بخارا شامل ہیں۔ زلزلے سے سیبوں کے باغات بھی ایک حد تک ویران ہو گئے۔ باغات میں بے شمار درخت گر گئے اور کچے سیب زمین پر آن گرے۔ پانی کی کمی کی وجہ سے پھلوں کی پوری افزائش نہیں ہو سکی۔ اس کے علاوہ زیارت کے صنوبر کے جنگلات اپنی وسعت کے لحاظ سے دنیا میں دوسرے نمبر پر ہیں۔ 171,000 ہیکٹر پر پھیلے ہوئے یہ جنگلات زلزلے سے بری طرح متاثر ہوئے۔ کئی درخت جڑ سے اکھڑ گئے اور بعض علاقوں میں زلزلہ متاثرین نے سردی سے بچنے کے لیے درخت کاٹ کر جلانا شروع کر دیے

ہیں۔صنوبر کا خوب صورت درخت بہت سست روی سے بڑھتا ہے۔سال میں یہ صرف ایک انچ بڑا ہوتا ہے۔ یہاں بعض درخت ایک ہزار سال سے دو ہزار سال تک پرانے ہیں۔کیمپ میں بچے، بوڑھے، جوان، چھوٹی بچیاں بڑی تعداد میں آئیں لیکن علاقے کے کلچر کے مطابق عورتیں بہت کم آئیں۔ بلوچستان کے لوگ بہت زیادہ مذہبی اور روایات کے پابند ہیں اور عورتوں میں پردے کی بہت پابندی ہے۔اکثر عورتیں سر سے پاؤں تک چادر اوڑھے رہتی ہیں اور بہت کم گھر سے باہر نکلتی ہیں۔شکیل کے اصرار پر ہم کیمپ کے لیے اس کے گھر کے قریب گاؤں کے اندر چلے گئے اور وہاں کچھ خواتین سخت پردے میں منہ سر ڈھانپے آئیں جن کا چیک اپ کر کے علاج کیا اور دوائیں دیں۔شکیل اپنے ساتھ ایک گھر میں لے گیا جہاں بہت ساری عورتیں موجود تھیں۔ سب کو چیک کیا اور دوائیں دیں۔شام تک تقریباً 250 مریضوں کا چیک اپ اور علاج ہوا اور سب کو ایک ہفتے سے مہینے تک کی دوائیں دی گئیں۔آخر میں دعا کر کے رخصت ہوئے کہ کل پھر ان شاءاللہ آئیں گے اور نئے عزم اور حوصلے کے ساتھ خدمت سرانجام دیں گے۔اذانِ فجر کے ساتھ ہی دوبارہ زلزلے کے جھٹکے محسوس ہوئے جن کی شدت کچھ زیادہ نہیں تھی۔نمازِ فجر کے بعد نصیر ناصر صاحب سے ملاقات ہوئی جو آج مستونگ جا رہے تھے کیوں کہ ریونیو آفیسر اور ڈی ڈی او ہونے کی وجہ سے ان کی عدم موجودگی میں لوگوں کو تنخواہیں بھی نہیں ملی تھی اور وہ ایس او ایس (SOS) کے ذریعے زلزلے کے دوسرے دن یہاں پہنچے تھے اور آتے ہی تندہی سے کام میں لگ گئے۔ڈی سی او (DCO) نے ان کو غیر سرکاری تنظیموں کا کوآرڈی نیٹر مقرر کیا جسے انھوں نے احسن طریقے سے نبھایا۔ ہر این جی او (NGO) کی رہنمائی کی اور متاثرہ علاقوں اور متاثرینِ زلزلہ کی صحیح طریقے سے نشان دہی کر کے جہاں جہاں جس چیز کی ضرورت تھی وہ بہم پہنچائی۔نصیر ناصر صاحب مرنجاں مرنج طبیعت کے مالک اور مرحوم ایڈیشنل کلکٹر سیف اللہ خاں ناصر کے گاؤں کے رہائشی ہیں۔کافی دیر مرحوم کی باتیں ہوتی رہیں کہ کیسے انھوں نے جدوجہد سے اپنا مقام بنایا اور جب وہ اے سی (A.C) کسٹمز ہوئے تو ان کی والدہ محترمہ بے حد خوش تھیں۔اب ان کے بعد پورا خاندان ختم ہو گیا۔رہے نام اللہ کا۔جیسا کہ اللہ نے فرمایا ہے انسان خسارے میں ہے۔انسان اس دنیا ہی کو سب کچھ سمجھ لیتا ہے لیکن اس بے ثبات دنیا کو ایک دن ختم ہونا ہے اور صرف اور صرف وہی چیز باقی رہ جاتی ہے جو آدمی دوسرے انسانوں کی بھلائی کے لیے کرتا ہے۔

قائدِاعظم ریزیڈینسی کی زیارت:

آج بھی سخت سردی ہے اور یخ بستہ ہوائیں چل رہی ہیں۔سردی کی شدت سے دانت بج رہے ہیں۔سردی ہے کہ جسم میں گھستی جا رہی ہے۔نمازِ فجر کے بعد ذرا سی دیر کے لیے باہر نکلنا پڑا تو سرد ہوا کے

تھپیڑوں نے آ لیا جس کی وجہ سے پورا دن طبیعت خراب رہی۔ عظیم صاحب کے کہنے پر جسم کو سر سے لے کر اچھی طرح گرم کپڑوں سے لپیٹ لیا۔ ایسے میں نیلی آنکھوں اور گلاب جیسے سرخ قندھاری انار کی طرح چہرے والے بچوں کا خیال آ رہا تھا جو یا تو کھلے آسمان تلے پڑے ہیں یا باریک سے خیموں میں زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔ ہمارے کیمپوں میں سینکڑوں بچے آئے جو صرف شلوار قمیض میں ملبوس تھے اور کئی تو پاؤں سے بھی ننگے تھے۔ ان علاقوں میں پس ماندگی اور غربت بہت زیادہ ہے۔ اکثر لوگوں کا ذریعۂ معاش سیب کے باغوں میں کام کرنا یا پھر بھیڑ بکریاں پالنا ہے۔ مہنگائی کی وجہ سے حالات زیادہ خراب ہیں۔ آٹا اور دوسری اشیائے خورد و نوش بہت مہنگی ہیں۔ روٹی دس روپے میں ملتی ہے۔

کسی بھی پاکستانی کے لیے یہ ممکن نہیں کہ وہ زیارت آئے اور قائدِ اعظم ریزیڈینسی کی پُر شکوہ اور قومی یادگار کی زیارت نہ کرے۔ زیارت شہر میں پہنچ کر چند منٹ کی مسافت پر جنوب کی جانب بلندی پر ریزیڈینسی کی باؤنڈری وال شروع ہو جاتی ہے۔ صنوبر کی لکڑی سے تعمیر شدہ یہ خوب صورت عمارت 92-1891 میں بنی اور اس کی تعمیر پر اس وقت 39012 روپے خرچ ہوئے۔ بانیٔ پاکستان کے آخری ایام یہاں گزرنے کے باعث اسے 1985 میں قومی یادگار قرار دے کر قائدِ اعظم ریزیڈینسی کا نام دیا گیا۔ عمارت کے اندر داخل ہوں تو آگے پیچھے اوپر نیچے چار چھوٹے چھوٹے کمرے ہیں۔ دائیں طرف پہلا کمرہ قائدِ اعظم کا ڈائننگ روم تھا۔ اس کمرے کے بالکل سامنے بائیں طرف کے پہلے کمرے میں بانیٔ پاکستان مہمانوں سے ملتے تھے۔ اس کمرے کے پیچھے قائدِ اعظم کے سیکرٹری کے ایچ خورشید کا کمرہ تھا۔ بائیں جانب والا کمرہ قائدِ اعظم کا دفتر تھا۔ بالائی منزل پر پہلا کمرہ قائدِ اعظم کا بیڈ روم تھا۔ اس کے ساتھ دائیں جانب والا کمرہ محترمہ فاطمہ جناح کے لیے مخصوص تھا۔ اس سے ملحق کمرہ مہمان خانہ تھا۔ ان کمروں سے آگے برآمدہ اور کوریڈور ہے جہاں سے ریزیڈینسی کا خوب صورت صحن نظر آتا ہے۔ صحن میں اخروٹ، چنار اور سیب کے درخت خوب صورت منظر پیش کرتے ہیں۔ تمام کمروں کا فرنیچر قائدِ اعظم کے دور کا ہے۔ پوری عمارت کے 31 دروازے اور 48 کھڑکیاں ہیں۔ عمارت کے پیچھے ملازمین کے لیے کوارٹرز ہیں اور اب یہاں مسجد بھی بنا دی گئی ہے۔ صنوبر کی لکڑی سے بنی اس عمارت کے صدر دروازے سے سیڑھیوں پر آئیں تو دور دور تک صنوبر کے درختوں کا خوب صورت منظر آنکھوں کو خیرہ کر دیتا ہے۔ وسیع و عریض صحن میں سبزے کی چادر اور خوب صورت پھولوں نے اس کو مزید سحر انگیز، دیدہ زیب اور دل کش بنا دیا ہے۔ ریسٹ ہاؤس سے زیارت کے مکینوں کے لیے خیر و عافیت کی دعا کر کے اس عظیم الشان جگہ کو دیکھنے کے لیے گئے۔ گیٹ پر لکھا ہوا بورڈ ناغہ بروز بدھ دیکھ کر بڑی پریشانی ہوئی مگر یہاں کسٹمز کے ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ اور ہمارے میزبان غازی خان کی واقفیت کام آئی۔ چوکیدار سے رابطہ ہوا، اس نے مہربانی کرتے ہوئے

ریزیڈینسی کو کھول دیا۔ عقیدت سے اندر داخل ہوئے اور تصور ہی تصور میں بابائے قوم کو بستر میں لیٹے اور ساتھ ان کی عظیم بہن محترمہ فاطمہ جناح کو ان کی تیمارداری میں مصروف دیکھا۔ ریزیڈینسی کے تبرکات، قائدِ اعظم کا بستر، فرنیچر، فاطمہ جناح کا کمرہ، مہمان خانہ، قائداعظم کی کرسی، میز غرضے کہ ایک ایک چیز کو خوب جی بھر کے دیکھا۔ سب ساتھی یہاں پہنچ کر بہت خوش تھے اور بانی پاکستان کے زیرِ استعمال اشیاء دیکھ کر فخر محسوس کر رہے تھے۔ یہ تصور کر کے آنکھیں نم ہوگئیں کہ بابائے قوم نے کس طرح محنت کر کے پاکستان بنایا تھا جس کے ایک حصے کی ہم حفاظت نہ کر سکے۔ سب نے پاکستان کو اندرونی اور بیرونی خطرات سے محفوظ رکھنے کے لیے اللہ سے دعا کی۔

چینا کی گرم میٹھی روٹیاں:

زیارت سے نکلتے ہی 29 اکتوبر کو زلزلے کی تباہ کاریاں نظر آنا شروع ہو جاتی ہیں۔ زیارت سے 10 کلومیٹر کے فاصلے پر کلی چینا پہنچے جو ایک چھوٹا سا گاؤں ہے۔ اگرچہ اموات بہت کم ہوئیں مگر اکثر مکانات گر گئے۔ صدارتی پروگرام برائے صحت کی نئی عمارت، جو اب زلزلے سے مکمل طور پر تباہ ہو چکی تھی، میں کیمپ لگانے کا ارادہ کیا۔ ذرا سی دیر میں کافی لوگ جمع ہو گئے۔ یہاں پہنچتے ہی ایک چھوٹی سی پیاری بچی ایک ٹرے میں گرم میٹھی روٹیاں لے کر آ گئی اور اپنی زبان میں ہمیں سمجھانے کی کوشش کی، چونکہ آپ ہمارے مہمان ہیں اس لیے آپ کے لیے یہ روٹیاں لے کر آئی ہوں۔ کسمپرسی کے عالم میں مہمان نوازی کا یہ جذبہ دیکھ کر آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ مرکزِ صحت کے ملازمین نے ہمارے ساتھ خوب تعاون کیا۔ اس کیمپ میں بچوں کی کثیر تعداد آئی۔ ننھے منے خوب صورت چہرے، نیلی شربتی آنکھوں والی پیاری پیاری بچیاں سردی سے ٹھٹھرتی اور اکثر کھانسی، نزلہ، زکام، چیسٹ انفیکشن اور بعض نمونیہ کی علامات کے ساتھ کیمپ میں آئیں۔ سب کو چیک اپ کر کے دوائیں دیں۔ آج کا دن ان لوگوں کے لیے بہت سخت ہے۔ ابھی مریض چیک کر رہے تھے کہ ایک دم زمین ہلی۔ زبردست جھٹکا لگا۔ سب نے استغفار کیا اور اللہ سے خیر و عافیت مانگی۔ ظہر کی نماز کے لیے قریبی مسجد گئے۔ مسجد شہید ہو چکی تھی۔ ایک خیمہ لگا ہوا تھا اور باہر کھلی فضا میں نماز کا اہتمام کیا گیا مگر نماز کے دوران پھر جھٹکا لگا۔ دوپہر تک اس کیمپ میں تقریباً 250 بچوں، بچیوں، بڑے بوڑھوں کا معائنہ کیا اور دوائیں دیں۔ علاقہ کی روایات کے مطابق یہاں عورتیں گھروں سے باہر نہیں نکلتیں اور نہ علاج معالجہ کے لیے مرد ڈاکٹر کے پاس آتی ہیں۔ ہماری خوش قسمتی رہی کہ اس سینٹر کی نرس نعیم مدد کے لیے پہنچ گئی، جس کا تعلق پنجاب سے ہے۔ اس کی مدد سے کچھ خواتین کو بھی چیک کیا۔ سب کو ایک ہفتے سے مہینہ تک کی دوائیں دیں۔ چینا سے فارغ ہو کر آگے جانے

کا قصد کیا۔ راستے میں وام، ورچوم، کان بنگلہ، زندرہ میں زلزلہ کی تباہ کاریاں دیکھیں۔ ان سب علاقوں میں بہت سی غیر سرکاری تنظیمیں بشمول امہ ویلفیئر، ٹرسٹ، جماعت اسلامی، خدمتِ خلق، مصطفائی تحریک یو۔کے، جمعیت اہل حدیث، الامین ٹرسٹ، الخیر ٹرسٹ اور کچھ سیاسی جماعتوں کے کارکن مختلف امدادی اشیاء متاثرینِ زلزلہ میں تقسیم کرنے میں مصروف تھے۔ یہاں سے کیمپ کا اختتام کر کے وام کے علاقے ''کلی پائیو خان'' میں آئے۔ یہاں جب بھی کوئی تنظیم یا نئے لوگ کام کرنے کے لیے پہلے علاقے میں آتے ہیں تو یہاں کے کلچر کے مطابق سب سے پہلے علاقہ کے عمائدین کے ساتھ زلزلہ میں ہلاک ہونے والوں کے لیے فاتحہ پڑھتے اور تعزیت کرتے ہیں۔ اس کے بعد وہ اپنے اپنے کام میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ یہاں بھی لوگوں کی آمدورفت جاری تھی۔ تعزیت ہو رہی تھی۔ چیزیں بانٹی جا رہی تھی۔ ہم نے بھی ایک کونے میں کیمپ لگا لیا۔ اس کیمپ میں زیادہ تر بوڑھے اور جوان لوگ آئے۔ سب کو زیادہ تر جسم میں درد، کھانسی، سانس کی تکلیف یا خارش کی بیماری تھی۔ یہاں سے جلدی فارغ ہو گئے لہٰذا اگلی جگہ جانے کا پروگرام بنا۔

کان بنگلہ کے ڈاکٹر منظور کاکڑ:

بلوچستان میں گاؤں یا محلّہ کے لیے ''کلی'' کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ وام سے تین چار کلومیٹر آگے سڑک اندر ''کان بنگلہ'' تک جاتی ہے جہاں زلزلہ نے کافی تباہی مچائی۔ اموات کے علاوہ اس ''کلی'' کے سارے گھر زلزلہ میں تباہ ہو گئے۔ کان بنگلہ کے کچھ لوگ خیموں میں اور بعض کھلے آسمان تلے آس پاس اپنی اشیاء اکٹھی کیے، مزید خیموں کی آس لگائے بیٹھے تھے۔ کان بنگلہ پہنچتے ہی کیمپ کی تیاری شروع کر دی۔ دوائیں اتار رہے تھے کہ علاقے کے لوگ آ گئے اور کیمپ لگانے میں ہماری بھرپور مدد کی۔ یہاں ہماری خوش قسمتی تھی کہ بولان میڈیکل کالج سے اس سال فارغ التحصیل ہونے والے ڈاکٹر منظور کاکڑ مل گئے جو خود ایک خیمے میں قیام پذیر تھے۔ اس کیمپ میں پہلی دفعہ ڈاکٹر منظور کے ہونے کی وجہ سے جوان اور بوڑھی عورتیں جو سر سے پاؤں تک چادروں میں لپٹی ہوئی تھیں چیک اپ کے لیے آئیں۔ ڈاکٹر منظور نے ترجمان کے فرائض انجام دیے۔ ڈاکٹر منظور کاکڑ پنجاب کے باسیوں کے جذبۂ ایثار سے بہت متاثر ہوئے۔ وہ بتا رہے تھے کہ پنجاب سے بالخصوص اور پورے ملک سے بالعموم دل کھول کر امداد بھیجی گئی ہے۔ بلوچستان کے غریب اور پس ماندہ لوگ اپنے پاکستانی بھائیوں کا یہ احسان کبھی نہیں بھلا سکتے۔ اس کیمپ میں ڈاکٹر منظور نے خوب تعاون کیا۔ تقریباً 100 سے زیادہ مریضوں کا چیک اپ ہوا جنھیں مرض کی نوعیت کے مطابق دوائیں دی گئیں۔ ہمارے میڈیکل کیمپ کا ایک طرۂ امتیاز یہ رہا کہ دواؤں کے ساتھ بچوں میں کھانے پینے کی چیزوں کے علاوہ چھوٹے چھوٹے تحفے اور پھل وغیرہ

بھی تقسیم کیے جاتے کیوں کہ دوا کے ساتھ غذا کا ہونا ضروری ہے۔ دوا اور غذا کے ملاپ سے ہی شفاء یقینی ہوتی ہے۔ صبح سویرے سردی لگنے کی وجہ سے سخت بخار رہا مگر اللہ نے ہمت دیے رکھی۔ صبح سے شام تک نان سٹاپ کام کیا۔ شام کے سائے گہرے ہو رہے تھے۔ آج میڈیکل کیمپوں کے لحاظ سے ہمارا آخری دن تھا۔ چوں کہ دواؤں کا وافر ذخیرہ لے کر گئے، اس لیے دل میں ارادہ تھا کہ مناسب آدمی مل جائے تو بچ جانے والی ادویات اس کے حوالے کر دی جائیں تا کہ وہ انھیں مستحق مریضوں کو پہنچا سکے۔ اس لحاظ سے نوجوان، بے لوث ڈاکٹر منظور کاکڑ کا ملنا ایک نعمت غیر مترقبہ سے کم نہ تھا۔ ڈاکٹر منظور سے بات ہوئی۔ نوجوان ڈاکٹر خدمت کے جذبے سے پہلے ہی سرشار تھا اس پیشکش کو خوش دلی سے چیلنج سمجھ کر قبول کر لیا۔ ساری ادویات ان کے حوالے کیں۔ ڈاکٹر منظور نے اس بات کا وعدہ کیا کہ وہ یہ ساری دوائیں مستحق مریضوں کے علاج کے لیے استعمال کریں گے۔ واپسی پر ''وام'' کے قریب سے گزرتے ہوئے مغرب کی نماز کا وقت ہو گیا تو وام کے علاقے میں گئے جہاں پہلے دن ''خیمہ مسجد'' بنائی تھی۔ مغرب کی جماعت اس خیمہ مسجد میں ادا کی۔ نماز کے دوران ایک دفعہ پھر زبردست زلزلہ آیا، جب گاڑی میں بیٹھنے لگے تو دوبارہ زلزلہ آیا۔ زلزلے متواتر آ رہے ہیں مگر ان کی شدت کم ہے۔ بعض اوقات گڑگڑاہٹ سے گھبراہٹ ضرور ہوتی لیکن فوراً ہی ساتھی اس کو بھول کر اپنے کام میں مصروف ہو جاتے۔

زلزلہ زدگان کے لیے مزید امداد:

فارغ ہو کر کوئٹہ کی طرف عازمِ سفر ہوئے اور راستے میں زلزلہ کی تباہ کاریاں دیکھتے ڈھائی گھنٹے کے سفر کے بعد کوئٹہ پہنچے۔ کوئٹہ میں زیارت کی نسبت کم سردی ہے۔ یہاں ہوٹل الذوالفقار میں قیام پذیر ہوئے۔ کوئٹہ میں کلکٹر کسٹمز سہیل افضل صاحب نے ہمارے ساتھ خوب تعاون کیا۔ سفر کے لیے گاڑیاں اور سٹاف مہیا کیا۔ زیارت کے باسی ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ کسٹمز غازی خان اس سفر کے دوران ہمارے ساتھ رہے جس کا ہمیں بہت فائدہ ہوا۔ وہ ترجمانی کے فرائض انجام دیتے رہے اور ہمیں ایسی جگہوں پر لے گئے جہاں پہلے امداد نہ پہنچی تھی۔ زیارت سے کلکٹر کسٹمز کوئٹہ سے مزید مدد کی درخواست کی۔ انھوں نے کوئٹہ کلکٹریٹ کے ویئر ہاؤس میں رکھے ہوئے سامان بشمول کمبل، گھی اور دوسری اشیائے خورد و نوش کا ٹرک زیارت بھجوا دیا۔ جمعرات کو واپسی کا ارادہ تھا کہ سرگودھا میں تبلیغی جماعت کے امیر ڈاکٹر اعجاز صاحب سے بات ہوئی۔ انھوں نے ملتان میں خواجہ اظہر سے بات کی۔ خواجہ صاحب نے اشیائے خورونوش کا ایک ٹرک روانہ کر دیا۔ دو دن بعد خواجہ اظہر نے ملتان ہی سے آٹے کے تھیلوں اور کمبلوں کا ایک اور ٹرک بھجوایا۔ گلیٹرون کے آفتاب صاحب نے راشن کے لیے کوئٹہ رقم بھجوا دی۔ جمعرات کے دن کوئٹہ کے یوٹیلیٹی سٹور سے خوراک کے پیکٹ بناتے رہے۔ جمعہ کو صبح سویرے پھر

زیارت کے لیے روانہ ہوئے۔ متاثرہ علاقوں میں پہنچے۔ غازی صاحب نے زیارت کے قریب ایسے گھروں کی نشان دہی کی جو بہت زیادہ اندر ہونے کی وجہ سے ابھی تک امداد سے محروم تھے۔ ان علاقوں کے اندر گھر گھر خود جا کر خوراک تقسیم کی۔ لاہور پہنچنے پر بھی دوستوں کا تعاون جاری رہا۔ ڈاکٹر ارشد صاحب نے آن لائن رقم کوئٹہ بھجوا دی۔ اس کے علاوہ اظہر افتخار صاحب کلکٹر سیلز ٹیکس فیصل آباد بھی آن لائن رقم بھجواتے رہے جس کی مدد سے کوئٹہ سے سامان خرید کر زیارت پہنچایا جاتا رہا۔ اس سفر کے دوران اس بات کا بخوبی اندازہ ہوا کہ آدمی ایک دفعہ اگر دل سے نیکی کا ارادہ کر لے تو فوراً اللہ کی مدد آ جاتی ہے اور واقعی اگر آدمی اللہ کی راہ میں چل کر جائے تو اللہ کی مدد دوڑ کر شاملِ حال ہو جاتی ہے۔

بلوچوں کی مہمان نوازی:

بلوچستان کے زلزلہ زدگان کے لیے جوں ہی ہماری ٹیم امدادی اشیاء کے ساتھ بلوچستان کے علاقے رکھنی ضلع بارکھان میں داخل ہوئی تو علاقے کے لوگوں نے خوش آمدید کہا۔ ٹیم جہاں جہاں سے گزرتی، لوگ اہلِ پنجاب کی کھلے دل سے تعریف کرتے اور چائے اور قہوہ پیش کرتے۔ کسی دکان دار نے چائے اور قہوے کے پیسے نہ لیے۔ زیارت میں بھی زیارت کے باسیوں نے مثالی مہمان نوازی کا مظاہرہ کیا۔ جس دکان پر جاتے بڑی محبت سے پیش آتے اور چائے اور قہوہ پیش کرتے۔ جس جگہ کیمپ لگایا فوراً چائے اور قہوہ سے بھری کیتلیاں چھوٹی پیالیوں کے ساتھ آ جاتیں، جن کے پینے سے دن بھر کی تھکن دور ہو جاتی۔ ایک جگہ تو کمال ہی ہو گیا۔ ابھی کیمپ کے لیے سامان لگا ہی رہے تھے کہ نیلی آنکھوں اور سرخ گالوں والی ایک پیاری سی بچی ٹرے میں گرم گرم میٹھی روٹیاں لے کر آ گئی اور اپنی زبان میں ہمیں سمجھایا کہ آپ ہمارے مہمان ہیں، جو گھر میں تھا آپ کی خدمت کے لیے حاضر ہے۔ اس کے علاوہ جہاں بھی گئے بلوچ لوگ گرم جوشی سے پیش آئے، خوش دلی سے استقبال کیا اور ہمارے راستے میں آنکھیں بچھائیں۔ جس ریسٹ ہاؤس میں ٹھہرے تھے وہاں کے انچارج نے صبح شام ہماری خوب خدمت کی اور بار بار چائے اور قہوہ پیش کرتے رہے، اور چائے، قہوے کے کبھی پیسے نہ لیے۔ زیارت کے ''غازی خان'' صاحب تو تمام سفروں کے دوران صبح سے رات تک ہمارے ساتھ رہے اور ان کی وجہ سے ہم نے ایسی جگہوں پر سامان بھجوایا جہاں ابھی تک کوئی نہ پہنچا تھا۔ غازی خان صاحب نے اپنا ریسٹ ہاؤس بھی ہمیں دے دیا اور سب سے بڑھ کر اپنے بھائی اور بھتیجے کو ہماری خدمت کے لیے ہمارے ساتھ لگائے رکھا۔ قائدِ اعظم ریزیڈینسی کی زیارت بھی اسی مہمان نوازی کی مرہونِ منت ہے کیوں کہ بدھ کو ہفتہ وار ناغہ تھا لیکن جب ریزیڈینسی کے چوکیدار کو پتہ چلا کہ پنجاب سے مہمان زلزلہ زدگان کی امداد کے لیے آئے ہیں تو اپنی نوکری کو داؤ پر لگاتے ہوئے ہمارے لیے ریزیڈینسی کا گیٹ کھول دیا اور بڑی محبت سے ایک ایک کمرہ کھول کر

بابائے قوم کے زیرِ استعمال اشیاء کی زیارت کروائی۔ رخصت کرتے وقت بھی بچے، بوڑھے اور جوان بڑی محبت و عقیدت سے ملتے اور اپنے پیار بھرے انداز میں ہمارا شکریہ ادا کرتے۔ اس سفر سے اندازہ ہوا کہ بلوچستان کے لوگ بہت سادہ، راسخ العقیدہ مسلمان، اپنی روایات پر جان دینے والے، مہمان نواز اور محبت کرنے والے لوگ ہیں۔

بلوچستان کے زلزلہ زدگان کس حال میں ہیں؟

29 اکتوبر 2008ء کو بلوچستان میں آنے والے ہول ناک زلزلے کے بعد دنیا اور پاکستان بھر کی سماجی بہبود کی تنظیمیں فوراً بلوچستان پہنچیں اور اپنے اپنے مسائل اور دائرۂ کار کے مطابق متاثرین کی خدمت میں جُت گئیں۔ کسٹمز ہیلتھ کیئر سوسائٹی کی ٹیم بھی ضروری ساز و سامان اور ادویات کے وافر ذخیرہ کے ساتھ زلزلے کے بعد تیسرے دن لاہور سے زیارت پہنچی اور علاج و خدمت کے سلسلے میں متاثرین کی 15 دن تک خوب خدمت کی۔ ایک ہفتے بعد دوسری ٹیم آئی جس نے گرم کپڑے، ادویات اور بچوں میں تحائف یہاں آ کر تقسیم کیے۔ 29 اکتوبر 2008ء کو ایک مہینہ گزرنے کو ہے۔ عیدالاضحیٰ کی آمد آمد ہے۔ اسی تناظر میں پروگرام یہی بنا کہ عید سے پہلے ایک چکر لگا لیا جائے تاکہ زلزلہ زدگان کی موجودہ کیفیت کا درست اندازہ ہو جائے اور یہ بھی پتہ چل جائے کہ ان کی بحالی کے سلسلے میں کیا پیش رفت ہوئی ہے۔ پھر عیدالاضحیٰ کی مناسبت سے بچے، بچیوں کے لیے خصوصی تحائف بنوائے۔ بچوں کے لیے نئی جرابوں اور جیکٹوں کا بندوبست کیا۔ حسبِ عادت جمعرات شام روانگی سے پہلے جانے والے ساتھی کسٹمز کالونی جمع ہوئے۔ ریلیف کا سامان تیار کر کے پہلے ہی ایئرپورٹ روانہ کر دیا تھا جو پی آئی اے کارگو کے ذریعے کوئٹہ پہنچا تھا۔ پی آئی اے نے اس سلسلے میں زبردست کام یہ کیا کہ تمام امدادی سامان بالکل مفت کوئٹہ بھجوانے کا بندوبست کیا ہے۔ اس سلسلے میں پی آئی اے کے تمام لوگ اور ایم ڈی کیپٹن اعجاز ہمارے شکریہ کے مستحق ہیں۔ ارشد، کاشف، محمد اشفاق پر مشتمل قافلہ دعاؤں کے ساتھ روانہ ہوا۔ چھوٹے حافظ محمد حذیفہ نے دعاؤں کے ساتھ رخصت کیا تاکہ خیر و عافیت سے سفر ہو اور اللہ اپنے بندوں کی زیادہ سے زیادہ خدمت کی توفیق دے۔ کوئٹہ میں ان دنوں سردی کی شدید لہر آئی ہوئی ہے جو ہم لوگوں کے لیے تقریباً ناقابلِ برداشت ہے۔ 26 گھنٹہ کا تھکا دینے والا سفر کر کے ٹیم کوئٹہ پہنچی۔ ریلوے سٹیشن سے کوئٹہ کسٹمز کے غازی خان اور پی آر او شفیق صاحب نے ریسیو کیا۔ اگلے دن راقم بھی پہنچ گیا۔ ایئرپورٹ پر سہیل افضل کلکٹر کسٹمز اور محمد اکرم چودھری صاحب کی بھیجی ہوئی گاڑیاں موجود تھیں جن میں اشفاق نے سامان پہلے ہی لوڈ کر لیا تھا تاکہ ٹائم کی بچت ہو اور جلدی سے زیارت جا کر کام شروع کیا جا سکے۔ ایئرپورٹ پر ہی اظہر افتخار صاحب کا فون آ گیا کہ انھوں نے رقم آن لائن بھجوا دی ہے۔ غازی خان نے اپنے دوست سے پہلے ہی نقدی لے لی

تا کہ اسے غریبوں میں تقسیم کیا جا سکے۔ اس دفعہ کاوش ویلفیئر ٹرسٹ نے ہمارے ساتھ خوب تعاون کیا۔ جیکٹوں، جرابوں اور غریبوں میں بانٹنے کے لیے رقم مہیا کی۔ سیّد محبوب علی صاحب اور ان کے نوجوان اور پُرعزم بیٹے سید ریحان علی نے ادویات اور دوسرے اخراجات کے لیے تعاون کیا۔ ایئر پورٹ سے سیدھے کلکٹر کسٹمز کوئٹہ سہیل افضل صاحب کے پاس پہنچے۔ ان کے تعاون کا شکریہ ادا کیا۔ چائے پینے کے فوراً بعد زیارت کے لیے روانہ ہو گئے تا کہ وقت کی بچت ہو سکے اور زیادہ سے زیادہ کام کیا جا سکے۔ کلکٹریٹ آف کسٹمز کوئٹہ کی گاڑی میں سارا سامان لوڈ ہو گیا تھا جبکہ ڈائریکٹریٹ آف کسٹمز انٹیلی جنس کی گاڑی میں ادویات وغیرہ رکھی گئیں۔ قافلہ زیارت کی طرف روانہ ہوا۔ کوئٹہ سے زیارت تک سڑک بڑی کھلی اور صاف ہے۔ کہیں کہیں پہاڑوں کے بیچ میں بل کھاتی ہوئی جاتی ہے۔ غازی خاں بتا رہے تھے کہ رات کے وقت اس سڑک سے سفر کرنا خطرناک ہوتا ہے۔ کان بنگلہ کے ڈاکٹر منظور پہلے ہی ہمارے منظورِ نظر بن چکے تھے۔ ان کے علاقے میں پہنچے۔ اس کلی کے بچے، بوڑھے، بچیاں ہمیں دیکھ کر پھولے نہ سمائے اور فوراً ڈاکٹر صاحب ڈاکٹر صاحب کہہ کر خوش آمدید کہنے لگے کیوں کہ چند ہفتے پہلے ہی تو ان کے پاس آئے تھے اور ان کے دکھ درد دور کرنے کی کوشش کی تھی۔ بچے بچیوں کو تحائف کا پتہ چلا تو سب جمع ہو گئے۔ ارشد نے بچیوں میں تحائف اور غازی خاں، نعمت بھٹی اور پرویز نے جیکٹوں اور جرابوں کی تقسیم شروع کر دی۔ چھوٹی چھوٹی پیاری بچیاں پونیوں، کلپس، انگوٹھیوں اور ہاروں کے تحائف لے کر خوشی سے پھولے نہیں سما رہی تھیں۔ بچوں میں ٹافیاں تقسیم کیں۔ ذرا سی دیر میں ڈاکٹر منظور بھی آ گئے اور یہاں کے حالات کے بارے میں آگاہ کیا۔ پچھلے دورے میں ڈاکٹر منظور کو ادویات کا وافر ذخیرہ دے کر گئے تھے اور ان سے وعدہ لیا تھا کہ یہ ادویات ضرورت مندوں میں مفت تقسیم کی جائیں گی۔ ڈاکٹر منظور نے توقع سے بڑھ کر ذمہ داری اور فرض شناسی کا مظاہرہ کیا۔ ساری دوائیاں اکٹھی کیں فہرست بنائی اور اپنے سرکاری مرکزِ صحت پہنچا دیں۔ اپنے ای ڈی او (EDO) کو بھی مطلع کر دیا اور ایک نقل ہمیں بھی دے دی۔ ڈاکٹر منظور مکانوں کے سروے کے بارے میں متفکر تھے۔ انھوں نے کہا کہ سروے صحیح نہیں ہوا۔ ان کی جگہ پر 24 خاندان رہتے تھے۔ ان سب کے گھر مکمل طور پر تباہ ہو گئے لیکن سروے کے دوران صرف آٹھ خاندانوں کو ساڑھے تین لاکھ کے چیک ملے اور باقیوں کو کچھ نہ ملا۔ اس طرح 24 خاندانوں میں صرف آٹھ اپنے گھر کسی حد تک بنانے کے قابل ہوں گے۔ یہ سن کر خوشی ہوئی کہ زلزلہ زدہ علاقوں میں لوگوں کو رقوم کی ادائیگی ہونا شروع ہو گئی ہے۔ کشمیر اور سرحد میں لوگوں کو ایک سال تک صرف 25 ہزار پر ٹرخایا گیا پھر دوسری قسط ملی۔ شرائط رکھی گئیں اور پھر کہیں جا کر تیسری قسط کی باری آئی۔ اب تین سال گزرنے کے بعد بھی کئی لوگوں کو پوری رقم نہیں ملی۔ کل رقم وہاں ایک لاکھ 75 ہزار سے دو لاکھ تھی جب کہ یہاں ساڑھے تین لاکھ روپے اے کیٹیگری والے گھروں کو دیا جا

رہا ہے۔ A اور B میں وہ گھر آتے ہیں جو مکمل طور پر تباہ ہوئے یا وہاں اموات ہوئیں۔ C اور D کیٹیگری والوں کو 50 ہزار سے 15 ہزار دیا گیا۔ کئی لوگ احتجاج کر رہے تھے کہ ان کے گھر مکمل تباہ ہونے کے باوجود انھیں صرف 50 ہزار روپے ملے ہیں۔ ڈاکٹر منظور سے تفصیلی ملاقات ہوئی انھوں نے بتایا کہ ہماری ادویات سے انھوں نے کان بنگلہ میں سینکڑوں مریضوں کا علاج کیا۔ یہاں بھی جیکٹیں، جرابیں تقسیم کیں۔ ڈاکٹر منظور کچھ بیواؤں اور انتہائی غریب لوگوں کے گھر لے گئے جن کی مالی مدد کی۔ ان میں ایک بیوہ بوڑھی عورت بھی تھی جس کے تین بچے 29 اکتوبر کے زلزلے میں شہید ہوئے۔ ڈاکٹر منظور کا کڑ اجازت لے کر رخصت کے وقت کہنے لگے کہ اس زلزلے کے بعد آپ لوگوں نے میری زندگی کا نقطۂ نظر ہی بدل دیا ہے۔ اب مجھے پتہ چلا ہے کہ خدمتِ خلق کیا چیز ہے۔

''سوئی ہوئی حسینہ'' اور کالا چینا:

کوئٹہ سے گزرتے ہوئے مغرب میں چلتن کا پہاڑ ہے۔ جس کی سب سے اونچی چوٹی گیارہ ہزار فٹ بلند ہے۔ اس پہاڑ کو ''سوئی ہوئی حسینہ'' کا نام دیا جاتا ہے۔ چاندنی رات ہو اور اس پہاڑ پر برف پڑی ہوئی ہو تو اس پر واقعی ''سلیپنگ بیوٹی'' (Sleepign Beauty) کا گمان ہوتا ہے اور یہ دل فریب منظر دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کو دیکھ کر آدمی پر عجیب قسم کی رومانوی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ اس کا سویا رہنا ہی اچھا ہے۔ اس کی ذرا سی انگڑائی ہزاروں اموات کا باعث بن سکتی ہے۔ کوئٹہ کے مشرق میں کوہِ مردار ہے جو دس ہزار فٹ سے زیادہ بلند ہے۔ کوئٹہ کے پہاڑوں سے گزرتے کچلاک کو عبور کر کے کچھ کے قریب پہنچے تو زلزلہ کی تباہ کاریاں نظر آنا شروع ہو گئیں۔ اکثر سڑک کے کنارے چھوٹے چھوٹے کچے گھر ہیں۔ سڑک کے دونوں کناروں پر کسی جگہ دس گھر ہیں کسی جگہ بیس، یہ سب کچی دیواروں والے اور گھاس پھوس اور سرکنڈوں کی چھت والے کچے گھروندے ہیں۔ کچھ کے قریب سے گزرتے ہوئے ایک چھوٹی سی ''کلی''، جہاں دس سے پندرہ گھر تھے، کی طرف گاڑی موڑی کہ کام کی ابتدا ادھر سے کرتے ہیں۔ جوں ہی گاڑیاں قریب پہنچیں۔ بچے بچیاں اکٹھی ہو گئیں۔ اس دفعہ بچیوں کے لیے بالخصوص عید کی مناسبت سے بڑی محنت سے آمنہ، ارم، سمیعہ نے پونیوں، ہینڈ کلپ اور انگوٹھیوں کے تحائف پیک بنائے تھے جن میں کچھ نقدی بھی رکھ دی تھی۔ مکینوں نے خوش آمدید کہا۔ ایک خیمے میں راقم کو اپنے ساز و سامان کے ساتھ بیٹھنے کی اجازت مل گئی۔ مریض آنا شروع ہو گئے۔ سب سے پہلے بابا عبدالمنان کو دیکھا جو کئی سالوں سے صاحب فراش اور چلنے پھرنے سے قاصر تھا۔ چیک اپ کر کے دوائیں دیں اور کچھ مالی مدد بھی کی جس سے بزرگ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور اس نے آنسوؤں کے ساتھ

دعا دی۔ اس کیمپ میں بچیاں اور عورتیں بھی آئیں۔ عورتیں سر سے پاؤں تک چادر میں لپٹی ہوئیں تھیں۔ بچیاں خوب صورت تحفے لے کر بہت خوش تھیں۔ وہ اپنی چھوٹی چھوٹی بہنوں کو بھی لا رہی تھیں۔ کالا چینا کچھ کی اس کلی کے اور لوگ بھی علاج کے لیے آئے۔ جن کو چیک اپ کر کے دوائیں دی گئیں۔ کالا چینا کچھ سے فارغ ہو کر آگے کی طرف روانہ ہوئے۔ کچھ سے زیارت تک کا علاقہ سب سے زیادہ متاثرہ علاقہ ہے۔ اس میں شدید متاثرہ علاقے وام، کواس، ورچوم، کان بنگلہ آتے ہیں۔ ان تمام علاقوں میں جانی نقصان کے علاوہ کچے پکے تمام مکانات تباہ و برباد ہو گئے اور اس یخ بستہ سردی میں جہاں ٹمپریچر اب نقطۂ انجماد سے گر چکا ہے اکثر مکین خیموں میں زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔

ٹول زان دردکئ:

ایک مہینے بعد یہاں آنے سے اندازہ ہو رہا ہے کہ حالات اب پہلے سے بہت بہتر ہیں۔ وام، ورچوم، کواس کے علاقوں میں مختلف تنظیموں ''مسلم ہینڈز'' جماعت الدعوہ اور کچھ غیر ملکی تنظیموں کے تعاون سے شیلٹرز ہوم بنائے گئے ہیں۔ شیلٹرز ہوم کی تعمیر کے سلسلے میں برادر ملک ترکی اس دفعہ بھی بازی لے گیا۔ وام میں ترکی کے دوستوں نے شیلٹرز کی ایک خوب صورت وادی بنا دی ہے۔ یہ گھر دور سے بڑے خوب صورت لگتے ہیں جب کہ اندر ہر قسم کی سہولت موجود ہے۔ جہاں شیلٹرز نہیں ہیں وہاں روٹری والوں نے سردی کے لحاظ سے بڑے خیمے مہیا کیے ہیں۔ انگلینڈ سے کوئی برطانوی یہاں ایک کمرے کے بیس گھر تیار کروا رہا تھا۔ شیلٹرز دیکھ کر طبیعت خوش ہوئی۔ کان بنگلہ سے ہوتے ہوئے ورچوم پہنچے۔ کان بنگلہ کی طرح ''ورچوم'' بھی زلزلے سے سب سے متاثرہ علاقہ ہے۔ یہاں بھی خاصی تعداد میں شیلٹرز نظر آئے۔ کلی بابوگل محمد ورچوم میں ڈاکٹر محمد دین اور بابوگل محمد صاحب نے استقبال کیا۔ یہاں کے لوگ بھی خاصے شناسا نظر آئے۔ کیوں کہ دوسرے سفر کے دوران ارشد اور فرقان دانش یہاں آئے تھے اور سویٹر، جرسیاں وغیرہ تقسیم کی تھیں۔ ایک خیمے میں بٹھایا گیا۔ جہاں ہیٹر چل رہا تھا جس کی وجہ سے سردی بالکل نہ لگی۔ یہاں بھی مریض آنا شروع ہو گئے۔ مریضوں کا چیک اپ شروع ہو گیا۔ کاشف جو ہمارے ساتھ پہلی دفعہ آیا تھا پرچیاں بناتا رہا اور اشفاق نے اپنی گاڑی میں ڈسپنسری سجالی۔ نعمت بھٹی اشفاق کا ترجمان تھا اور حسبِ سابق غازی خان میرے ترجمان، اگرچہ ان علاقوں میں کام کرتے ہوئے پشتو کے کچھ الفاظ سے شناسائی ہوئی مثلاً کھانسی کے لیے ''ٹوخے'' بخار کے لیے ''طبع'' پیٹ کے لیے ''خیٹہ'' بدن میں درد کے لیے ''ٹول زان دردکئ'' مگر پھر بھی ترجمان کے بغیر کام نہیں چلتا۔ جب پشتو کا کوئی لفظ بولنے کی کوشش کرتے تو بچے ہمارے غلط تلفظ سے خوب محظوظ ہوتے۔ ورچوم میں مریض دیکھنے کے دوران

ہی عصر اور مغرب کی نمازیں اس خیمے میں ادا کیں۔

ورچوم میں ''لاندی'' کی دعوت:

ورچوم میں مریض دیکھ ہی رہے تھے کہ گرم گرم کھانے کی خوش گوار خوش بو نے اشتہا اور بڑھا دی کیوں کہ صبح سے ناشتے پر ہی گزارا تھا۔ یہاں کی مشہور ڈش ''لاندی''، جو چھوٹی چھوٹی بوٹیوں پر مشتمل تھی، لائی گئی۔ یہ کھانے میں بے حد لذیذ تھی۔ میرے دیرینہ ساتھی قیصرانی صاحب جانے سے پہلے بار بار کہتے تھے کہ ''لاندی ضرور کھانا بلکہ میرے لیے بھی لانا۔'' ''لاندی'' بھی عجیب ڈش ہے۔ کھاتے ہی جسم میں حرارت پیدا ہونے کے ساتھ تھکن دور ہو جاتی ہے۔ حاجی گل محمد، جو ریٹائرڈ زرعی اہل کار ہے، نے بتایا کہ لاندی کے لیے وہ ایک موٹا تازہ دنبہ لیتے ہیں۔ اسے دو چار ماہ خوب کھلاتے پلاتے ہیں۔ پھر اسے نومبر کے قریب ذبح کرتے ہیں۔ پیٹ چاک کر کے اس کی ساری آلائشیں نکال کر پیٹ کو دوبارہ سی دیتے ہیں۔ کھال کے سارے بال اتارتے ہیں۔ جو بال رہ جائیں ان کو جلا دیتے ہیں۔ اس کے بعد تیز گرم پانی میں ڈال کر صاف کرتے ہیں۔ پیٹ کھولتے ہیں۔ بڑی ہڈیاں نکال لیتے ہیں اور دنبے پر جگہ جگہ کٹ لگا کر اس کو سپیشل قسم کے نمک، مرچ، کالی مرچ، اجوائن، ادرک، لہسن کے مصالحے سے بھرتے ہیں اور اس کو سلاخ میں لگا کر سوکھنے کے لیے لٹکا دیتے ہیں اور بوقتِ ضرورت اسے سالن میں پکا کر چاولوں میں ڈال کر یا پھر روسٹ کر کے کھاتے ہیں۔ لاندی کھا کر لطف آ گیا اور سردی ہوا ہو گئی۔ ورچوم کے ڈاکٹر محمد دین ڈی وی ایم (DVM) ڈاکٹر ہیں، انھوں نے فیصل آباد سے ڈگری لی۔ ان کے ساتھ خاصی گپ شپ رہی۔ وہ بھی سروے سے نالاں تھے۔ وہ بتا رہے تھے کہ ہماری ''کلی'' میں چوبیس خاندان رہتے تھے جب کہ سروے کے دوران صرف 8 خاندانوں کو متاثرہ خاندانوں کی A اور B کیٹگری میں شامل کیا گیا اور ساڑھے تین لاکھ فی کس کے حساب سے مدد کی گئی۔ انھوں نے مطالبہ کیا کہ ہمارے علاقے کا دوبارہ سروے کیا جائے اور فی خاندان کے حساب سے ہماری مدد کی جائی۔ ورچوم میں مریضوں سے فارغ ہو کر بچے بچیوں میں عید تحائف اور بڑوں میں جیکٹیں اور جرابیں تقسیم کیں۔ شام کے سائے گہرے ہو رہے تھے اور ساتھ ہی سردی میں بھی اضافہ ہو رہا تھا۔ اگرچہ لاندی نے کافی حرارت پیدا کر دی تھی لیکن پھر بھی سردی سے دانت بجنا شروع ہو گئے۔

سردی سے بے نیاز بچے بچیاں:

ابھی ایک اور جگہ کیمپ لگانا تھا جہاں کے لوگ ہمارے منتظر تھے۔ قافلہ زیارت کی طرف روانہ ہوا۔ مرکزی سڑک سے اندر کی طرف جاتے ہوئے زیارت سے 2-3 کلومیٹر کے فاصلے پر چوہترہ یونین کونسل ہے۔

جس کی ''کلی سپرگٹ'' پہنچے۔ ''کلی سپرگٹ'' ہمارے ساتھی ''غازی خان'' کا مسکن ہے۔ وہ اپنی بڑی فیملی کے ساتھ یہاں مقیم تھے لیکن زلزلے نے ان کے گھر بالکل تباہ کر دیئے اور وہ اب رہنے کے بالکل قابل نہیں۔ رات گئے یہاں پہنچے۔ ایک خیمہ جس کے اندر ہیٹر لگا ہوا تھا ہمارے کیمپ کے لیے پہلے ہی مختص تھا۔ ساتھیوں نے باہر ہی گاڑی میں ڈسپنسری سجالی۔ مریض آنا شروع ہو گئے۔ بچے بوڑھے، جوان، عورتیں یہاں سب آئے۔ کمرے میں ہیٹر کی وجہ سے سردی محسوس نہیں ہو رہی تھی مگر عجیب بات ہے کہ سردی کی اس شدت میں رات کے وقت جو بچے، بوڑھے، جوان چیک اپ کے لیے آئے وہ زیادہ تر پتلی قمیض شلوار میں ملبوس تھے اور اکثر پاؤں سے ننگے۔ اللہ تعالیٰ نے ان بچوں اور بوڑھوں میں عجیب قسم کی قوتِ مدافعت پیدا کی ہوئی ہے۔ ہمارے بچے قسم قسم کی جیکٹوں میں ملبوس لاہور کی ہلکی سی سردی مشکل سے برداشت کرتے ہیں۔ اس ''کلی'' میں 30 سے زیادہ گھر بالکل مسمار ہو گئے اور یہاں بھی سروے کے دوران زیادتی ہوئی اور ان لوگوں میں سے صرف چند کو C-D کیٹگری میں ڈال کر صرف 15 ہزار سے 50 ہزار کی امداد دی گئی۔ یہاں مریض دیکھ کر جیکٹیں اور جرابوں کی تقسیم اور بچوں میں تحائف تقسیم کر کے غازی خان کے ریسٹ ہاؤس پہنچے۔ شدید سردی تھی۔ پانی کو ہاتھ لگاتے ہی ہاتھ سن ہو جاتا تھا۔ سب ساتھی فوراً ہیٹر والے کمروں میں گھس گئے۔ گرم گرم کھانا اور چائے آ گئی۔ کھانا کھا کر سب بستروں پر دراز ہو گئے۔ کمرے میں ہیٹر چلنے کے باوجود اور چمڑے کی جیکٹ پہننے کے باوجود سردی سے جسم کانپتا رہا اور بڑی مشکل سے نیند آئی۔ صبح تہجد کے وقت آنکھ کھل گئی۔ نماز ادا کر کے ملک کی سلامتی اور اندرونی اور بیرونی خطرات سے بچاؤ اور خاص طور پر ممبئی کی صورتِ حال کے تناظر میں خیر و عافیت کی دعائیں مانگیں۔ پچھلی وزٹ میں مصروفیت کی وجہ سے زیارت کے بزرگ، جن کے نام پر زیارت ہے، کے مزار پر حاضری نہیں دے سکے تھے اس لیے صبح سویرے ادھر جانے کا ارادہ بنایا۔

صاحبِ خیر بابا خرواریؒ کے مزار پر علاج اور خدمت:

''بابا خرواریؒ کا نام ملّا طاہر ہے۔ آپ نانا صاحب میاں عبدالحکیمؒ کے فرماں بردار شاگردوں میں سے ایک تھے۔ ایک مرتبہ نانا صاحب زیارت غوسکی تشریف لائے۔ آپ کے ہاں مہمان ٹھہرے۔ رات کو نانا صاحب عبادت میں مصروف رہے تو آپ کو پیاس لگی۔ آپ نے ملا طاہر سے پانی مانگا آپ پانی کا کٹورہ لے کر نانا صاحب کے پاس آئے۔ استاد کو عبادت میں مشغول پا کر آپ نے دینا مناسب نہ سمجھا۔ آخر جب نانا صاحب عبادت سے فارغ ہوئے تو آپ نے ملا طاہر سے پانی لیا۔ سخت سردی کی وجہ پانی کا کٹورہ ہاتھ میں پکڑے رہنے کے باعث ہاتھ سن ہو گیا اور اس کی چمڑی اتر گئی۔ اس پر نانا صاحب نے آپ کو خرواری یعنی

بڑے پیمانے یا گنج کا خطاب عطا فرمایا۔ آپ کو بزرگی خروارے یا بڑے پیمانے کے حساب سے دے دی گئی جب کہ زیارت کا پرانا نام غوسکی ہے، آپ کے مزار کی وجہ سے زیارت کا نام زیارت پڑ گیا۔ زیارت پشتو میں مزار کو کہتے ہیں۔''

باباخرواریؒ کے مزار پر یہ تحریر پڑھ کر آج نقطۂ انجماد سے کم درجۂ حرارت میں کام کرتے ہوئے اندازہ ہوا کہ سخت سردی میں بدن کے کھلے حصوں کا کیا حشر ہوتا ہے۔ سردی ہے کہ جسم میں سرایت کرتی جا رہی ہے۔ اکثر جگہوں پر پانی برف کی مانند منجمد نظر آتا ہے۔ صبح سویرے ناشتے سے فارغ ہو کر باباخرواریؒ کے مزار کی طرف روانہ ہوئے۔ باباخرواریؒ کا مزار شہر سے چند کلومیٹر دور ہے۔ سڑک سانپ کی طرح بل کھاتی پہاڑوں کے درمیان سے گزرتی ہے۔ اس کے ذریعے باباخرواریؒ کے مزار پر پہنچے۔ باباجی بہت معروف بزرگ ہیں۔ بالکل سادہ سا مزار، نہ کوئی گنبد اور نہ پنجاب کے مزاروں کی طرح نقش و نگار اور کتبے، سادہ سی قبر اور اندر داخل ہوتے ہوئے بورڈ پر لکھا تھا کہ نہ قبر کا طواف کریں نہ سجدہ۔ مزار کی عمارت اور ساتھ کی ملحقہ مسجد علاقے کی زیوں حالی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ فاتحہ خوانی سے فارغ ہو کر باباجی کے مزار سے تھوڑا آگے ''گلی درم غنڈی'' میں سب سے پہلے کیمپ لگایا۔ کیمپ کی اطلاع ملتے ہی بچے، بوڑھے، جوان بشمول عورتیں ہمارے اردگرد اکٹھے ہو گئے۔ بچوں میں تحائف کی تقسیم شروع ہو گئی۔ ارشد نے جیکٹیں اور جرابوں کی تقسیم کا آغاز کرا دیا۔ پیٹ درد، گردوں میں درد، معدہ میں جلن، خارش، زکام، کھانسی، چھاتی کا انفیکشن، دمہ، جسم درد کی تکالیف کے ساتھ مریض آنا شروع ہوئے اور بیماری کے مطابق انھیں دوائیں دی جاتی رہیں۔ ہم سب لوگ چمڑے کی جیکٹیں، کوٹ، ٹوپی وغیرہ میں ملبوس سردی سے ٹھٹھر رہے تھے جب کہ یہاں کے معصوم بچے صرف قمیض میں ملبوس سردی سے بے نیاز گھوم رہے تھے۔ ان کے لیے خاص طور پر مچھلی کے تیل کے کیپسول اور وٹامن سی کی گولیوں کے پیکٹس لے کر گئے تھے جنھیں لے کر بچے بڑے خوش ہو رہے تھے۔ یہاں کے بیشتر گھر 29 اکتوبر 2008ء کے زلزلہ میں منہدم ہوئے یا ان میں دراڑیں پڑ گئیں۔ غرضیکہ تمام مکان اب رہنے کے قابل نہیں رہے۔ اس علاقے کے زیادہ تر مکینوں کو سروے کے مطابق ساڑھے تین لاکھ اور 50 ہزار کی رقوم کے چیک مل چکے تھے اور اس بارے میں انھیں مطمئن پایا۔ اُدھر سے فارغ ہو کر پہاڑوں سے اوپر ایک اور کلی میں گئے جہاں کوئی ذی روح نہ نظر آیا۔ ٹوٹے پھوٹے گھر تھے مگر مکین کوئی نہ تھا۔ غازی خان نے بتایا کہ یہ لوگ یہاں سے چلے گئے ہیں۔ ان علاقوں کے لوگ نومبر کے آخر میں ہر سال یہاں سے شفٹ ہو جاتے ہیں کیوں کہ سخت سردی اور اس پر برف باری برداشت کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ یہ لوگ دسمبر سے مارچ تک ہرنائی یا سبی میں رہتے ہیں اور 15 اپریل تک واپس آتے ہیں۔ اس علاقے کا نام تھا ٹھنڈے کا ریز یا سڑخزئی تھا۔ آوازیں دینے پر ایک شخص عبداللطیف باہر آیا اور اس نے بتایا کہ چار یا پانچ روز پہلے یہاں کے سب مکین جا چکے ہیں۔ اس کے گھرانے

کے تمام افراد کا چیک اپ کیا، دوائیں دیں۔ تحائف اور جیکٹیں حوالے کیں اور آگے روانہ ہو گئے۔ تھوڑا سا آگے زریزی نام کا علاقہ تھا جو پہلے سے بھی زیادہ ٹھنڈا تھا۔ یہاں کے سب مکین ہجرت کر چکے تھے۔ اب نیچے کی طرف روانہ ہوئے۔ گاڑیاں خود بخود قائدِ اعظم ریزیڈینسی کے سامنے رک گئیں۔ ایک دفعہ پھر بابائے قوم کی آخری آرام گاہ کی زیارت کی۔ بابائے قوم کے زیرِ استعمال اشیاء کو دیکھا ایک دفعہ پھر دل سے دعا نکلی کہ یا اللہ قائدِ اعظم کے بنائے ہوئے پیارے وطن کو سلامت رکھ اور اس کو تمام اندرونی بیرونی خطرات سے بچائے رکھ۔ ریزیڈینسی کے وسیع و عریض لان میں بیٹھ کر دوپہر کا کھانا کھایا اور مزید کام کے لیے آگے روانہ ہوئے۔

''چینا اور منا میں سڑک کے کنارے طبی و فلاحی کیمپ'':

زیارت سے چند کلومیٹر کے فاصلے پر چینا میں پچھلی دفعہ کیمپ لگایا تھا۔ یہاں کی میٹھی گرم روٹیوں کا تذکرہ ہو چکا ہے۔ پہلے کیمپ چینا غربی میں لگایا تھا اب چینا شرقی میں کیمپ لگانے کا ارادہ کیا۔ علاقے کے سارے گھر شکستہ تھے اس لیے سڑک کے کنارے گاڑیاں کھڑی کر کے شکستہ گھروں کے ملبے پر بیٹھ کر کام کا آغاز کر دیا۔ فوراً ہی ایک گھر سے چٹائیاں اور گاؤ تکیے آ گئے۔ یہاں کئی شناسا چہرے نظر آئے۔ جلد ہی بچے بوڑھے، جوان، بچیاں اور چند عورتیں کیمپ کے قریب اکٹھی ہو گئیں۔ جب بچے بچیوں کو عید تحائف کا پتہ چلا تو انھوں نے ایک ہجوم کی صورت میں ہمارے کیمپ پر دھاوا بول دیا۔ ارشد سب کو اکٹھا کر کے ایک طرف لے گیا اور تحائف کے ساتھ بچوں میں جرابیں اور بڑوں میں جیکٹیں تقسیم کرنا شروع کر دیں۔ کیمپ میں مریض بھی کثیر تعداد میں آنے لگے۔ سینکڑوں مریضوں کو چیک کیا۔ اشفاق نے بڑی ہمت سے سب کو فرداً فرداً ادویات دیں۔ یہاں بھی زیادہ تر مریض سر درد، جسم درد، گلے میں درد، معدے میں درد، جلن، سانس اکھڑنا، کمر میں درد اور زیادہ تر بچے نزلہ، زکام، کھانسی یا چھاتی کے انفیکشن کے ساتھ آئے۔ سب کو چیک کیا، ادویات دیں۔ چینا میں اگرچہ جانی نقصان کم ہوا لیکن اکثر مکانات منہدم ہو گئے۔ جو گرے نہیں وہ دراڑوں کی وجہ سے رہنے کے قابل نہیں رہے۔ یہاں بھی سروے کے بارے میں خاصی شکایات تھیں۔ اکثر متاثرین کو سی، ڈی کیٹیگری میں رکھنے کی وجہ سے کم معاوضہ ملا مگر بعض لوگ اپنے تعلقات کی وجہ سے کم نقصان ہونے کی وجہ سے معاوضے کی زیادہ رقم لے گئے۔ چینا غربی کے نور محمد نے بتایا کہ ایسے بھی ہوا ایک شخص نے اپنے بیٹوں، بھائیوں اور دامادوں کے نام پر 50 لاکھ سے زیادہ معاوضہ لیا اور بعض ایسے خاندان، جن میں شادی شدہ خاندانوں کی تعداد 8 سے 10 تھی، ان کو صرف ساڑھے تین لاکھ روپے معاوضہ دیا گیا۔ کچھ لوگ یہ بھی بتا رہے تھے کہ بعض لوگوں نے دو تین سال پہلے فوت ہوئے عزیز و اقارب کے نام پر معاوضہ لے لیا۔ چینا سے فارغ ہو کر آگے جانے کا ارادہ بنایا۔ لاہور سے دیرینہ ساتھی قیصرانی صاحب نے کہا تھا کہ ہو سکے تو ''منا'' کا ضرور چکر لگائیں۔ ''منا'' زندرہ سے شمال کی

طرف 10 کلومیٹر اندر کی طرف پہاڑوں میں گھرا چھوٹا سا گاؤں ہے۔ جوں جوں شام کے سائے گہرے ہو رہے تھے سردی کی شدت میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا جس کی وجہ سے ہاتھ پاؤں سن ہوئے جا رہے تھے۔ ''منا'' پہنچ کر ٹھنڈی فضاؤں اور یخ بستہ ہواؤں اور ہڈیوں میں گھستی سردی کے ساتھ ایک بڑے پتھر پر بیٹھ کر مریضوں کو دیکھنا شروع کیا۔ یہاں غربت کچھ زیادہ ہی تھی اور گھر بھی کافی دور دور تھے اس لیے کھلے آسمان تلے پتھروں پر بیٹھ کر مریضوں کو چیک کرنا پڑا۔ اگرچہ سردی لگ رہی تھی لیکن اس بات پر اللہ کا شکر ادا کر رہے تھے کہ اس نے اتنی دور آ کر اپنے بندوں کی خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ سردی ضرور لگی مگر جو مزا اس یخ بستہ پتھر پر بیٹھ کر مریض چیک کر کے آیا اس کی لذت تا دیر قائم رہے گی۔ یہاں آنے والے تمام مریضوں کو دیکھا۔ دوائیں دیں اور فارغ ہو کر تھوڑا سا آگے ''کلی گورستین منا'' آئے۔ یہاں برف جیسے ٹھنڈے پانی سے وضو کر کے عصر کی نماز پڑھی۔ سخت سردی میں چھوٹے چھوٹے معصوم بچے پتلے سے شلوار قمیض میں ملبوس پھر رہے تھے۔ بچے بچیاں بہت خوب صورت تھے مگر پانی کی کمی کی وجہ سے مہینوں نہانے کی نوبت نہ آتی تھی۔ اس کی وجہ سے اکثر بچوں کے جسم پر میل کی تہیں جمی نظر آئیں۔

چالیس دن کا قیدی:

یہاں ایک عجیب صورتِ حال دیکھی۔ فیڈرل لیویز کا ''جاوید'' اپنے گھر کے اندر لے گیا۔ اس نے بتایا کہ اندر ایک فالج کا مریض ہے جسے کمرے کے اندر مقید کیا ہوا ہے۔ دروازے پر مختلف قسم کے تعویز لٹکے ہوئے تھے۔ باہر سردی کے باوجود اندر کا ماحول خاصا گرم تھا۔ کمرے میں سٹوو جل رہا تھا اور ایک شخص نماز پڑھ رہا تھا۔ وہ نماز سے فارغ ہوا تو دیکھتے ہی پتہ چل گیا کہ لقوہ کا مریض ہے۔ فیروز دین نے بتایا کہ 19 نومبر 2008ء سے اس کو یہ تکلیف شروع ہوئی ہے اور اس وقت سے اب تک اس کو اندر قید کر دیا گیا ہے۔ باہر نکلنے کی بالکل اجازت نہیں ہے اور روزانہ کمرے میں سٹوو اور ہیٹر جلا کر اس کے اوپر دو تین کمبل ڈال دیے جاتے ہیں جس سے وہ جلد ہی پسینہ میں شرابور ہو جاتا ہے، اس کے بعد اسے باہر نکلنے کا حکم ملتا ہے تو پھر وہ کپڑے تبدیل کرتا ہے۔ اسے کسی قسم کی دوائی کھانے کی اجازت نہیں اور نہ ہی کسی سے ملنے کی۔ فیروز دین پڑھا لکھا انسان اور سرکاری ملازم ہے۔ اس نے مجھ سے ہاتھ جوڑ کر درخواست کی کہ میری جان چھڑائیں اور میرے گھر والوں کو سمجھائیں کہ کسی طرح مجھے اس قید سے چھٹکارا مل جائے۔ اسے چیک کر کے ضروری دوائیں دیں اور گھر کے لوگوں کو سمجھانے کی کوشش کی اور بتایا کہ فیروز دین کو یہاں سے نکالیں کیوں کہ اس طرح کمرے میں بند رہنے سے دوسرے طبی مسائل پیدا ہو سکتے ہیں۔ فیروز کے والد اور بھائیوں کو اچھی طرح لقوے کی بیماری کے بارے میں بتایا مگر لگ رہا تھا کہ میری بات سے کوئی بھی متاثر نہیں ہوا اور فیروز دین کو

40 دن قید کاٹنا پڑے گی۔ غازی خان نے بتایا کہ ہم ''لقوے'' کا علاج ایسے ہی کرتے ہیں۔ گھر میں موجود دوسری خواتین اور بچیوں کا چیک اپ کیا جب کہ ارشد نے جیکٹس اور جرابیں بچے اور بچیوں میں تقسیم کیں۔

عیدِ قربان، بلوچستان کے زلزلہ زدگان کے ساتھ:

کاوش ویلفیئر ٹرسٹ کے عمار احمد ترین صاحب نے بلوچستان کے زلزلہ زدگان کے لیے قربانی کی اپیل کی ہوئی تھی۔ چند اور دوستوں سے بات ہوئی۔ غرضے کہ مشترکہ کوششوں سے اچھی خاصی رقم اکٹھی ہوگئی۔ ارادہ یہی تھا کہ رقم آن لائن بھجوا دی جائے۔ ساتھیوں سے تذکرہ ہوا۔ آپس میں مشورہ ہوا تو کسٹمز ہیلتھ کیئر سوسائٹی کے دو ساتھی (شاہد خان، محمد رفیق) بذاتِ خود بلوچستان جانے اور زلزلہ زدگان کے ساتھ عید منانے اور وہاں قربانی کرنے کے لیے تیار ہو گئے۔ کوئٹہ میں سردی کی شدت میں سخت اضافہ کے ساتھ درجۂ حرارت نقطۂ انجماد سے بھی کم ہو چکا تھا۔ بلوچستان میں قربانی کے لیے ساتھی جلد از جلد وہاں پہنچنے کے لیے پُرعزم تھے تاکہ جن مخیّر حضرات نے بلوچستان میں جا کر قربانی کرنے کے لیے رقم دی ہے، ان کے نام پر سنتِ ابراہیمیؑ ادا کر کے قربانی کا گوشت زلزلہ زدگان میں تقسیم کیا جائے۔ اللہ کے نام پر دی ہوئی رقم اور اس کو مستحقین تک پہنچانا بہت بڑی ذمہ داری ہے اور اس ذمہ داری کو بخیر و خوبی پورا کرنے کے لیے ہی جاں نثار ساتھیوں نے عیدِ قربان کی نسبت سے اپنے بال بچوں کو چھوڑ کر بلوچستان کے دور افتادہ علاقوں میں متاثرین زلزلہ کے ساتھ عیدالاضحیٰ منانے کا ارادہ کیا تھا تاکہ بلوچستان کے مصیبت زدہ بہن بھائیوں کی دل جوئی ہو اور وہ اس بات کو محسوس کر سکیں کہ اہالیانِ پنجاب کے دل ان کے ساتھ دھڑکتے ہیں۔ عیدِ قربان کی وجہ سے ٹرین کے ٹکٹوں کے حصول میں خاصی دشواری ہوئی۔ صرف سبی تک ٹکٹ مل سکی۔ سبی پہنچ کر کوئٹہ کے لیے بذریعہ بس سفر کیا اور کوئٹہ میں الذوالفقار ہوٹل میں قیام کیا۔ بذریعہ ٹیلی فون احباب سے رابطہ رہا۔ اگلے دن دوپہر کے وقت حقانی صاحب بھی پہنچ گئے۔ پروگرام یہی بنا کہ قربانی کے تمام جانور پشین سے خریدے جائیں گے اور وہیں قربانی ادا کی جائے گی۔ زیارت کی طرح پشین بھی 29 اکتوبر کے زلزلہ سے خاصا متاثر ہوا۔ اگرچہ یہاں اموات کم ہوئیں لیکن ہزاروں مکانات دراڑیں پڑنے کے باعث منہدم ہو گئے اور ان میں سے اکثر رہائش کے قابل نہیں رہے۔ جانی نقصان بہت کم ہونے کے باعث یہاں متاثرین کے لیے بہت کم امداد پہنچی کیوں کہ ملکی اور غیر ملکی غیر سرکاری تنظیموں اور زلزلہ زدگان کی مدد اور بحالی کے لیے کام کرنے والے زیادہ تر اداروں کا رخ زیارت میں وام، ورچوم اور کان بنگلہ تک رہا۔ ہمارے زیادہ سفر بھی زیارت تک محدود رہے۔ اس لیے بڑی خوشی ہوئی کہ ''پشین''، جو کوئٹہ سے 50 کلومیٹر کے فاصلے پر ہے، میں قربانی کرنے کا موقع مل رہا ہے۔ رات گئے پشین پہنچے جہاں محمود حقانی کے بھائی مولانا حاجی محمد کے گھر میں قیام کیا۔ مولانا صاحب نے ہاتھوں ہاتھ لیا اور جی بھر کے مہمان

نوازی کی۔ دن بھر جانور خریدنے میں گزرا تا کہ صبح سویرے عیدالاضحیٰ کی نماز پڑھنے کے بعد ان کو اللہ کے نام پر قربان کیا جا سکے۔ یہاں گائے وغیرہ مشکل سے ملتی ہیں۔ دو بیل آسانی سے مل گئے اس کے علاوہ 20 بکرے لیے۔ کاوش ویلفیئر ٹرسٹ نے فرداً فرداً قربانی کے لیے عطیات دینے والے حضرات کی رسیدیں بنا دی تھیں۔ عطیات کے مطابق جانوروں کی خریداری مکمل ہوگئی۔ صبح سویرے اٹھے۔ زندگی میں پہلی دفعہ عیدالاضحیٰ گھر سے دور منانے پر گھر کی یاد ضرور ستا رہی تھی۔ بچوں کا خیال آ رہا تھا لیکن یہ عید گھر سے دور ایک خاص مقصد کے لیے اللہ کے راستے میں اس کے بندوں کی دل جوئی کی خاطر گزاری جا رہی تھی، اس لیے تسلی تھی اور خوشی بھی محسوس ہو رہی تھی۔ ابھی نماز کے لیے جا ہی رہے تھے کہ زلزلے کے شدید جھٹکے محسوس ہوئے۔ اس زلزلے نے پورے علاقے کو ہلا کر رکھ دیا۔ عیدالاضحیٰ کی نماز سے فارغ ہو کر یہاں کے ساتھیوں سے گلے ملے۔ یہ عید ملنا بھی بڑا عجیب تھا۔ اجنبی لوگوں سے عید ملنا بڑی طمانیت کا باعث بنا۔ لا الہ الا اللہ کا رشتہ ایسا مضبوط رشتہ ہے جو رنگ و نسل اور جغرافیائی حدود و قیود کو مٹا دیتا ہے جب کہ یہ لوگ تو ہمارے اپنے اور بھائی ہیں۔ غرضے کہ یہاں عید منا کر بڑی خوشی ہو رہی تھی۔ مولانا حاجی محمد کے ساتھ واپسی ہوئی اور آتے ہی قربانی کا سلسلہ شروع ہوا۔ اجتماعی قربانی کا روح پرور منظر تھا۔ جانور اللہ کے راستے میں اس عزم کے ساتھ قربان کیے جا رہے تھے کہ اے اللہ ہم تیرے راستے میں اپنی جان و مال اور وقت ہر وقت قربان کرنے کے لیے تیار ہیں۔ یہی عیدالاضحیٰ کا سبق ہے اور یہی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ثابت کیا کہ اللہ کا جب حکم آ جائے تو مسلمان اپنی جان اور اپنی سب سے عزیز ترین چیز کی قربانی دینے کے لیے تیار ہوتا ہے۔ قربانی کا مقصد قربِ الٰہی اور اللہ کی رضا حاصل کرنا ہوتا ہے۔ قربانی انبیاءِ کرام علیہ السلام کی سنت ہے اور یہ ہر امت میں رائج رہی ہے۔ سب سے پہلے حضرت آدمؑ کے فرزند حضرت ہابیل نے ایک دنبہ اللہ کی راہ میں قربان کیا۔ حضرت ابراہیمؑ کو اپنے لختِ جگر حضرت اسماعیلؑ کی قربانی کا حکم ہوا۔ اس امتحانِ عظیم میں حضرت ابراہیمؑ کامیاب و کامران ہوئے۔ اس کامیابی کے بعد اللہ تعالیٰ نے بیٹے کے عوض دنبہ عطا فرمایا جسے قربان کیا گیا اور اپنے پیارے پیغمبر کی اس سنت ابراہیمیؑ کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے زندہ رکھنے کے لیے مسلمانوں کو عیدالاضحیٰ پر ہر سال قربانی کرنے کا حکم دیا۔ کثیر تعداد میں جانور ہونے کی وجہ سے قربانی میں خاصا وقت لگ گیا۔ شام کے وقت پھر زلزلے کے شدید جھٹکے محسوس ہوئے۔ قربانی کا گوشت پیک کر کے مولانا حاجی محمد کے ساتھ پشین کے مضافات میں تقسیم کیا۔ پشین میں گھومتے پھرتے ہوئے اندازہ ہوا کہ 29 اکتوبر 2008ء کے زلزلے نے یہاں بھی خاصے لوگوں کو متاثر کیا۔ یہاں کے لوگ ہمارے جذبۂ قربانی سے بہت زیادہ متاثر ہوئے۔ جب حاجی محمد صاحب انھیں پشتو میں بتاتے کہ آپ کے لیے قربانی کا گوشت لے کر خاص طور پر پنجاب سے ساتھی آئے ہیں تو پہلے تو وہ حیران ہو جاتے اور پھر خوشی سے گلے لگاتے اور دل کھول کر اہالیانِ پنجاب کی تعریف و توصیف کرتے رہے۔ رات پھر زلزلے کے جھٹکے محسوس ہوئے۔ موسم انتہائی

سرد رہا۔ برف باری کی وجہ سے سردی کی شدت میں بہت زیادہ اضافہ ہو گیا تھا۔ اگلے دن صبح سویرے اٹھے۔ قربانی کے گوشت کو علیحدہ علیحدہ پیکٹوں میں بند کیا تا کہ ان کو زیارت کے متاثرین کے کیمپوں میں پہنچایا جا سکے۔ شام کے قریب زیارت پہنچے اور یہاں مختلف علاقوں میں قربانی کا گوشت تقسیم کیا۔ اکثر علاقوں میں شناسا چہرے نظر آئے جو ہمیں ایک دفعہ پھر اپنے درمیان دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ کان بنگلہ کے ڈاکٹر منظور پہلے ہی ہمارے منتظر تھے۔ ہمیں اپنے کیمپ میں دوبارہ دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ اس کیمپ میں موجود تمام لوگوں میں قربانی کا گوشت تقسیم کیا۔ سب نے دعائیں دیں اور ہمارے جذبے کو سراہا۔ عیدالاضحیٰ کا تیسرا دن کوئٹہ میں گزرا اور اگلے دن جعفر ایکسپریس کے ذریعے لاہور واپسی ہوئی۔

برف باری، شیلٹرز اور سوٹ:

گھپ اندھیری رات 'دُسن کرنے والی سردی' یخ بستہ ہوائیں۔ تیز بارش اور برف باری۔ سنسان سڑک۔ کوئٹہ زیارت روڈ پر دوڑتی ہوئی گاڑی کی ہیڈ لائٹس میں ہر طرف برف کی دبیز سفید چادر، برف سے لدے ہوئے چاند کی روشنی میں حسین نظر آتے پہاڑ۔ گاڑی (کوئٹہ) زیارت کی طرف رواں دواں تھی۔ نئے سال کی آمد کے ساتھ پورے ملک میں سردی کی شدت میں اضافہ ہو گیا۔ اسلام آباد اور لاہور میں بھی درجۂ حرارت منفی 1-2 تک پہنچ گیا۔ پہاڑی علاقوں میں برف باری شروع ہو گئی۔ کوئٹہ اور زیارت میں ٹمپریچر منفی 9 اور 10 کے قریب پہنچ گیا۔ کاوش ویلفیئر ٹرسٹ نے کئی دنوں سے بلوچستان کے زلزلہ زدگان کے لیے شیلٹرز مہیا کرنے کا پروگرام بنایا ہوا تھا۔ اس سلسلے میں مشورہ سے یہ طے پایا کہ پہلے کوئٹہ جا کر مختلف قسم کے شیلٹرز کا جائزہ لے کر شیلٹر کا ایک ایسا مناسب ڈیزائین پسند کیا جائے جس میں ایک چھوٹا خاندان آسانی سے سما سکے اور وہ اس شدید سردی اور برف باری کا مقابلہ کر سکے۔ اُمہ ویلفیئر ٹرسٹ کے محمود حقانی صاحب بھی اس سلسلے میں کوئٹہ سے لاہور تشریف لائے تھے۔ انھوں نے بتایا تھا کہ چوں کہ سخت سردی اور اس پہ مستزاد برف باری شروع ہو چکی ہے اس لیے شیلٹر ایسا پائیدار ہو جو موسمی حالات کا مقابلہ کر سکے۔ بلوچستان کے زلزلے میں سینکڑوں سکول، مساجد اور ہیلتھ سنٹرز منہدم ہوئے۔ اُمہ ویلفیئر ٹرسٹ نے اس سلسلے میں پورے علاقے کا سروے کیا ہوا تھا کہ کس علاقے میں کتنے گھر گرے، کتنے لوگ فوت اور زخمی ہوئے اور مختلف علاقوں میں کتنی مساجد، سکول اور ڈسپنسریاں تباہ و برباد ہوئیں۔ وہ ان علاقوں کے سروے کے بعد خاص طور پر مساجد اور مدارس کے لیے شیلٹرز بنوا رہے تھے۔ پچھلے کئی دنوں سے کاوش ویلفیئر ٹرسٹ کے ترین صاحب اور علی نیازی صاحب کے توسط سے زیارت جانے کا پروگرام بن رہا تھا مگر کوئی نہ کوئی مصروفیت آڑے آ جاتی۔ کاوش ویلفیئر ٹرسٹ نے شیلٹرز کے لیے فنڈز اکٹھے کیے ہوئے تھے۔ حسبِ سابق اس میں دیرینہ ساتھی اور خدمت و قربانی کے لیے ہمہ وقت تیار سید محبوب علی

صاحب نے بھی حصہ ڈالا۔ اعجاز احمد صاحب نے بھی تعاون کیا۔ ابھی پروگرام بن ہی رہا تھا کہ سیالکوٹ سے خواجہ ذکاء الدین نے سردی کے لحاظ سے گرم سوٹ، جرابوں اور جیکٹوں کا ٹرک بھجوادیا۔ مشورے سے طے پایا کہ کسٹمز ہیلتھ کیئر سوسائٹی کی ٹیم محمد اشفاق، محمد ارشد، زاہد شیخ بذریعہ ٹرین 12 جنوری کو کوئٹہ کے لیے عازم سفر ہوگی۔ گذشتہ دنوں کوئٹہ کے قریب ٹرینوں پر حملے کے باعث روانگی کے ٹائم میں ردو بدل کردیا گیا تھا۔ شام 6 بجے کی بکنگ تھی مگر جا کر پتہ چلا کہ ٹرین 3 بجے روانہ ہوچکی ہے۔ ریلوے سٹیشن پر ہماری طرح سینکڑوں مسافر خوار ہورہے تھے۔ اللہ کے ہر کام میں مصلحت ہوتی ہے۔ اگلے دن کے لیے بکنگ کروائی۔ شیخ صاحب کو اپنے بھائی کی بیماری کے باعث رکنا پڑا۔ ان کی جگہ جواں ہمت ساتھی محمد جمیل نے لی۔ بذریعہ کوئٹہ ایکسپریس روانہ ہوئے۔ حقانی صاحب کو ہماری خبر پہلے ہی ہوچکی تھی۔ انھوں نے کوئٹہ ریلوے اسٹیشن سے ہمیں ریسیو کیا اور اپنے ساتھ پشین لے جانے پر اصرار کیا۔ پٹھان بلا کا مہمان نواز ہے۔ اگر مہمان آسانی سے نہ مانے تو سختی سے منوالیتا ہے۔ حقانی صاحب کے ساتھ پشین روانہ ہوئے۔ رات ان سے خوب گپ شپ ہوئی۔ انھوں نے اپنے والد محترم مولانا عبدالقیوم ''پیر مولوی'' کے بارے میں بتایا اور ایک عجیب قصہ سنایا کہ ایک امریکی مسٹر ڈوگن نے پیر مولوی صاحب کو خواب میں دیکھا۔ جس سے وہ بے قرار ہوکر قندھار آیا۔ اس دن پیر مولوی صاحب کابل گئے ہوئے تھے۔ کابل سے واپس آئے تو مسٹر ڈوگن انھیں مل کر کہنے لگا کہ میں نے آپ کو ہی خواب میں دیکھا تھا۔ فوراً مشرف بہ اسلام ہوا اور اس کا نام عیسیٰ ڈوگن رکھا گیا۔ عیسیٰ ڈوگن نے امریکہ میں کئی لوگوں کو مسلمان کیا اور اس نے ''پیر مولوی'' پر کتابیں بھی لکھیں۔ کوئٹہ ان دنوں سخت سردی کی لپیٹ میں ہے۔ سردی سے پورا جسم سن ہوا جاتا ہے۔ یخ بستہ ہوائیں چل رہی ہیں۔ جسم کا جو حصہ باہر نکالیں فوراً سُن ہوجاتا ہے۔ صبح سویرے پشین سے نکلے۔ آج کا دن کوئٹہ میں گزارنا تھا تاکہ شیلٹرز کے بارے میں معلومات اکٹھی کی جاسکیں۔ مارکیٹ میں شیلٹرز بنانے والے مختلف دکان داروں سے رابطہ کیا اور ڈیزائن دیکھے۔ پورا دن اسی میں بیت گیا۔ ائیر پورٹ سے گرم کپڑوں کے کارٹن لیے اور رات گئے سخت سردی، بارش اور برف باری میں زیارت کے لیے روانہ ہوئے۔ سارے راستے بارش اور برف باری ہوتی رہی۔ کچلاک تک کا سفر تو خیریت سے گزر گیا مگر اس سے آگے برف باری کے باعث چلنا بہت مشکل لگ رہا تھا۔ حقانی صاحب بڑی مہارت سے آہستہ آہستہ گاڑی چلاتے رہے۔ بارش کی وجہ سے گاڑی کے پھسلنے کا بھی خطرہ تھا۔ اللہ اللہ کر کے کچھ کے قریب پہنچے تو سڑک پر بہت زیادہ برف ہونے کی وجہ سے راستہ بالکل بند تھا۔ تھوڑی دیر بارش اور برف باری کے رکنے کا انتظار کیا۔ بارش اور برف باری تھمی تو آگے بڑھے۔ کچھ سے زلزلہ سے متاثرہ علاقوں کا آغاز ہوجاتا ہے اور ویلفیئر ٹرسٹ کا مرکزی کیمپ کان بنگلہ میں ہے۔ وام، ورچوم، حمدون، تنگی، خانوزئی کی طرح کان بنگلہ بھی زلزلے سے خاصا متاثر ہوا اور یہاں کے اکثر مکین ابھی تک خیموں میں مقیم ہیں لیکن کسی کسی جگہ پر شیلٹرز ضرور نظر آتے ہیں۔ اندھیری

رات سخت سردی، بارش اور برف باری میں کوئٹہ سے زیارت کا یہ سفر بہت یادگار رہا۔ فضا جونیپر اور سیب کی خوشبو سے معطر تھی۔ جب بھی کسی جگہ گاڑی کی ہیڈ لائٹس پڑتیں، ہر طرف سڑک پر پہاڑوں پر برف کی سفید چادر نظر آتی۔ نگاہوں کو خیرہ کرنے والا ایسا دل فریب منظر کبھی کبھار دیکھنے کو ملتا ہے۔ بارشوں اور برف باری کے باعث زیارت میں درجۂ حرارت منفی دس ڈگری سے بھی نیچے آ گیا ہے۔ اس سے متاثرین زلزلہ کی مشکلات میں اور بھی اضافہ ہو گیا ہے۔ شیلٹرز کی فوری ضرورت ہے۔ متاثرہ علاقوں میں اب خیموں میں گزارا کرنا مشکل ہے۔ سخت سردی اور برف باری میں رات امہ ویلفیئر ٹرسٹ کے شیلٹر نما کیمپ میں گزاری۔ تمام رات سخت سردی کی وجہ سے نیند آنکھوں سے دور رہی۔ البتہ قہوے کا دور چلتا رہا جس سے کچھ نہ کچھ حرارت ملتی رہی۔ اس رات گزارنے سے بخوبی اندازہ ہوا کہ متاثرین زلزلہ کس حال میں ہیں اور کس طرح پتلے خیموں میں زندگی گزار رہے ہیں۔ یہ بھی احساس ہوا کہ ان لوگوں کو مستقل گھروں کی کتنی شدید ضرورت ہے۔ بارش اور برف باری سے کئی خیمے پہلے ہی گر چکے تھے اور ان کے مکین بڑی مشکل سے زندگی گزار رہے تھے۔ متاثرہ علاقوں سے کچھ لوگ زیارت منتقل ہو چکے ہیں اور کچھ ہرنائی بستی کی طرف جا چکے ہیں مگر زیادہ تر لوگ ابھی تک اپنے علاقوں میں موجود ہیں اور شیلٹرز کا انتظار کر رہے ہیں۔ کان بنگلہ کے ڈاکٹر منظور، جو خود اپنے بچوں کے ساتھ ایک خیمے میں مقیم ہیں، نے پچھلے دنوں بتایا کہ سردی اور برف باری کے باعث بچوں میں سینے اور نظامِ تنفس کی بیماریوں میں اضافہ ہو رہا ہے اور کئی بچے نمونیہ میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ امہ ویلفیئر ٹرسٹ کا کیمپ اب خیموں سے جستی چادر کے بنے شیلٹرز میں منتقل ہو گیا ہے، جہاں سے ابھی تک متاثرین کو ہر قسم کی مدد بہم پہنچائی جا رہی ہے۔ 20×15 سائز کے بنے ہوئے یہ شیلٹرز بہت اچھی طرح بنائے گئے ہیں اور ان میں 8 سے 10 افراد کی فیملی آسانی سے رہ سکتی ہے اور یہ بارش اور برف باری سے بھی محفوظ رکھتے ہیں۔ حقانی صاحب سے مشورہ سے یہی طے پایا کہ اسی طرح کے شیلٹرز بنوا کر متاثرہ علاقوں میں پہنچائے جائیں گے۔ صبح سویرے اٹھے تو ہر طرف برف کی دبیز چادر نظر آئی۔ دو پہاڑوں پر برف ایسے لگ رہی تھی کہ کوئی دل فریب سفید حسینہ برف کی سفید چادر تانے سو رہی ہے۔ جب کبھی پہاڑوں پر ہلکی سی سورج کی روشنی پڑتی تو یہ منظر اور دل فریب ہو جاتا۔ زلزلہ سے متاثر علاقے کی تمام سڑکیں برف سے بھری ہوئی ہیں۔ شدید بارش اور برف باری کی وجہ سے زیارت اور کوئٹہ کا زمینی رابطہ منقطع ہو چکا ہے۔ ناشتے وغیرہ سے فارغ ہو کر حقانی صاحب کے مشورے سے خواجہ ذکاء الدین کے بھجوائے ہوئے گرم سوٹ، جیکٹیں، جرابیں، برساتی کوٹ ایسے علاقوں میں گھر گھر جا کر پہنچانے کا پروگرام بنایا، جہاں پہلے اس طرح کی اشیاء نہ پہنچی ہوں۔ حقانی صاحب اپنی گاڑی میں زیارت کے متاثرہ علاقوں میں پہاڑوں کے دامن میں واقع ایسے دور دراز علاقوں میں لے گئے جہاں پہنچنا بہت مشکل تھا کیوں کہ سارے راستے بارش اور برف باری جاری رہی اور تمام سڑکیں برف باری کے باعث تقریباً بند تھیں۔ ان تمام بستیوں کے مکین بہت مشکل حالات میں

زندگی گزار رہے تھے۔ گھر گھر جا کر کپڑے تقسیم کیے۔ سخت سردی اور برف باری میں ہماری ٹیم کا جذبۂ خدمت دیکھ کر لوگ بہت متاثر ہوئے۔ جہاں جاتے ڈھیروں دعائیں ملتی۔ کان بنگلہ کے مکینوں کو امہ ویلفیئر ٹرسٹ کے کارکنوں نے مرکزی کیمپ میں بلا لیا، جہاں بڑے منظم طریقے سے متاثرین میں گرم کپڑے، جرابیں اور جیکٹیں تقسیم کی گئیں۔ سردی اور برف باری کی وجہ سے بچے، بوڑھے نزلہ و زکام، بخار، سینے کے انفیکشن وغیرہ میں مبتلا تھے۔ اس بات کا خصوصی طور پر سروے کیا تا کہ اگلی دفعہ دواؤں کے ساتھ ان علاقوں میں آ کر ان کے علاج کے ساتھ بھرپور خدمت کی جائے۔ فارغ ہو کر کوئٹہ کے لیے روانہ ہوئے۔ کوئٹہ میں ایک دفعہ پھر مارکیٹ کا سروے کر کے شیلٹرز تیار کروانے کا آرڈر دیا اور اگلے دن بذریعہ کوئٹہ ایکسپریس لاہور کے لیے روانگی ہوئی۔

اللہ، نانا صاحبؒ اور زیارت:

زیارت کی یخ بستہ ٹھنڈی ہواؤں، جونیپر سے معطر فضاؤں اور برف کی سفید چادر اوڑھے بلند و بالا پہاڑوں کے درمیان سانپ کی طرح بل کھاتی تنگ اور چھوٹی چھوٹی سڑکوں پر گاڑیاں خراماں خراماں چل رہی تھیں۔ آنکھوں کو خیرہ کرنے والے مسحور کن قدرتی مناظر سامنے تھے۔ زیارت کی خوب صورت ترین جنت نظیر وادی زیزری سے گذرتے ہوئے بابا خرواریؒ کے مزار سے ذرا پہلے گاڑیاں صنوبر کے ایک بڑے اور پرانے درخت کے سامنے خود بخود رُک گئیں۔ پہلی نظر پڑتے ہی نظریں عقیدت سے جھک گئیں کیوں کہ درخت کے تنے اس طرح مڑے ہوئے تھے کہ واضح طور پر ''اللہ'' کا نام بنا ہوا تھا۔ سب نے اس درخت کی زیارت کی اور قدرت کے اس شاہ کار کو دیکھ کر لبوں پر قرآن پاک کی آیت **فبای الاءِ ربکما تُکذِبٰنِ** جاری ہو گئی۔ 29 اکتوبر 2008ء میں بلوچستان میں آنے والے زلزلے کے متاثرین کے لیے کسٹمز ہیلتھ کیئر سوسائٹی اور کاوش ویلفیئر ٹرسٹ کے تعاون سے شیلٹرز ہوم کی تیاری مکمل تھی۔ کتاب ''زلزلہ، زیارت اور زندگی'' بھی مارکیٹ میں آ چکی تھی۔ ایک دفعہ پھر ارادہ تھا کہ بلوچستان جا کر زیارت کے زلزلہ زدگان کی زیارت کر کے دوبارہ ان کی خدمت کی سعادت حاصل کی جائے۔ اس کے ساتھ ساتھ چوں کہ ''زلزلہ، زیارت اور زندگی'' بھی بلوچستان کے تناظر میں لکھی گئی۔ کتاب کی رونمائی کی تقریب بھی کوئٹہ اور زیارت میں کروانے کا پروگرام تھا۔ مزید برآں ڈاکٹر اقبال (ماریہ ہیلینا فاؤنڈیشن (MHF) کینیڈا) نے بلوچستان کے زلزلہ زدگان کے علاج معالجے کے لیے فنڈز بھجوائے تھے۔ اسی بات کے پیشِ نظر محمد اشفاق، محمد زاہد، منظور، صفدر بھٹی اور محمد ارشد پر مشتمل ٹیم 27 فروری کو زیارت پہنچ چکی تھی اور وہاں مزید شیلٹرز ہوم تیار کروانے اور انھیں مستحقین تک پہنچانے کا کام کر رہی تھی۔ نصیر احمد رند صاحب بھی کوئٹہ ''پریس کلب'' میں 5 مارچ 2009ء کو شام 5 بجے ''زلزلہ، زیارت اور زندگی'' کی تقریبِ رونمائی کی تیاریوں میں مصروف تھے۔ اس حوالے سے کوئٹہ میں نصر اللہ ترین ایڈیشنل سیکرٹری

ریونیو بھرپور تعاون کر رہے تھے۔ پچھلے دنوں سے کوئٹہ کے حالات خاصے کشیدہ تھے اور روزانہ کوئی نہ کوئی ناخوش گوار واقعہ پیش آ رہا تھا اس لیے سکیورٹی خدشات موجود تھے۔ ان سب حالات کے باوجود بحمداللہ 5 مارچ کو کوئٹہ کے پریس کلب میں ''زلزلہ، زیارت اور زندگی'' کی تقریبِ رونمائی ہوئی جس میں معروف دانش ور، شاعر، محقق بلوچستان کے سیکرٹری ریونیو جناب سرور جاوید، پروفیسر جمشید، ارضی و سماوی آفات پر کام کرنے والے ڈاکٹر عرفان بیگ اور دلاور خان کاکڑ ناظمِ زیارت نے خطاب کیا۔ تقریب میں مقامی صحافیوں کے علاوہ شہریوں کی کثیر تعداد نے شرکت کی۔ مقررین نے کہا کہ اس کتاب میں مصنف نے بلوچستان، آزاد کشمیر اور سرحد کے مصیبت زدگان کے احوال اور امدادی سرگرمیوں کو ہی قلم بند نہیں کیا بلکہ خود موقع پر پہنچ کر ان کے زخموں پر مرہم رکھا ہے۔ نام وَر ادیب اور شاعر جناب سرور جاوید نے کہا کہ جہاں زلزلے تباہی و بربادی لاتے ہیں وہاں زندہ قوموں کے لیے آزمائش اور امتحان کی گھڑی ہوتے ہیں اور اس سے پتہ چلتا ہے کہ قوموں میں ایثار اور قربانی کا جذبہ کتنا ہے۔ ڈاکٹر آصف محمود جاہ کی کتاب ''زلزلہ، زیارت اور زندگی'' آزمائش کی گھڑی میں قوم کے بلند حوصلے کی داستان ہے۔ اے سی مستونگ نصیر احمد ناصر نے رات کے کھانے کا اہتمام کوئٹہ کے ریسٹورنٹ میں کیا، جہاں کسٹم کے حیات اللہ درانی سے بھی ملاقات ہوئی۔ درانی صاحب نے ''غاروں کی تلاش'' کے سلسلے میں اپنے کام کے متعلق بتایا اور کئی حیرت انگیز اور پراسرار واقعات سنائے۔ انھوں نے کوئٹہ میں ہزاروں میٹر لمبی اور گہری غاریں دریافت کیں۔ K-2 پر پاکستان کا پرچم بلند کرتے ہوئے ان کے 5 ساتھیوں نے جامِ شہادت نوش کیا، جن میں ان کا بھانجا بھی شامل تھا۔ درانی صاحب کی خدمات کے اعتراف میں ان کو حکومت کی جانب سے پرائیڈ آف پرفارمنس بھی مل چکا ہے۔ صبح سویرے پرنس روڈ پر واقع الذوالفقار ہوٹل سے نکل کر مسجد میں نمازِ فجر ادا کی۔ کوئٹہ کی مساجد میں ہر نماز میں اچھا خاصا رش ہوتا ہے۔ وہاں کسی بھی نماز میں ہمارے ہاں کے جمعہ کی نماز جیسا مجمع ہوتا ہے۔ ہوٹل سے 8 بجے براستہ کچلاک ژوب روڈ سے جاتے ہوئے بھوری اور سرمئی مٹی کے بلند قامت پہاڑوں سے تنگ سڑک پر سفر کرتے خانوزئی کی طرف عازمِ سفر ہوئے۔ جوں جوں خانوزئی کے قریب آ رہے تھے سردی کی شدت میں اضافہ ہو رہا تھا۔ سپرے آغا کے قریب پہنچ کر کالے ٹیلے پہاڑ آئے تو ڈاکٹر منظور کاکڑ نے بتایا کہ یہ کرومائیٹ کے پہاڑ ہیں۔ کرومائیٹ سٹیل اور پینٹ کی صنعت میں استعمال ہوتا ہے۔ بلوچستان کی سرزمین معدنیات سے مالا مال ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس سرزمین میں بے شمار خزانے چھپا رکھے ہیں جن میں سے اکثر کو ابھی دریافت ہونا باقی ہیں۔ ڈیڑھ گھنٹے کی مسافت کے بعد کلی دلسورہ، یونین کونسل خانوزئی، تحصیل پشین پہنچے۔ یہاں علاقے کے عمائدین ہمارے استقبال کے لیے کھڑے تھے۔ سب نے محبت سے استقبال کیا۔ جاتے ہی پوری ٹیم کام پر لگ گئی۔ جوں ہی ڈسپنسری اور کلینک لگا مریضوں کا تانتا بندھنا شروع

ہو گیا۔ جوق در جوق مریض آنے لگے۔ زیارت کے دوسرے علاقوں کے برعکس یہاں ہر عمر و جنس کے مریضوں کی بہتات تھی۔ بچے، بچیاں، لڑکیاں، خواتین کثیر تعداد میں کیمپ میں آئیں۔ ڈاکٹر منظور کا اس طرح کے کیمپ میں کام کرنے کا پہلا تجربہ تھا۔ مریضوں کو دیکھ کر تھوڑا سا گھبرائے مگر پھر کام میں ایسے لگے کہ شام تک لگے رہے۔ یہاں واقعی سر کھجانے کو بھی وقت نہ ملا۔ ان غریب اور پس ماندہ علاقوں میں ڈاکٹر خال خال ہی نظر آتے ہیں۔ کسی بھی ایمرجنسی یا بیماری کی صورت میں یہاں کے باسیوں کو کوئٹہ کا رخ کرنا پڑتا ہے۔ اس لیے ڈاکٹروں کی ٹیم کو اپنے گھر میں دیکھ کر یہ لوگ خوشی سے پھولے نہ سما رہے تھے اور اس نعمتِ غیر مترقبہ سے ہر چھوٹا بڑا مستفید ہو رہا تھا۔ خاص کر بڑی بوڑھیاں، جن کو شاید ہی کسی ڈاکٹر سے چیک کروانے کا موقع ملا ہو، بلڈ پریشر چیک کروانے کا ضرور تقاضا کرتیں۔ دواؤں کے ساتھ بچوں کے لیے ٹافیوں، بسکٹ اور بچیوں کے لیے رنگ برنگے تحائف کا بھی انتظام تھا، جن کی تقسیم کا ذمہ شیخ زاہد کے سپرد تھا۔ بچے بچیوں نے انھیں گھیر لیا اور جب تک آخری چیز نہ لے لی ان کا پیچھا نہ چھوڑا۔ دلسورہ ایک چھوٹا سا گاؤں ہے۔ یہاں کی آبادی 5 سے 6 ہزار نفوس پر مشتمل ہے۔ 29 اکتوبر 2009ء کے زلزلہ کے دوران یہاں جانی نقصان تو نہ ہوا مگر لوگوں کے گھر خاصے متاثر ہوئے اور ان میں سے اکثر رہنے کے قابل نہیں۔ معاوضے کے لیے سروے کے دوران یہاں کے بہت کم لوگوں کو معاوضہ ملا۔ صبح سے دوپہر تک یہاں کیمپ کیا اور اس دوران 700 سے زیادہ بچوں اور بڑوں بشمول خواتین کا معائنہ کیا اور انھیں دوائیں دیں۔ ڈاکٹر منظور وقفے وقفے سے اٹھتے اور کمر سیدھی کر کے واپس آتے۔ پہاڑی علاقوں میں زیادہ تر کمر درد، پیٹ میں خرابی، گردوں میں درد، معدے میں جلن، کمزوری، خون کی کمی، کھانسی، بخار، ڈائریا، جلدی بیماری وغیرہ کی تکالیف پائی جاتی ہیں۔ یہ بیماریاں عورتوں اور لڑکیوں میں عام ہیں کیوں کہ ان کی زندگی بہت تلخ ہے۔ صبح سے دوپہر تک آنے والے تمام مریضوں کا معائنہ کر کے فارغ ہو گئے۔ دلسورہ کے تمام مرد و زن نے یک زبان ہو کر شکریہ کے ساتھ الوداع کیا۔ اگلا پڑاؤ کلی سپہ زندی کا تھا۔ جہاں کے لوگ صبح سے ہمارے منتظر تھے۔ آج جمعۃ المبارک تھا مگر سفر میں ہونے کی وجہ سے راستے میں ظہر کی نماز ادا کی۔ کچے راستوں پر ہوتے ہوئے آگے بڑھے۔ ایک گھنٹہ کے سفر کے بعد علاقے میں پہنچے۔ سردی میں خاصا اضافہ ہو گیا تھا۔ دور پہاڑوں پر سفید برف کی چادر بچھی نظر آ رہی تھی۔ بڑا ہی دل کش منظر تھا۔ کلی سپہ زندی میں یہاں علاقے کے عمائدین منتظر تھے۔ پُرتکلف کھانے کا بندوبست تھا۔ یہاں کاوش ویلفیئر ٹرسٹ اور کسٹمز ہیلتھ کیئر سوسائٹی کے تعاون سے بنے شیلٹرز دیکھ کر دل خوش ہوا۔ ایسے ہی ایک شیلٹر میں بیٹھ کر کھانا کھایا۔ اب سردی کی شدت میں اور اضافہ ہو گیا۔ یہاں ایک خیمے میں راقم اور ڈاکٹر منظور بیٹھ گئے۔ دوسرے خیمے میں دوائیں لگا دی گئیں۔ ذرا سی دیر میں سینکڑوں مریض اکٹھے ہو گئے جو مختلف تکالیف اور علامات کے ساتھ آئے۔

ان کا مکمل چیک اپ کر کے دوائیں دیں اور مغرب کی نماز تک 500 سے زائد مریضوں کو دیکھا۔ مغرب کی نماز مسجد میں ادا کی۔ اس جگہ کلی تھانہ، کلی بنطقی، کلی تورزور، کلی لیل گٹ، کلی زرنماتی، کلی رغہ، کلی سپن زئی سے مریض آئے۔ علاقے کے معززین نے شکریہ ادا کیا اور دعا دی۔ فارغ ہو کر آگے روانہ ہوئے۔ کلی سپہ زندی سے ہوتے ہوئے کلی منّا گورستان سے گزرے۔ منّا وہی جگہ ہے جہاں کچھ عرصہ پہلے ایک بڑے پتھر پر بیٹھ کر مریض دیکھے تھے۔ راستے میں حقانی صاحب نے ایک چشمے کے قریب گاڑیاں روکیں۔ سب نے چشمے کا ٹھنڈا، میٹھا پانی سیر ہو کر پیا۔ زندرہ سے گزر کر کان بنگلہ اُمہ ویلفیئر ٹرسٹ کے کیمپ پہنچے۔ یہاں عشاء کی نماز ادا کی اور چائے سے لطف اندوز ہوئے۔ ڈاکٹر منظور نے سارا دن ہمارے ساتھ کام کرنے کے علاوہ ہمارے لیے پُرتکلف دعوت کا بھی بندوبست کیا تھا۔ ان کے گاؤں پہنچے۔ ان کے والد بڑے پُرتپاک طریقے سے ملے۔ کھانے کے بعد زیارت پہنچے۔ زیارت میں سردی اپنے جوبن پر تھی۔ درجۂ حرارت منفی چار سے آٹھ تک تھا۔ سردی سے قلفی جم رہی تھی اور رات دو بجنے کے باوجود نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ سردی کی شدت کے باعث صبح 5 بجے آنکھ کھل گئی۔ گیسٹ ہاؤس والے نے اگرچہ صبح گرم پانی دینے کا وعدہ کیا تھا کیوں کہ سردی سے پانی جمنے اور اس سے پائپ پھٹنے کے خدشے کے باعث اس نے پانی بند کر دیا تھا مگر اب اُس کا دُور تک کوئی نشان نہ تھا۔ یخ ٹھنڈے پانی میں ہاتھ ڈالتے ہی سن ہو گیا۔ جیسے تیسے وضو کیا اور نمازِ تہجد ادا کی۔ ملک کی بہتری اور امن وسکون کے لیے دعا کی۔ فجر کی نماز کے لیے پھر یخ ٹھنڈے پانی سے وضو کیا۔ سردی ناقابل برداشت حد تک زیادہ تھی۔ صبح ہیٹر چلانے کے باوجود سردی سے دانت بج رہے ہیں۔ نمازِ فجر سے فارغ ہو کر زیارت کی دل کش وادیوں میں صبح کی سیر کی اور سورج نکلنے کا مسحور کن منظر دیکھا۔ سورج کی پو پھٹنے پر جب پہلی کرن دور پہاڑوں پر پڑی تو ان پر پڑی ہوئی برف چاندی کی طرح چمکتی ہوئی نظر آئی۔ یہ مسحور کن منظر دیکھ کر خدا کی لازوال نعمتوں کا ذکر یاد آیا **فبای الاءِ ربکما تُکذِبٰنِ**۔ اگرچہ سورج نکل چکا ہے مگر سردی کی شدت میں کوئی خاص کمی نہیں ہوئی۔ محکمۂ جنگلات صنوبر کے درختوں کو بچانے کے لیے، جو زیارت کا حسن ہیں، کوشاں ہے۔ جگہ جگہ بینر نظر آئے: ''صنوبر کی حفاظت کریں''، ''درخت لگانا سنتِ نبویؐ ہے''، ''صنوبر زیارت کا زیور ہیں'' وغیرہ۔ صبح سویرے ریسٹ ہاؤس سے نکل کر امہ ویلفیئر ٹرسٹ کے مرکزی کیمپ کی طرف عازمِ سفر ہوئے۔ زیارت سے نکلیں تو بابِ زیارت سے گزر کر چینا کے قریب 29 اکتوبر کی تباہ کاریاں نظر آنا شروع ہو جاتی ہیں۔ چینا سے زندرہ اور پھر زندرہ سے کواس، وام، ورچوم، کان بنگلہ، گوگی حمدون تک 29 اکتوبر کے زلزلے نے تباہی مچائی۔ اس تباہی کے نشان کچے پکے گرے ہوئے گھر تباہی کی داستان سنا رہے تھے لیکن اب فرق یہ تھا کہ گرے ہوئے گھروں کے ساتھ رنگ برنگے مختلف النوع کے اودے اودے، نیلے پیلے، لال، سفید، رنگ کے شیلٹرز بنے نظر آ رہے تھے۔

اُن کے ساتھ خیموں کی بھی بہتات تھی۔ 8 اکتوبر 2005ء کے زلزلے کے بعد لوگوں کو معاوضہ قسطوں میں دو سال سے زیادہ مدت میں ملا اور وہ بھی زیادہ سے زیادہ 175000 روپے مگر یہاں لوگوں کو 50 ہزار سے ساڑھے تین لاکھ تک معاوضہ فوراً مل گیا۔ اگرچہ اس میں کافی زیادتیاں ہوئیں مگر پھر بھی بہت جلد معاوضہ ادا کر دیا گیا۔ شیلٹرز کی بجائے کوئی گھر ایسا نظر نہ آیا جو زلزلے کے بعد نیا بنا ہو۔ اس کی وجہ ڈاکٹر منظور کاکڑ نے یہ بتائی کہ سرد موسم کی وجہ سے ابھی تک کسی نے اس طرف توجہ نہیں دی۔ موسمِ سرما ختم ہونے کے بعد مئی جون میں یہاں مکانوں کی تعمیر شروع ہوگی۔ کان بنگلہ کے گردونواح میں بھی کسٹمز ہیلتھ کیئر سوسائٹی اور کاوش ویلفیئر ٹرسٹ کے تعاون سے بنے گھر دیکھے۔ اگرچہ کئی قسم کے شیلٹرز بنائے گئے جن میں UN-Habitat بھی شامل ہیں مگر ہمارے شیلٹرز خاصے وسیع، ہوادار، زلزلہ پروف اور برف باری سے بچاؤ کرنے والے تھے۔ ایک شیلٹر میں 10 سے 12 افراد کی فیملی آسانی سے سما سکتی تھی۔ کواس، ورچوم، کان بنگلہ سے ہوئے ہوئے کان بنگلہ پہنچے۔ کان بنگلہ میں امہ ویلفیئر ٹرسٹ کے کیمپ پہنچے۔ کیمپ کے عمائدین بشمول محمود حقانی، جو بلوچستان میں امہ ویلفیئر ٹرسٹ کے روح ورواں ہیں، نے استقبال کیا۔ صبح سردی لگنے کی وجہ سے بخار ہو گیا تھا۔ طبیعت خاصی بوجھل تھی مگر آج کا شیڈول خاصا لمبا تھا۔ جاتے ہی اللہ کا نام لے کر کام شروع کر دیا۔ آہستہ آہستہ مریض آنا شروع ہو گئے۔ اس کیمپ میں بھی عورتیں، بچے اور بچیاں کثیر تعداد میں آئیں۔ سوسائٹی کے میڈیا کوآرڈینیٹر نصیر احمد رند صاحب گذشتہ رات زیارت پہنچے تھے اور رات انھوں نے محکمۂ جنگلات کے ریسٹ ہاؤس میں گزاری۔ وہ صبح ہی سے DCO ہاؤس پہنچ چکے تھے اور آج کے فنکشن کی تیاریوں میں مصروف تھے۔ ڈاکٹر منظور کاکڑ بھی کیمپ سے زیارت آ گئے۔ نصیر رند صاحب اور DCO زیارت سہیل عطاء الرحمان صاحب نے مولانا عبدالصمد اخوندزادہ صوبائی وزیر جنگلات کو زیارت میں ''زلزلہ، زیارت اور زندگی'' کی تقریبِ رونمائی میں بطور چیف گیسٹ بلانے کا اہتمام کیا ہوا تھا۔ اس تقریب کے لیے لاہور سے ہر قدم پر ساتھ دینے والے سید محبوب علی صاحب تشریف لا رہے تھے۔ مریضوں کا معائنہ دوپہر تک جاری رہا اور تقریباً 300 سے زیادہ مریضوں کا معائنہ کیا اور انھیں دوائیں دیں۔ اسی اثناء میں سید محبوب علی بھی پہنچ گئے۔ ظہر کی نماز کیمپ میں باجماعت ادا کی۔ حقانی صاحب نے پُرتکلف کھانے کا بندوبست کیا ہوا تھا۔ کھانے کے دوران تبادلۂ خیال ہوتا رہا۔ سید محبوب علی صاحب کہنے لگے کہ واقعی جو لقمہ یا رزق مقدر میں ہوتا ہے وہ مل کے رہتا ہے۔ کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ اس طرح بلوچستان کے دور دراز علاقے میں بیٹھے کھانا کھا رہے ہوں گے۔ انھوں نے بتایا کہ وہ 1967ء میں پہلی دفعہ زیارت آئے تھے اور ان کے ذہن میں زیارت کا دھندلا سا تصور موجود ہے۔ مریضوں سے فارغ ہو کر شہر آئے۔ شالیمار ہوٹل میں پہنچے۔ چار بجے کا وقت ہو چکا ہے۔ رند صاحب اور ڈاکٹر منظور تقریب کی تیاریوں میں مگن تھے۔ ہوٹل ہال کے قریب

تھا۔ تقریب کے لیے مہمانِ خصوصی عین وقت پر پہنچ گئے۔ جب تیار ہو کر ہوٹل پہنچے تو ہال مہمانانِ گرامی سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ کافی لوگ کھڑے تھے۔ تلاوتِ کلامِ پاک سے آغاز ہوا۔ ڈی سی او زیارت کے نمائندے محمد اکبر، مولانا عبدالبصیر، محمود حقانی اور دوسرے مقررین نے زلزلۂ بلوچستان کے سلسلے میں این جی اوز (NGOs) کے کام کو سراہا اور کتاب کے بارے میں اظہارِ خیال کرتے ہوئے کسٹمز ہیلتھ کیئر سوسائٹی کی خدمات کا بھی تذکرہ کیا۔ مولانا عبدالصمد اخوندزادہ نے اپنے خطاب میں تفصیل سے زلزلۂ بلوچستان کی وجوہات بیان کیں اور اس کے تناظر میں اہلِ زیارت کی توجہ اس جانب مبذول کرائی کہ ارضی وسماوی آفات سے بچنے اور اللہ کی خوش نودی حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم سب اللہ کی طرف رجوع کریں اور اجتماعی توبہ کریں تاکہ ہمارے ملک سے تعصب، منافرت اور گروہ بندی کا خاتمہ ہو۔ راقم نے اپنے خطاب میں کہا کہ صنوبر کی وادیٔ زیارت سے مجھے عشق ہو چکا ہے اور یہی وجہ ہے کہ بار بار اس علاقے میں آنا ہو رہا ہے۔ یہ کتاب ''زلزلہ، زیارت اور زندگی'' اسی محبت کا ثبوت ہے کہ ہمارے دل پاکستان کے ہر خطہ کے ساتھ ساتھ دھڑکتے ہیں اور پوری قوم مصیبت کی ہر گھڑی میں اپنے مصیبت زدہ بھائیوں کے شانہ بشانہ ہو گی۔ تقریب کے آخر میں مہمانانِ گرامی اور جاں نثار ساتھیوں میں شیلڈز تقسیم کی گئیں۔ عصر کی نماز زیارت شہر کی خوب صورت مسجد میں ادا کی اور موقع کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ایک دفعہ پھر قائدِاعظم ریزیڈینسی کی زیارت کو نکلے۔ موسم انتہائی سرد ہو چکا تھا۔ سردی جسم میں گھستی جا رہی تھی۔ ریزیڈینسی پہنچ کر بڑی عقیدت کے ساتھ یہاں کے تبرکات کو دیکھا اور چشمِ تصور میں قائداعظم سے باتیں کیں۔ قائد تھوڑے سے بجھے بجھے اور ناراض سے لگے مگر مایوس بالکل نہیں تھے کیوں کہ مایوسی کفر ہے۔ چشمِ تصور میں دیکھا کہ قائدِاعظم کہہ رہے ہیں اگر آپس میں محبت، رواداری اور محبت کے جذبے کو فروغ دیا جائے اور تمام تعصّبات کو بھلا کر اللہ کی رسّی کو مضبوطی سے تھام لیا جائے تو پاکستان کا کوئی بال بھی بیکا نہیں کر سکے گا۔ مغرب کی نماز قائدِاعظم ریزیڈینسی کی مسجد میں ادا کی۔ رات کا کھانا شالیمار ہوٹل میں کھایا۔ رات طبیعت خراب ہونے کے باعث بہت کم نیند آئی۔ 4 بجے اٹھ کر نمازِ تہجد ادا کر کے ملک کی سلامتی، امن و سکون کے لیے دعا کی اور اپنے رب سے استدعا کی کہ یا اللہ خیر اور بھلائی کے کاموں میں ہمیشہ آگے بڑھنے کی توفیق دینا اور علاج اور خدمت کے اس سلسلے کو جاری وساری رکھنا۔ فجر کی نماز زیارت شہر کی خوب صورت جامع مسجد میں ادا کی اور صبح ناشتے کے بعد بابا خرواریؒ کے مزار پر حاضری دینے کے لیے گئے۔ یہ بھی ارادہ تھا کہ اگر وہاں مریض ہوئے تو ان کو چیک کر کے دوائیں دیں گے۔ بابا خرواریؒ کا مزار زیارت شہر سے 5-6 کلومیٹر دور اوپر پہاڑوں کے دامن میں ہے۔ راستہ انتہائی دشوار گزار اور مشکل ہے۔ اردگرد خوب صورت پہاڑ ہیں۔ جوں جوں پہاڑوں پر اوپر جائیں سردی کی شدت میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ زیارت سے بابا خرواریؒ کے مزار تک

انتہائی دل کش اور خوب صورت وادیاں ہیں۔ پہاڑوں پر جگہ جگہ برف پڑی ہوئی تھی اور سورج کی روشنی جب برف پر پڑتی انتہائی دل کش اور خوب صورت منظر ہوتا۔ بابا خرواریؒ کے مزار سے کچھ پہلے صنوبر کا ایک بڑا اور پرانا درخت دیکھا جس کے قریب گاڑیاں خود بخود رُک گئیں۔ قدرتی طور پر اس درخت کی ساخت ایسی تھی کہ بالکل صاف طور پر ''اللہ'' بنا ہوا تھا۔ قدرت کے اس شاہ کار کو دیکھ کر سب نے عقیدت اور احترام سے اس درخت کی زیارت کی جو اللہ کی وحدانیت کا کھلا ثبوت ہے۔ اگر چہ سورج نکل چکا تھا مگر ٹھنڈی یخ بستہ ہوائیں چلنے کی وجہ سے سردی کی شدت میں بے حد اضافہ ہو چکا تھا مگر اللہ کے نام والا درخت دیکھ کر سب کے جسموں میں ایک دم گرمی اور حرارت آ گئی۔ بابا خرواریؒ کے مزار پر پہنچ کر سب سے پہلے ان کے ارشاد کے مطابق ان کے والد کے مزار پر فاتحہ خوانی کی اور اس کے بعد بابا خرواریؒ کے مزار پر حاضری دی۔ ہمارے دانش وَر ساتھی اور بلوچستان کی تاریخ کے محقق نصیر احمد رند صاحب نے بابا خرواریؒ اور ان کے پیر و مرشد عبدالحکیم نانا صاحبؒ کے بارے میں بتایا:

''عبدالحکیم عرف نانا صاحبؒ کا شمار بہت بڑے اولیائے کرام میں ہوتا ہے۔ ان کا تعلق افغانستان سے تھا۔ انھیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ نعمت حاصل تھی کہ جس بیمار کو پھونک دیتے تھے، اسے شفا ہو جاتی تھی۔ یہاں تک کہ ایک شخص مرنے کے قریب تھا۔ اس کا سانس اُکھڑ رہا تھا۔ نانا صاحبؒ کا گزر ہوا تو معلوم ہوا کہ مریض زندگی کی آخری ہچکی لے رہا ہے۔ قریب آئے، آسمان کی طرف انگلی اٹھائی اور پھونک ماری تو بیمار آدمی اُٹھ کھڑا ہوا اور چلنے لگا۔ نانا صاحبؒ افغانستان میں تبلیغ اسلام کے فرائض سرانجام دے رہے تھے۔ وہاں کے کچھ لوگ نانا صاحبؒ کے خلاف ہو گئے۔ ان کا کہنا تھا کہ نانا صاحب ان کے قبائل میں جنگ کی فضا پیدا کر رہے ہیں۔ چناں چہ انھیں پتھروں سے مارنا شروع کر دیا اور مارتے مارتے افغانستان کے سپین بولدک کے راستے چمن کی طرف دھکیل دیا۔ اس موقع پر نانا صاحبؒ نے فرمایا: ''اے لوگو تم مجھے افغانستان سے دربدر تو کر رہے ہو لیکن میرے بعد ملک میں کبھی امن وسکون نہیں رہے گا۔'' جب وہ چمن بارڈر سے پاکستان میں داخل ہوئے تو کوجک کے پہاڑی علاقے سے درختوں نے ان کے پیچھے چلنا شروع کر دیا اور جہاں جہاں سے درخت گزرے تباہی کرتے جاتے۔ برشور/ پشین کے علاقے کے لوگوں کو جب معلوم ہوا تو انھوں نے نانا صاحبؒ کے پاؤں پکڑ لیے۔ نانا صاحبؒ نے درختوں کی طرف مڑ کر اشارہ کیا۔ درخت اپنی جگہ پر ساکت ہو گئے۔ نانا صاحب برشور/ پشین میں کافی عرصہ رہے اور سینکڑوں لوگ ان کے مرید بن گئے۔ بابا خرواریؒ بھی ان کے مریدوں اور شاگردوں میں سے تھے۔ ایک دن نانا صاحبؒ نے پانی مانگا۔ جب بابا خرواریؒ ایک گلاس میں پانی لے کر آئے تو نانا صاحبؒ سو چکے تھے۔ پوری رات گزر گئی۔ بابا خرواریؒ گلاس ہاتھ میں تھامے کھڑے

رہے۔ گلاس سردی کی وجہ سے ان کی جلد سے چپک کر رہ گیا اور ہاتھ کی پوری جلد سن ہو کر جسم سے اکھڑ گئی۔ نانا صاحبؒ کی آنکھ کھلی۔ یہ منظر دیکھ کر آسمان کی طرف دیکھا اور انھیں خلافت سونپ دی اور بابا خرواریؒ کا نام بھی بزرگوں کی فہرست میں آ گیا۔ وہ کئی سال وادیٔ زیارت کے لوگوں کی خدمت کرتے رہے اور ہر مسلک کے لوگ ان سے فیض یاب ہوتے رہے۔ بالآخر بابا خرواریؒ زیارت کی خوب صورت وادی میں دفن ہو گئے۔ بابا خرواریؒ کی بزرگی کے کئی قصے مشہور ہیں۔ بتایا جاتا ہے کہ ایک دفعہ ساتھ والے گاؤں کی طرف ایک بہت بڑا پتھر لڑھک کر نیچے آ رہا تھا جو گاؤں پر گرتا تو سب کو کچل دیتا۔ بابا خرواریؒ نے اس کو ہاتھ کے اشارے سے رکنے کا کہا تو وہ وہیں رک گیا۔ وہ پتھر آج بھی موجود ہے اور اس پہ بابا خرواریؒ کے ہاتھ کا نشان ہے۔ عبدالحکیم نانا صاحبؒ ڈکی تھل کی طرف نکل پڑے۔ یہ علاقے سینکڑوں سال سے بنجر تھے۔ علاقے کے لوگوں نے نانا صاحبؒ سے کہا کہ وہ دعا کریں۔ عبدالحکیم نانا صاحبؒ نے دعا کی تو خوب بارش ہوئی۔ علاقہ آباد ہو گیا اور آخر کار ڈکی تھل کا نام تھل میاں صاحبؒ رکھ دیا گیا۔ ان کا مزار آج بھی نانا صاحبؒ زیارت کے نام سے ڈکی سے 20 میل کے فاصلہ پر ہے۔ ہزاروں عقیدت منداس مزار پر حاضری دیتے ہیں۔ ڈیڑھ کلو کی روٹی پکتی ہے۔ دس دن عقیدت مند یہاں رہ سکتے ہیں۔ لوگ صدقہ خیرات مزار پر آ کر کرتے ہیں۔ جب افغانستان میں انقلاب آیا تو چار لاکھ افغان نانا صاحبؒ کے مزار پر اپنی غلطیوں اور کوتاہیوں کی معافی مانگ رہے تھے۔''

بابا خرواریؒ کے مزار پر تھوڑی دیر انتظار کیا مگر ارد گرد کوئی ذی روح نظر نہ آیا کیوں کہ یہاں شدید سردی کی وجہ سے لوگ گرمیوں میں ہرنائی اور سبی چلے جاتے ہیں اور مارچ کے وسط میں واپس آتے ہیں۔ واپسی کا سفر طے کرتے ہوئے زلزلہ زدہ علاقوں سے گزرتے ہوئے ورچوم پہنچے جہاں ڈاکٹر منظور کاکڑ پہلے ہی ہمارے منتظر تھے اور انھوں نے وہاں میڈیکل کیمپ کی مکمل تیاری کی ہوئی تھی۔ اس سفر میں ڈاکٹر منظور کاکڑ کی وجہ سے بڑی آسانی رہی کیوں کہ وہ مریض چیک کرنے کے ساتھ ساتھ ترجمان کے طور پر بھی کام کرتے رہے۔ اگرچہ زیارت میں کام کرتے ہوئے پشتو سے خاصی آشنائی ہو گئی تھی اور مریض کی ہسٹری لینے والے فقرے رٹ لیے تھے۔ چھوٹے بچے اور بچیاں ہماری گلابی پشتو سن کر خاصے محظوظ اور خوش ہوتے۔ ہمارے دیرینہ ساتھی اور خدمت کے کاموں میں ہمیشہ آگے رہنے والے سید محبوب علی کا اس سفر میں ساتھ ہونا بڑی طمانیت کا باعث رہا۔ وہ خود بھی بڑے خوش تھے اور بلوچستان کے اس دور افتادہ علاقے میں یہاں کے غریب لوگوں کی خدمت میں شامل ہو کر بڑا فخر محسوس کر رہے تھے۔ ورچوم پہنچتے ہی مریضوں کو دیکھنا شروع کر دیا۔ ہر عمر اور بیماری کے مریض آئے۔ عورتیں اور بچے کثیر تعداد میں چیک اپ کے لیے آئے۔ بلوچستان کے ان پس ماندہ علاقوں کی عورتیں بہت مظلوم ہیں۔ یہاں کی عورت صبح سویرے اٹھتی ہے۔ فجر سے پہلے وہ سب کے لیے

پانی گرم کرتی ہے۔ سب کو ناشتہ کراتی ہے۔ دن بھر گھر کے تمام کام نپٹانے کے ساتھ آگ جلانے کے لیے جنگل سے لکڑیاں اکٹھی کرنا اور دور افتادہ مقام سے پانی لانا بھی اس کی ذمہ داری ہے۔ اس کے علاوہ بچے پالنا اور خاوند کو خوش رکھنا بھی اس کے فرائض میں شامل ہے۔ سب کو کھانا کھلا کر بچا کھچا خود کھاتی ہے۔ اس وجہ سے یہاں کی اکثر عورتیں خون کی کمی اور کم زوری کی شکار تھیں اور اکثر لڑکیاں بیس پچیس سال کی عمر تک پہنچتے ہی بڑی عمر کی لگنے لگتی ہیں۔ ورچوم میں ڈاکٹر منظور کے ساتھ دو سو سے زائد مریضوں کا چیک اپ اور علاج کیا۔

ورچوم میں ٹیم کے اراکین کے لیے پُرتکلف دعوت کا اہتمام تھا جس میں بلوچستان کی مشہور ڈشوں ''لاندی'' اور ''ثرید'' کے علاوہ انواع واقسام کے کھانے تھے۔ سب نے سیر ہو کر کھایا۔ بچی ہوئی دوائیں ڈاکٹر منظور کے حوالے کیں تا کہ وہ مریضوں کا فالواپ کرتے رہیں۔ سید محبوب علی کے ساتھ واپسی کا سفر شروع ہوا کیوں کہ فلائٹ میں ابھی خاصا وقت تھا۔ کوئٹہ ائیر پورٹ پر پہنچ کر کسٹمز کے سپرنٹنڈنٹ مشتاق جمال دینی اور پاکستان کراٹے آرگنائزیشن کے عبدالغفار خاں صاحب سے ملاقات ہوئی جنھوں نے کراٹے کے میدان میں دنیا کے کئی ممالک میں پاکستان کا پرچم بلند کیا۔ ان کے تین بیٹے کراٹے کے قومی چیمپئن ہیں۔ بین الاقوامی سطح پر ملک کا پرچم بلند کرنے والے افراد کی قومی سطح پر سرپرستی ضروری ہے کیوں کہ یہ لوگ قوم کا سرمایۂ افتخار ہوتے ہیں۔ ٹیم کے دوسرے ساتھی محمد اشفاق، محمد ارشد، منظور احمد، صفدر بھٹی اور محمد زاہد شیخ، سڑک کے راستے لاہور کے لیے روانہ ہوئے۔ 9 مارچ 2009ء سوموار کی صبح 10 بجے یہ قافلہ بخیریت لاہور پہنچ گیا۔

چوتھا حصہ

زلزلہ، زخم اور زندگی

8 اکتوبر 2005ء: آزاد کشمیر اور بالاکوٹ میں زلزلہ

تباہی و بربادی اور موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالنے کی اس داستان کا عنوان ''زلزلہ، زخم اور زندگی'' بہت بامعنی لیکن ادھورا ہے کیونکہ اس میں ضمیر کا ذکر نہیں، لیکن شاید اس کی ایک جینوئین وجہ بھی ہے کہ دکھ، درد اور دوا کی یہ داستان بیان کرنے والا خود چلتا پھرتا زندہ ضمیر کی مانند ہے۔

''نہ ستائش کی تمنا نہ صلہ کی پرواہ'' کے پرتو ڈاکٹر آصف محمود جاہ کا ہی دوسرا نام ضمیر ہے جس کا طرز زندگی دیکھ کر مجھے اپنی زندگی سرتاپا شرمندگی محسوس ہوتی ہے اور شاید ہر باضمیر شخص اسی طرح محسوس کرتا ہو۔

جب آزاد کشمیر زلزلہ کی زد میں آیا تو نوحہ گروں کی ایک فوج ماتم میں مصروف ہوگئی اور یہ سلسلہ ہفتوں چلتا رہا لیکن میں نے اس موضوع پر قلم نہیں اُٹھایا تب لوگوں نے پوچھا کہ میں اس موضوع سے گریز کیوں کر رہا ہوں؟ میں نے جواب دیا کہ کچھ عرصہ بعد جب یہ سارے نوحہ گر زلزلہ زدگان کو بھول جائیں گے تو یہی وہ وقت ہوگا جب انہیں سپورٹ کی حقیقی ضروری ہوگی.....تب میں سطحیت اور جذباتیت کے مارے اس معاشرہ کو جھنجھوڑوں گا..... وہی ہوا، چند ہفتوں کے اندر اندر پیشہ ور ماتمی اپنی اپنی مصروفیات میں گم ہو کر زلزلہ زدگان کو بھول گئے تو میں نے نوحہ گری شروع کر دی۔

میں صرف نوحہ لکھتا رہا لیکن شاید میرا ممدوح یہ مسیحا ڈاکٹر آصف محمود جاہ وہ واحد آدمی تھا جو روز اوّل جیسے جوش، جذبے، محبت اور ہمدردی میں مست دشوار گزار رستوں پر اپنے ساتھی کارکنوں اور انسان دوست ڈاکٹروں کے ہمراہ مرہم لیے زخم تلاش کرتا رہا اور آج تک اس عظیم عبادت میں مصروف ہے، جس کا اجر صرف خالق و مالک کے پاس ہے۔

میرے پاس اس دعا کے سوا کچھ بھی نہیں کہ اے پروردگار! ہمیں دوچار اور آصف محمود جاہ عطا فرما کہ ہم مستقل زلزلہ کی زد میں آئے ہوئے زخموں میں چور لاوارث لوگ صرف تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔ اے اللہ! چند اور آصف محمود جاہ!

(حسن نثار)

.....اور قیامت آ گئی

''ایک خوف ناک چنگھاڑ سنائی دی، پہاڑ لرز گئے، زمین پھٹ گئی، سرخ آندھی آئی اور قیامت آ گئی۔ چند لمحوں میں سب کچھ ختم ہوگیا۔ میرے تین بچے اس قیامت کی نذر ہوگئے۔'' بالاکوٹ کا ایک بزرگ باشندہ اپنی آپ بیتی سنا رہا تھا۔

ہفتہ 8 اکتوبر 2005ء کے قیامت خیز زلزلے کے دن سے دل پریشان تھا۔ طبیعت اداس تھی، ٹی وی مناظر دیکھ کر دل خون کے آنسو روتا تھا، مصیبت زدہ بھائیوں کے لیے کچھ کرنے کو دل کرتا تھا۔

ارادہ کیا کہ ایمان اور نظم وضبط سے مالا مال اپنی میڈیکل ٹیم کے ساتھ ان علاقوں کا دورہ کیا جائے۔ کلینک کی ساری ٹیم فوراً تیار ہوگئی۔ میو ہسپتال سے سرجن ڈاکٹر خمیر آصف، ملتان سے ڈاکٹر رشید ملک، ظفر اقبال، فیصل آباد سے ڈاکٹر فرید اور کسٹمز ہیلتھ کیئر سوسائٹی سے راقم کے علاوہ اشفاق، نادیہ، بابر شکیل، ارشد، اقبال، شہباز، زاہد، دفتر سے محمد حسین، محمد سلیم، طلعت سجاد تیار ہوگئے۔ دواؤں کا انتظام ہوگیا۔ اشفاق نے رات گئے تک تمام ادویات خرید لیں۔ ادویات کے علاوہ مناسب مقدار میں اشیائے خور ونوش بھی خرید لی گئیں۔ غائبانہ مدد شاملِ حال رہی۔ جن اشیاء کی ضرورت تھی وہ فوراً مہیا ہوگئیں۔ رات دو بجے تک تیاری مکمل ہوگئی اور تین گاڑیوں میں تمام سامان پیک ہوتے ہی عازمِ سفر ہوئے۔

بھوگڑ منگ میں علاج اور خدمت:

تقریباً 11 بجے اسلام آباد پہنچے جہاں سے سید عثمان شاہ ڈائریکٹر جنرل کسٹمز انٹیلی جنس نے دعاؤں کے ساتھ روانہ کیا۔ تمام بھائی جلد از جلد اپنے مصیبت زدہ بھائیوں تک پہنچنا چاہتے تھے۔ حویلیاں پہنچتے ہی زبردست بارش اور ژالہ باری شروع ہوگئی۔ اپنے سے زیادہ دواؤں اور دوسری اشیاء کی فکر لاحق ہوگئی۔ زبردست بارش اور ژالہ باری میں ٹیم کے ارکان نے ترپال ڈھونڈ کر دواؤں کا تحفظ کیا۔ ایبٹ آباد پہنچتے ہی شام ہوگئی۔ ایبٹ آباد شہر میں اگرچہ کوئی زیادہ نقصان نہیں ہوا تھا لیکن کہیں کہیں زلزلہ کی تباہ کاریوں کے نشان نظر آ رہے تھے۔ شام گئے ایبٹ آباد سے مانسہرہ روانہ ہوئے۔ مقامی باشندوں سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے مانسہرہ شہر کو جو آبادی کے لحاظ سے سب سے زیادہ گنجان آباد علاقہ ہے، زلزلہ سے بالکل محفوظ رکھا جب کہ آس

پاس کے تمام علاقے اور مانسہرہ کے نواحی گاؤں زلزلہ کی تباہ کاریوں کی نذر ہو گئے۔ مانسہرہ کے ڈی سی او سے رابطہ کرنے پر پتہ چلا کہ مانسہرہ کے قریبی علاقے ڈھاڈرا ویلی میں ابھی تک کوئی طبی امداد نہیں پہنچ سکی اس لیے صبح کو وہاں جانے کا پروگرام بنا۔ میڈیکل کیمپ کے لیے بھوگڑ منگ جو کہ مانسہرہ سے کوئی 15-20 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے اور پہاڑوں کے دامن میں واقع ہے' کا انتخاب کیا گیا۔ اگلے روز صبح 5:30 بجے سب ساتھی پورے عزم اور ارادہ کے ساتھ دل میں خدمتِ خلق کا جذبہ لیے تیار تھے۔ دشوار گزار راستوں سے گزرتے ہوئے اور تباہی کے اثرات دیکھتے ہم بھوگڑ منگ کی طرف عازمِ سفر ہوئے۔ تقریباً ایک گھنٹہ سفر کے بعد علاقہ میں پہنچے۔ چھوٹی سی آبادی تھی لیکن ہر طرف تباہی اور بربادی کے آثار نمایاں تھے۔ کوشش کی کہ کوئی جگہ مل جائے۔ آخر میں یونین کونسل کی عمارت نظر آئی جو کچھ محفوظ تھی۔ وہاں پہنچ کر سامان اتارنا شروع کیا۔ اگرچہ صبح کا وقت تھا لیکن ذرا سی دیر میں بچے، بوڑھے، جوان، مرد کیمپ میں آنا شروع ہو گئے۔ ساتھیوں اور رضا کاروں نے ایک گھنٹہ میں اپنا کیمپ قائم کر لیا۔ ایک طرف پرچی بن رہی تھی۔ نادیہ اور اس کی بہن ثناء نے فارمیسی سنبھال لی۔ اشفاق نے اپنا ایمرجنسی کاؤنٹر قائم کر لیا۔ صادق اور شیخ زاہد نے دیگر انتظامی امور سنبھال لیے۔ آدھے گھنٹے میں سو سے زیادہ مریض جمع ہو گئے۔

راقم اور ڈاکٹر خمیر نے مریضوں کو دیکھنا شروع کیا۔ ڈاکٹر خمیر آصف میو ہسپتال میں سرجن ہیں، انھوں نے سب سے پہلے ایمرجنسی مریضوں کو چیک کیا۔ ان میں زخم والے اور ہڈی ٹوٹنے والے مریض بھی تھے۔ ہر مریض تباہی اور بربادی کی داستانِ غم سنا رہا تھا۔ کئی پھول جیسے بچے ملبے سے نکلنے کے بعد ابھی تک مرہم پٹی سے محروم تھے اور اکثر کے زخم خراب ہو چکے تھے۔ ساتھیوں نے اَن تھک کام کیا اور شام گئے تک 500 سے زائد زلزلہ زدگان کو طبی امداد فراہم کی۔

لاشیں، کفن اور آنسو:

جب سے مانسہرہ پہنچے تھے بالاکوٹ کی تباہی کے قصے سب سے زیادہ سن رہے تھے۔ سید احمد شہید اور شاہ اسمٰعیل شہید کا شہر بالکل برباد ہو چکا تھا اس لیے شام کو یہی پروگرام بنا کہ بالاکوٹ جایا جائے۔ 13 اکتوبر کی صبح سحری اور نمازِ فجر ادا کرنے کے بعد تمام ڈاکٹر ساتھی اور دوسرے رضا کار تیار تھے۔ بالاکوٹ مانسہرہ سے کوئی 30-35 کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ راستے میں تباہی اور بربادی کے آثار نمایاں نظر آ رہے تھے۔

عمارتیں منہدم ہو چکی تھیں اور بے سر و سامان لوگ سڑک کے کنارے بیٹھے غیبی امداد کے منتظر تھے۔ جس طرف سے گزرتے، توبہ استغفار کرتے جاتے کیوں کہ ہر طرف زلزلہ کی تباہ کاریوں کے واضح آثار تھے۔

بالا کوٹ کے قریب پہنچے تو فوجی جوان راستہ روکے کھڑے تھے کہ آپ شہر کے اندر نہیں جاسکتے۔ بڑی بحث مباحثہ کے بعد بالاکوٹ شہر کے ایک قریبی گاؤں شوال میں جانے کی اجازت ملی۔ یوں تو چھوٹا سا گاؤں تھا لیکن شاید ہی کوئی ایسا گھر ہو جو زلزلے سے بچا ہو۔ کھلے میدان میں اپنا کیمپ قائم کرلیا۔ گاؤں کے لوگ آنا شروع ہوگئے۔ یہاں آ کر طبیعت بہت اداس اور دل مغموم ہوا کیوں کہ یہاں کے سینکڑوں لوگ ابھی تک ملبے تلے دبے ہوئے تھے۔ ایک شخص کے 8 اہلِ خانہ ملبے تلے دبے ہوئے تھے۔ اس نے ہم سے اس اُمید پر کفن کا کپڑا لیا کہ لاشیں نکل آئیں تو اُنہیں دفن کرسکوں گا۔ اس علاقے میں کوئی خاص طبی امداد بھی نہیں پہنچی تھی۔ ذرا سی دیر میں مریض آنا شروع ہوگئے اور شام گئے تک ہم نے 350 کے قریب زخمی، بیمار اور مختلف امراض میں مبتلا مریضوں کا علاج کیا۔ کئی بچوں کی ہڈیاں ٹوٹی ہوئی تھیں۔ ڈاکٹر خمیر نے ان پر پلاسٹر آف پیرس چڑھایا۔ کئی بچوں اور خواتین کے گندے زخم صاف کرکے مرہم پٹی کی گئی۔

ایثار اور قربانی کے ایمان افروز مناظر:

شام گئے واپسی کا سفر شروع ہوا۔ یہاں قربانی، جذبے اور مصیبت زدہ بھائیوں کے غم میں شریک ہونے کے ایمان افروز واقعات کو بچشمِ خود ملاحظہ کیا۔ ہزاروں کی تعداد میں راشن، کپڑوں، اشیائے خور ونوش سے بھرے ٹرک آ رہے تھے، جہاں جاتے ٹرک ہی ٹرک نظر آتے۔ کوئی پنجاب سے آ رہا ہے، کوئی سندھ سے، کوئی بلوچستان سے، کوئی کراچی سے! مختلف تنظیموں کے جوان اور بوڑھے بھی سامان سے لدے ٹرک لا رہے تھے اور خود تقسیم کرکے خوشی و شادمانی محسوس کر رہے تھے۔ ہم بٹ گرام کی طرف روانہ ہوئے جو مانسہرہ سے 70 کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ راستے میں شنکیاری، بفہ اور بٹل آتے ہیں۔ یہ سارے علاقے زلزلے سے متاثر ہوئے تھے۔ جگہ جگہ تباہی اور بربادی کے آثار تھے۔ دو تین گھنٹے کے سفر کے بعد بٹ گرام پہنچے۔ پورا شہر برباد ہو چکا تھا۔ اِکا دُکا جگہیں قدرے محفوظ تھیں، تمام ڈاکٹر اور سٹاف جا چکا تھا۔ اکیلا میڈیکل سپرنٹنڈنٹ اپنے گھر کے باہر خیمہ لگائے بیٹھا تھا۔ ان سے بات ہوئی۔ انھیں سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ کیا کروں؟ ہسپتال بالکل برباد ہو چکا تھا۔ کچھ این جی اوز اور غیر ملکی امدادی ٹیموں نے خیموں میں ہسپتال قائم کیا ہوا تھا مگر ان سے کچھ بن نہیں پڑ رہا تھا۔ پتہ چلا کہ ابھی خاصے علاقے ہیں جہاں کوئی امداد نہیں پہنچی۔ ڈاکٹر محبوب نے کہا کہ آپ کوہیلی کاپٹر میں شملائی اور الائی کے علاقے میں پہنچاتے ہیں مگر ایک گھنٹے کے اندر وہ کچھ نہیں کرسکے۔ مقامی لوگوں سے پتہ کرکے ہم شملائی کے علاقے کی طرف عازمِ سفر ہوئے۔ ٹوٹی ہوئی سڑک، دشوار گزار راستہ مگر تمام ساتھیوں کی ہمت اور عزم جواں! ساتھی لڑکیاں نادیہ اور اس کی بہن ثناء ذرا بھی پریشان نہ ہوئیں۔ خدا خدا کرکے ڈیڑھ گھنٹہ

کے مشکل ترین سفر کے بعد شملائی کے قریب بنسیر کے علاقے میں پہنچے۔ یہاں ابھی تک کوئی امدادی قافلہ نہ آیا تھا اور طبی امداد بھی نہ پہنچی تھی۔ یہاں ہم نے فوراً کیمپ قائم کرلیا۔ ذرا سی دیر میں زخمی اور بیمار لوگ پہنچنا شروع ہوگئے۔ ڈاکٹر خمیر آصف ایک ٹیم کے ساتھ شملائی کے علاقے میں نکل گئے۔ ہمارے پاس بہت شدید زخمی لائے گئے۔ ایک بابا جی کی ٹانگ دو جگہ سے فریکچر تھی اور ان کا بیٹا بتا رہا تھا کہ چار دن سے نیچے لے جانے کی کوشش کر رہا ہوں۔ جلدی جلدی ان کا زخم صاف کر کے پٹی باندھی اور اپنی گاڑی میں بٹ گرام روانہ کیا۔ اس کے علاوہ کئی مریضوں کی مرہم پٹی کی۔ اس گاؤں میں کوئی گھر سلامت نہ تھا اور سب لوگ سخت سردی میں بے سر وسامان اور بغیر چھت کے اللہ تعالیٰ کے سہارے بیٹھے تھے۔ شام تک 450 مریضوں کا علاج کیا اور واپس روانہ ہوئے۔ راستہ میں بٹل کے قریب روزہ افطار کیا۔

زلزلے کے جھٹکوں میں علاج اور خدمت:

پاکستان آرمی نے بھی کئی جگہ کیمپ قائم کر لیے تھے اور اشیائے ضروریہ کی تقسیم کا نظام بہتر ہو رہا تھا۔ ہفتہ کی صبح سے بارش کا سلسلہ جاری رہا۔ سردی میں مزید اضافہ ہوگیا۔ رات پھر دو مرتبہ زلزلہ آیا اور اس کی شدت بھی زیادہ تھی۔ ٹیم کے ارکان کا جذبہ جواں تھا اگرچہ آرام کے لیے اور تازہ دم ہونے کا وقفہ محض تین گھنٹوں پر ہی محیط رہا۔ لاہور سے سعید جوئیہ صاحب نے دوبئ سے امپورٹ کر کے 100 خیمے، کمبل اور لاکھوں روپے کی ادویات بھجوائیں۔ اس لیے آج تین ٹیمیں تشکیل دی گئیں۔ ایک ٹیم ادویات کے ساتھ ایوب میڈیکل کالج بھجوائی جس نے ہسپتال میں استعمال ہونے والی لاکھوں روپے کی دواؤں کے 20 کارٹن ایوب ہسپتال پہنچائے۔ دوسری ٹیم سامان اور اشیائے خورونوش، کپڑے اور بیس خیمے لے کر مظفر آباد روانہ ہوئی۔ مظفر آباد کا خوب صورت شہر بالکل تباہ و برباد ہو چکا تھا۔ 70 فیصد سے زائد عمارتیں ملبہ کا ڈھیر اور تعفن سے سانس لینا مشکل تھا۔ ہزاروں کارکن ملبہ اٹھانے اور زندہ لوگوں کو مدد پہنچانے میں مصروف تھے۔ ٹیم نے وہاں گھر گھر جا کر کمبل، رضائیاں، خیمے اور دوسری اشیاء تقسیم کیں۔

بفہ اور بٹ گرام میں میڈیکل اور ریلیف کیمپ:

میڈیکل ٹیم پھر بٹ گرام روانہ ہوئی۔ بارش کی وجہ سے راستے پھر بند ہوگئے تھے۔ مشورہ کر کے بٹ گرام کے نواحی گاؤں کوزہ بانڈہ اور خراڑی پہنچے۔ راستے میں ہر طرف تباہی کے آثار تھے۔ گھر تو تباہ ہو چکے تھے، سردی میں بچے، بوڑھے اور عورتیں ٹھٹھر رہے تھے۔ خراڑی میں ایک گھر میں اپنا کیمپ قائم کیا۔ میڈیکل کے علاوہ کثیر تعداد میں کمبل اور بڑی مقدار میں اشیائے خورونوش ساتھ تھیں۔ زلزلے کی تباہ کاریوں کے بعد اب

یہاں مختلف قسم کی بیماریاں پھیلنا شروع ہوگئی تھیں۔ گاؤں کے اکثر لوگ جلدی بیماریوں خارش وغیرہ، انفیکشن اور کئی بچے نمونیہ کا شکار تھے۔ ابھی تک میڈیکل کور کی طرف توجہ بہت کم تھی۔ ٹیم کے ڈاکٹروں اور دوسرے ساتھیوں نے مل کر 500 سے زائد مریضوں کا علاج کیا۔ اتوار کے روز مانسہرہ کے قریبی گاؤں بفہ کی طرف روانہ ہوئے۔ آج پھر سردی میں اضافہ ہوگیا تھا۔ بفہ گاؤں تو اتنا متاثر نہ ہوا تھا مگر پتہ چلا کہ گاؤں کلہاڑو بہت زیادہ متاثر ہوا ہے اور اس میں کافی اموات ہوئی ہیں۔ یہاں اندر پہاڑوں میں جا کر کیمپ لگایا اور سارے دن میں 385 مریضوں کا علاج کیا۔ اس علاقے میں بھی بیماریاں پھیلنا شروع ہوگئی تھیں۔

اللہ کے لیے ایک خیمہ دے دیں!

سب سے زیادہ ضرورت کمبل اور خیموں کی تھی۔ علاقے کے معززین کو ساتھ ملا کر کمبل، رضائیاں اور دوسری اشیائے خورد و نوش تقسیم کیں۔ ہر شکستہ گھر جا کر 20 خیمے تقسیم کیے۔ ہر کوئی خیمہ کے لیے التجا کر رہا تھا۔ ''ڈاکٹر صاحب خدا کے لیے ایک خیمہ دے دو، میرے بچے سردی سے مر رہے ہیں۔ اللہ کا واسطہ، رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا واسطہ! دو مر گئے خیمہ نہ ملا تو وہ باقی بھی مر جائیں گے۔'' مجھے اس کی آواز ابھی تک نہیں بھولتی۔ جب بھی اس کا چہرہ سامنے آتا ہے، آنکھیں آنسوؤں سے بھیگ جاتی ہیں، اس کو اور دوسرے لوگوں کو خیمے دیے اور آج افطاری مانسہرہ میں کی۔

سوموار کو موسم خاصا بہتر رہا۔ اس لیے آج پھر بٹ گرام جانے کا پروگرام بنا۔ بٹ گرام ہسپتال خیموں میں قائم تھا۔ اب حالات کچھ بہتر ہو رہے تھے۔ کافی غیر ملکی ٹیموں مثلاً یو این ایچ سی آر (UNHCR)، فرنچ، جرمن اور اسٹونیا نے اپنے کیمپ لگائے ہوئے تھے اور مریضوں کا علاج جاری تھا۔ پتہ چلا کہ شملائی کا راستہ کھل گیا ہے چناں چہ پھر اس دشوار گزار دو گھنٹے کے سفر کے بعد بنسیر پہنچے۔ بنسیر سے شملائی 5-6 کلومیٹر کے فاصلے پر ہے جو کل سلائیڈنگ کی وجہ سے پھر بند تھا اور فوجی جوان راستہ صاف کر رہے تھے۔ کچھ دیر بعد راستہ صاف ہوا تو آگے پہنچے۔ یہاں بہت زیادہ تباہی ہوئی تھی۔ تقریباً تمام گھر اور بازار تباہ ہو چکے تھے۔ میدان میں اپنا کیمپ قائم کیا۔ ذرا سی دیر میں لوگ آنا شروع ہوگئے۔ ہر کوئی داستانِ غم سنا رہا تھا۔ شام تک 400 مریضوں کا علاج کیا۔ طبی امداد کے کام سے فارغ ہو کر دوبارہ بنسیر کے علاقے میں گئے اور ایک ایک گھر جا کر فرداً فرداً کمبل اور خیمے تقسیم کیے۔ یہاں ایک ہندو گھرانا بھی تھا جس میں ایک فرد کی موت ہوئی تھی۔ وہ کمبل اور خیمے لے کر بہت راضی ہوئے۔ منگل کو آزاد کشمیر کے شہر باغ جانے کا پروگرام تھا۔ صبح سویرے مانسہرہ سے سارا ساز و سامان پیک کر کے اسلام آباد کے لیے روانہ ہوگئے۔

اور اللہ نے بچا لیا!

مظفر آباد سے باغ جانے کا راستہ بالکل بند تھا۔ اس لیے اسلام آباد کے راستے جانا پڑا۔ راستہ میں گاڑی خراب ہونے کے باعث رکنا پڑا جس کی وجہ سے دو گھنٹے ضائع ہوئے۔ مری کے راستے باغ روانہ ہوئے۔ تقریباً 5 گھنٹے کے سفر کے بعد باغ پہنچے۔ باغ کے کھنڈرات بتا رہے تھے کہ یہ کبھی ہنستا بستا شہر تھا۔ چہار سمت تباہی ہی تباہی تھی۔ سکول، عمارتیں، مارکیٹیں، مساجد غرضے کہ سب کچھ تباہ ہو چکا تھا۔ لاشوں کے تعفن کی وجہ سے سانس لینا دوبھر ہو رہا تھا۔ ہماری منزل یہاں سے 25 کلومیٹر دور ''سدھن گلی'' تھی جہاں پہنچنے میں تقریباً 3 گھنٹے لگے۔ یہ زندگی کا مشکل اور دشوار گزار ترین سفر تھا۔ سدھن گلی کے راستے میں ہی افطاری کا وقت ہو گیا۔ افطاری کے لیے صرف کھجوریں اور پانی ہی میسر تھا۔ ابھی افطاری کے لیے رکنے کا ارادہ ہی کر رہے تھے کہ پہاڑوں سے سلائیڈنگ شروع ہوگئی۔ ایک بہت بڑا پتھر پلک جھپکتے میں ہماری گاڑی کے آگے سے گزر گیا۔ ڈاکٹر فرید نے فوراً گاڑی روکی اور سب نے نیچے اتر کر یقینی موت سے بچنے پر اللہ کا شکر ادا کیا کیوں کہ موت اور زندگی میں صرف چند سیکنڈ کا فاصلہ رہ گیا تھا۔ پانی اور کھجوروں سے روزہ افطار کیا اور نمازِ مغرب ادا کر کے پھر دوبارہ منزل کی طرف روانہ ہوئے۔ راستے میں ہر طرف تباہی اور غم کی داستانیں تھیں۔ ایک جگہ گاڑی رُکی۔ یہاں صرف چند لوگ باقی تھے۔ ایک مکین نے بتایا کہ صرف اس گاؤں میں 135 اموات ہوئیں۔ باغ کے راستے میں گاؤں کے لوگ ہماری مدد کے منتظر تھے۔ آگے چیک پوسٹ پر اپنا اندراج کروایا۔ باغ سے 25 کلومیٹر کا فاصلہ طے کر کے سدھن گلی پہنچے اور یہاں سے 5-6 کلومیٹر کا فاصلہ ایک گھنٹے میں طے کر کے ایک گاؤں میں پہنچے جہاں سڑک کے کنارے بیٹھے سینکڑوں لوگ طبی اور دوسری مدد کے منتظر تھے۔ انھوں نے بتایا کہ یہاں ابھی خاطر خواہ مدد نہیں پہنچی اور میڈیکل کور کی یہ پہلی ٹیم ہے۔ رات خاصی ہو چکی تھی اس لیے یہاں کیمپ لگانا ممکن نہ تھا۔ یہاں تمام ادویات آرمی کے ایک ڈسپنسر کے حوالے کیں اور اس نے وعدہ کیا کہ وہ ساری ادویات یہاں کے لوگوں میں رضا کارانہ تقسیم کرے گا۔ واپسی کا سفر بھی اتنا ہی پر خطر تھا۔ سحری کے بعد چلے ہوئے 15 گھنٹے گزر چکے تھے اور افطاری کے علاوہ کچھ کھایا بھی نہ تھا۔ کوہالہ کے قریب ایک ہوٹل میں چاول مل گئے جو رات 12 بجے کے قریب کھائے اور خدا خدا کر کے 3 بجے واپس اسلام آباد پہنچے۔ اسلام آباد سے سحری کر کے کچھ دیر آرام کیا اور بدھ کی شام یہ سفر اپنے اختتام کو پہنچا۔ سدھن گلی میں آس پاس تباہی و بربادی کے عجیب منظر دیکھے۔ یہاں سڑک جگہ جگہ پھٹی ہوئی تھی۔ پہاڑ اپنی جگہ سے سرکے ہوئے تھے اور یوں سورۃ القارعۃ اور زلزال میں بیان کی گئیں نشانیاں پوری ہو رہی تھیں۔

اللہ پاک کی مہربانی اور کرم نوازی سے دس دن کے اس پُر خطر سفر میں ہمارے ساتھ کوئی ناخوش گوار واقعہ پیش نہ آیا۔ جہاں بھی گئے لوگوں نے زبردست تعاون کیا۔ مصیبت کی اس گھڑی کے باوجود بے سروسامانی کے عالم میں بھی افطاری کے لیے اصرار کرتے رہے۔ بڑے ڈسپلن سے اپنی باری پر چیک اپ کرواتے اور چیزیں لیتے رہے۔ جہاں جہاں بدنظمی ہوئی اس میں چیزیں بانٹنے والوں کا بھی قصور تھا۔

مظفر آباد اور بالاکوٹ کی سسکیوں بھری وادیاں

پچھلے سفر میں کافی تشنگی رہی۔ اگر چہ دس دن خوب کام کیا لیکن ان دنوں میں زیادہ تر معاملہ مانسہرہ، بٹگرام کی طرف رہا اور آزاد کشمیر کے متاثرہ علاقوں میں جانے کا موقع نہ ملا۔ اگر چہ رمضان المبارک چل رہا تھا اور روزے رکھ کر صبح شام پہاڑوں میں کام کرنا دل گردے کا کام تھا لیکن ٹیم کے تمام اراکین کا عزم جواں تھا۔ سب دوبارہ ساتھ جانے کے متمنی تھے۔ جلد ہی اکتوبر 2005ء کے آخری ہفتے میں دوبارہ جانے کا پروگرام طے پایا۔ اس بار سروسز ہسپتال کے ڈاکٹر زشہزاد انور، جاوید قاضی، ان کے اسسٹنٹ محمد اصغر اور سرگودھا سے ڈاکٹر نوید انور اپنے اسسٹنٹ محمد الیاس کے ساتھ ہماری ٹیم میں شامل ہو گئے۔ دواؤں کے علاوہ بڑی تعداد میں کمبل اور گرم کپڑے بھی جمع ہو گئے۔ کلکٹر کسٹمز نے گردے صاف کرنے کی دو مشینیں بھی مہیا کر دیں۔ اشیائے خورونوش کے پانچ سو پیکٹ اور دیگر اشیاء کے ساتھ گاڑیوں کا انتظام بھی کر دیا گیا۔ کسٹمز ہیلتھ کیئر سوسائٹی کے تمام ارکان ایک نئے عزم اور جذبے کے ساتھ ساتھ بھرپور تیاریاں کر رہے تھے۔ کسٹمز کے ساتھیوں ڈاکٹر رضوان سعید جوئیہ، امانت وغیرہ نے اس دفعہ بھرپور تعاون کیا۔ سروسز ہسپتال کے ڈاکٹر شہزاد انور اور ڈاکٹر جاوید قاضی نے خاصے عطیات جمع کیے تھے۔ گاڑیوں کا قافلہ 27 اکتوبر کو جمعہ کی نماز پڑھ کر روانہ ہوا۔ سب ساتھی ہمارے فلاحی ہسپتال سے خیر و عافیت کی دعا کر کے روانہ ہوئے۔ روزہ راستہ میں افطار ہوا اور رات گئے اسلام آباد سے ہوتے ہوئے ایبٹ آباد پہنچے۔ ڈاکٹر فرید ہم سے پہلے ہی یہاں پہنچ چکے تھے۔ انھوں نے سڑک کے کنارے واقع زین ہوٹل میں ہمارے قیام کا بندوبست کیا۔

زلزلے کے مزید جھٹکے:

ڈاکٹر نوید انور اپنے ساتھی الیاس اور عطیات کے ساتھ سرگودھا سے پہنچ گئے۔ 11 بجے کے قریب ابھی تمام ساتھی سونے کے لیے تیاری کر رہے تھے کہ زوردار زلزلہ کی گڑگڑاہٹ سے سب کمروں سے باہر نکل آئے۔ زلزلہ کے جھٹکے 8 اکتوبر سے اب تک روزانہ جاری ہیں اگر چہ ان کی شدت زیادہ نہیں لیکن تواتر کے ساتھ ہونے کی وجہ سے لوگوں میں خوف و ہراس پھیلا ہوا ہے۔ زلزلے کی وجہ سے اس رات کوئی بھی نہ سو سکا۔ صبح سب نے اکٹھے بیٹھ کر سحری کی اور فجر کی نماز میں اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اللہ مصیبت زدہ لوگوں کی مدد کرے

اور انہیں مزید آزمائشوں سے بچائے اور ہمیں ان کی زیادہ سے زیادہ خدمت کرنے کی توفیق دے۔ نماز سے فارغ ہو کر سب ساتھیوں کو تیار ہونے کا کہا۔ ابھی پو نہ پھٹی تھی کہ روانگی کے لیے تیار ہو گئے۔ آج مظفر آباد جانے کا ارادہ تھا۔ حالیہ زلزلہ میں مظفر آباد سب سے زیادہ متاثر ہوا۔ تمام سرکاری دفاتر، عمارتیں، وزیر اعظم ہاؤس وغیرہ سب ملیا میٹ ہو گئے، اس پر آزاد کشمیر کے وزیر اعظم کو کہنا پڑا کہ ''مجھے لگتا ہے کہ میں قبرستان کا وزیر اعظم ہوں'' ایبٹ آباد سے مانسہرہ اور بالاکوٹ کے راستے گڑھی حبیب اللہ سے ہوتے ہوئے مظفر آباد جانے کا پروگرام تھا۔ مانسہرہ سے نکلتے ہی تباہی و بربادی، اُداسی و افسردگی کے آثار نمایاں نظر آ رہے تھے۔ ہر طرف مسمار عمارتیں، بے خانماں و برباد لوگ اور سڑکوں پر دونوں طرف امداد کے منتظر دونوں ہاتھ پھیلائے بچے صبح سویرے کھڑے نظر آ رہے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ صبح سویرے امدادی سامان کے ٹرکوں اور گاڑیوں کی لمبی قطاریں نظر آ رہی تھیں۔ بالاکوٹ شہر کے قریب سے گزرتے ہوئے اس شہر کے اوّلین شہداء شاہ اسمٰعیل شہید، سیّد احمد شہید، ان کے ساتھیوں اور حالیہ زلزلہ میں شہید ہونے والوں کے لیے دعائے مغفرت کی۔ اس شہرِ بے نصیب کے زندہ باسیوں کی جلد بحالی اور بہتری کے لیے بھی دعا کی اور یہ عزم کیا کہ جب بھی موقع ملا ان لوگوں کی خدمت کے لیے آتے رہیں گے۔ گڑھی حبیب اللہ بھی زلزلہ سے بہت زیادہ متاثر ہوا۔ یہاں ہزاروں ننھے منے پھول دل میں لاکھوں ارمان لیے پل بھر میں مرجھا گئے اور اپنے زندہ بچنے والے ماں باپ کو عمر بھر کا پچھتاوا اور دکھ دے گئے۔ مظفر آباد کے قریب پہنچے ہی تھے کہ ایک خوف ناک حادثے سے دوچار ہوتے ہوتے رہ گئے۔

وہ بابا نہیں فرشتہ تھا:

دو گاڑیاں تو خیریت سے آگے چلی گئیں لیکن ایک گاڑی جس میں اشفاق، ارشد، طلعت شکیل اور دوسرے ساتھی سوار تھے اچانک رک گئی۔ پیچھے پہنچے تو ڈرائیور اور سارے ساتھی خوف سے کانپ رہے تھے۔ گاڑی کا ٹائی راڈ ٹوٹ گیا تھا اور ڈرائیور کے کنٹرول سے گاڑی نکل گئی تھی۔ طلعت ڈرائیور نے بتایا کہ اس نے کلمہ پڑھ کر گاڑی کو اللہ کے حوالے کر دیا۔ بچاؤ کا کوئی راستہ نہ تھا۔ گاڑی سیدھی نیچے جا رہی تھے۔ اچانک کیا ہوا کہ ایک چھوٹے سے پتھر نے گاڑی کا رخ موڑ دیا۔ رُخ کیسے مڑا۔ کس غیبی طاقت نے موڑا۔ یہ اللہ ہی جانتا ہے اور یوں خوف ناک حادثے سے اللہ نے بچایا۔ جہاں گاڑی رکی وہاں ایک بزرگ کھڑا تھا اور کوئی فرد نہ تھا۔ ابھی ڈرائیور اُتر ہی رہا تھا کہ وہ بابا آیا اور ایک کمبل اور خیمے کا مطالبہ کیا۔ ہم نے فوراً اسے دیا، اس کے بعد وہ غائب ہو گیا۔ ایسے لگتا ہے کہ وہ بابا نہیں تھا بلکہ اللہ نے فرشتہ بھیج کر ہماری مدد کی۔ گاڑی ٹھیک کروانے میں خاصا وقت لگا۔ وہیں ظہر کی نماز ادا کی اور جان بچنے پر اللہ کا شکر ادا کیا۔

وحشت زدہ نیلم سٹیڈیم:

مظفر آباد مکمل بربادی اور ویرانی کا منظر پیش کر رہا تھا۔ ہر طرف اداسی تھی۔ ایک مکمل وحشت چھائی تھی۔ نیلم سٹیڈیم کا تو عجیب منظر تھا۔ ہر دو منٹ بعد ایک ہیلی کاپٹر اترتا اور لاشوں اور زخمیوں کو اتارتا۔ ہر طرف موت کی پرچھائیاں چھائی ہوئی تھیں۔ مظفر آباد شہر سے آگے نکل کر ایک چھوٹے سے گاؤں ''شوبڑی'' میں میڈیکل کیمپ لگایا۔ یہاں سو سے زائد مریضوں کا علاج کیا۔ ڈاکٹر فرید اور ڈاکٹر قاضی نے گاؤں میں گھر گھر جا کر سروے کر کے خیمے، کمبل اور دوسری اشیائے خورونوش تقسیم کیں۔ ہماری ٹیم کی زیادہ تر یہی کوشش ہوتی کہ ایسی جگہ پہنچ کر لوگوں کی مدد کی جائے جہاں پہلے مدد نہ پہنچی ہو۔ فارغ ہونے کے بعد واپسی کا سفر شروع کیا۔ روزہ راستے میں افطار کیا اور رات گئے واپس ایبٹ آباد پہنچے۔

برباد شہر، بالاکوٹ:

اگلے دن صبح سویرے سحری سے فارغ ہو کر نمازِ فجر ادا کی۔ نماز کے بعد بالاکوٹ جانے کا پروگرام بنا۔ بالاکوٹ حالیہ زلزلہ میں سب سے زیادہ متاثر ہوا۔ ہزاروں لوگ پل بھر میں لقمۂ اجل بن گئے۔ مانسہرہ سے ہوتے ہوئے بالاکوٹ کی طرف روانہ ہوئے۔ شہر کے قریب پہنچتے ہی موت کی پرچھائیاں نظر آنا شروع ہو گئیں۔ ایسے لگتا تھا کہ پورے شہر کو بل ڈوز کر دیا گیا ہے یا پھر کارپٹ بمبنگ سے اس کو تہس نہس کر دیا گیا ہے۔ ہر طرف تباہی اور بربادی کی داستانیں تھیں۔ پورا شہر اجڑا ہوا نظر آ رہا تھا۔ کوئی بلڈنگ سلامت تھی نہ بازار۔

اے اللہ! ہم تیری رضا پہ راضی ہیں:

اُجڑا ہوا شہر اداس تھا مگر ایک بینر جس پر لکھا ہوا تھا کہ ''اے اللہ ہم تیری رضا پر راضی ہیں'' دیکھ کر ایمان تازہ ہوا اور دل خوش ہو گیا۔ مسلمان پہ چاہے جتنی بھی آفت آ جائے اسے جو بھی مالی و جانی نقصان اٹھانا پڑے۔ اس کا آخری سہارا اللہ ہی ہوتا ہے اور وہ شہر پہنچ کر ''شاہ اسمٰعیل شہید'' کے مزار پر حاضری دی۔ اگرچہ ارد گرد کی دیواریں اور کچھ قبریں گری ہوئی تھیں مگر شاہ اسمٰعیل شہید کی سادہ سی قبر سلامت تھی۔ سب ساتھیوں نے فاتحہ پڑھی۔ وہاں ایک بابا جی ملے۔ ان سے حالات کا پوچھا۔ بتا رہے تھے کہ میرے گھر سے سات جنازے اُٹھے۔ میں نے کہا اب کیا حال ہے۔ بتایا کہ صبح سویرے تبلیغی جماعت کے کیمپ میں پہنچ جاتے ہیں اور متاثرہ لوگوں کی خدمت کر کے دل کو سہارا دیتے ہیں کیوں کہ اس شہر میں جو بچ گئے ہیں ان کی مدد کر کے دل کو تسلّی ہوتی ہے۔ بابا جی کی مالی مدد کی۔ بالاکوٹ شہر سے دس کلومیٹر آگے نکل کر ایک چھوٹے سے گاؤں ''سانگڑ'' میں کیمپ لگایا۔ اس گاؤں میں تقریباً سارے گھر متاثر ہوئے اور 100 سے زائد اموات ہوئیں۔ ڈاکٹر قاضی، ڈاکٹر فرید،

ڈاکٹر نوید انور پہاڑوں سے ہوتے ہوئے گاؤں کے اندر چلے گئے اور گھر گھر جائزہ لے کر خیمے، کمبل اور اشیائے خورد و نوش تقسیم کیں۔ سڑک کے کنارے میڈیکل کیمپ شروع ہو گیا۔ ڈاکٹر نوید، ڈاکٹر شہزاد نے بھی مریض چیک کرنا شروع کر دیے۔ ذرا سی دیر میں سینکڑوں لوگ اکٹھے ہو گئے۔

برباد بستیوں کی داستانِ الم:

500 کے قریب مریضوں کو چیک کیا اور ضروری ادویات دیں۔ ہر کوئی درد و غم کی داستان سنا رہا تھا۔ نوجوان رقیہ بیگم اپنے پھول سے بچے کو گود میں لیے ہوئے اپنی داستان سناتے ہوئے رو پڑی کہ اس نے بڑے چاؤ سے سحری کھلا کے اپنے ٹیچر خاوند کو سکول روانہ کیا تھا کہ زلزلہ نے اس کا سہارا چھین لیا اور وہ اپنے ننھے بچے کے ساتھ دنیا میں اکیلی رہ گئی۔ شام گئے فارغ ہوئے۔ مانسہرہ کے قریب افطاری کا وقت ہو گیا۔ روزہ افطار کر کے نمازِ مغرب ادا کی اور واپس ایبٹ آباد کے لیے روانہ ہوئے۔

30 اکتوبر کو مانسہرہ کے علاقے میں جانے کا پروگرام بنا۔ مانسہرہ زلزلہ سے زیادہ متاثر نہیں ہوا مگر اس کے مقامات شنگیاری، ڈھاڈر ویلی، بٹل اور بٹ گرام وغیرہ میں بہت تباہی آئی۔ سب ساتھی سحری اور نماز سے فارغ ہو کر اللہ سے دعا کر کے نئے سفر کے لیے روانہ ہوئے۔ مانسہرہ سے شنگیاری ہوتے ہوئے سچل کلاں پہنچے۔ اس علاقے میں آرمی کے کیمپ تھے۔ فرید اور دوسرے ساتھی گاؤں میں جائزہ لینے چلے گئے تا کہ ضرورت مندوں کا پتہ چلے تا کہ ان میں کمبل، خیمے وغیرہ تقسیم کیے جا سکیں۔ ذرا سی دیر میں دوائی لینے والوں کا ہجوم اکٹھا ہو گیا۔ یہاں 27 پنجاب کے میجر وقار اور ان کے جوانوں نے ہمارے ساتھ خوب تعاون کیا۔ ڈاکٹر قاضی اور ڈاکٹر شہزاد نے، جو سروسز ہسپتال میں ماہرِ امراض گردہ و مثانہ ہیں، بڑی دل جمعی اور جذبے سے مریض دیکھنا شروع کیے۔ ڈاکٹر نوید انور، جو اپنا ذاتی کلینک چلاتے ہیں، بھی بڑے شوق سے مریضوں کا معائنہ اور علاج کرتے رہے۔ شام تک 600 مریضوں کا علاج کیا، ادویات دیں اور پھر واپسی کا سفر کیا۔

ایوب ہسپتال ایبٹ آباد کے پچھلے سفر کے دوران میڈیکل سپرنٹنڈنٹ ڈاکٹر ظفیر سے ملاقات ہوئی۔ انھوں نے بتایا کہ ایوب میڈیکل کالج ایبٹ آباد میں گردے صاف کرنے والی ڈائیلسز مشینیں نہیں ہیں۔ کلکٹر کسٹمز لاہور محبوب ثاقب سے بات ہوئی۔ انھوں نے چیئرمین سنٹرل بورڈ آف ریونیو جناب عبداللہ یوسف سے منظوری لے کر وئیر ہاؤس میں پڑی دو مشینیں ہمارے حوالے کر دیں۔ صبح سویرے دو ساتھیوں کو مشینوں کے ساتھ ایوب میڈیکل کالج روانہ کر دیا۔ ڈاکٹر ظفیر نے شکریہ کے ساتھ مشینیں وصول کیں۔ ساتھیوں نے واپس آ کر ایوب ہسپتال میں زلزلہ زدگان کی حالتِ زار کا بتایا۔ پورا ہسپتال، پارکنگ ایریا اور اردگرد کی جگہ سب

زخمیوں سے بھری ہوئی تھیں۔ ہر مریض کی اپنی اپنی داستانِ غم والم تھی۔

سُم الٰہی منگ میں علاج اور خدمت:

یکم نومبر کو اگرچہ واپسی کا پروگرام تھا مگر ساتھیوں کے مشورے سے ایک دن مزید ٹھہرنے کا پروگرام بنا۔ پچھلے اور اس سارے سفر کے دوران اسماء اور بچّوں سے سرگودھا میں والدین اور خاص طور پر ساس محترمہ (صوفیہ بیگم) سے خصوصی رابطہ رہا جو اس مشکل سفر سے پریشان تھے مگر ہمیشہ ہمّت بڑھائے اور دعائیں دیتے رہے۔ ان کی دعاؤں کی بدولت اللہ نے ہمّت دی اور دو دفعہ تو اللہ تعالیٰ نے یقینی موت سے بچایا۔ صبح سویرے سحری اور نماز سے فارغ ہو کر پھر مانسہرہ سے ہوتے ہوئے شنکیاری کے قریب دریا سے دوسری جانب لکڑی کے پُل سے گزر کر ایک چھوٹے سے گاؤں سُم الٰہی منگ پہنچے۔ اس چھوٹے سے قصبے میں زلزلے کی وجہ سے تقریباً تمام گھر متاثر ہوئے۔ علاقے کے لوگوں کے مطابق یہاں اس سے پہلے کوئی میڈیکل ٹیم نہ پہنچی تھی۔ گاؤں جا کر قبرستان میں میڈیکل کیمپ لگایا۔ سُم الٰہی منگ ایک چھوٹا سا قصبہ ہے جو مانسہرہ سے 25 کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ اس کی آبادی تقریباً 2 ہزار ہے۔ یہاں کے نوجوان لڑکوں نے ہمارے ساتھ بھرپور تعاون کیا خصوصی طور پر قمرالاسلام نے ہمارا ہر طرح سے خیال رکھا اور کیمپ لگانے میں مدد کی۔ جلد ہی سینکڑوں عورتیں، مرد، بچے اور بڑے جمع ہو گئے۔

مریضوں کا معائنہ شروع کیا۔ زیادہ تر بچوں میں بخار، کھانسی، خارش، سانس کی تکلیف تھی۔ عورتوں میں سانس چڑھنے، جسم میں درد اور معدہ میں درد کی تکالیف تھیں۔ بوڑھے سانس چڑھنے اور جسم میں دردوں کی علامات کے ساتھ آئے۔ 500 سے زائد مریضوں کا علاج کیا اور واپسی کا سفر اس عزم کے ساتھ شروع کیا کہ ان شاء اللہ جب بھی دوبارہ موقع ملا ان مصیبت زدہ بہن بھائیوں کی خدمت کے لیے ضرور آئیں گے۔ سُم الٰہی منگ کے باسیوں نے بڑی محبت اور عقیدت کے ساتھ ہمیں الوداع کیا۔

کالا ڈھاکہ کی بلند فضاؤں اور یخ بستہ ہواؤں میں علاج اور خدمت

اُوگی سے بار بار پروفیسر عطاء الرحمٰن کے فون آ رہے تھے۔ وہ کالا ڈھاکہ کے زلزلہ زدہ علاقوں کے لوگوں کی مدد کا کہہ رہے تھے۔ رمضان المبارک کے مہینے میں 15 دن مانسہرہ، مظفر آباد اور بالاکوٹ میں گزار کر میڈیکل ٹیم اگرچہ کچھ تھک چکی تھی لیکن دوبارہ جانے کے لیے سب پُرعزم تھے۔ رائے ونڈ کے آنے والے تبلیغی اجتماع کی وجہ سے دل و دماغ میں کش مکش جاری تھی۔ پچھلے 25-20 سال سے رائے ونڈ کے اجتماع میں بھرپور شرکت ہوتی رہی اور اس دفعہ بھی جانے کی مکمل نیت اور تیاری تھی، مِس کرنے کا ذرا بھی خیال نہ تھا۔ کالا ڈھاکہ کے لیے کمبل، خیموں، ادویات، راشن، جرسیوں اور دوسری چیزوں کی ڈیمانڈ تھی۔ پچھلے دنوں ریلیف/میڈیکل کیمپوں کے لیے دوستوں نے جی بھر کر تعاون کیا تھا۔ ابھی پروگرام بنانے کا سوچا بھی نہ تھا کہ خیموں کا بھی انتظام ہوگیا۔ ایک دوست نے باہر سے کمبل منگوا دیے، ایک نے ادویات کا ذمہ لے لیا، ایک نے اپنی گاڑی دے دی، ایک نے سویٹر دے دیے اور خاطر خواہ رقم کا انتظام بھی ہوگیا۔

نومبر 2005ء کے دوسرے ہفتے عالمی تبلیغی اجتماع شروع ہونے کو تھا۔ مولانا انعام الحق صاحب اور فضل الرحمٰن سے مشورہ ہوا۔ مولانا انعام الحق، جو تبلیغی جماعت کے اکابرین میں سے ہیں، ان کے مشورہ سے جمعرات صرف تھوڑی دیر کے لیے رائے ونڈ جانے کا پروگرام بنا۔ جمعرات کو حسبِ سابق رائے ونڈ پہنچے، وہاں ظہر کی نماز ادا کی اور واپس لاہور آ گئے۔ جانے کی بھرپور تیاریاں جاری تھیں، ٹرک لوڈ ہو رہا تھا۔ دوائیں پیک ہوئیں اور یوں کالا ڈھاکہ کے سفر کے لیے جمعرات کو روانگی ہوئی۔

عصر کی نماز پڑھ کر روانہ ہوئے۔ ٹیم میں راقم کے علاوہ ایڈیشنل کلکٹر کسٹمز محمد صادق، شکیل، مشتاق، ارشد، اشفاق، محمد زاہد، رفیق، حافظ اختر، جمیل، مولانا فضل الرحمٰن اور مزدا ڈرائیور شامل تھے۔ بندہ جب اللہ کے راستے میں مخلوق کی بھلائی کے لیے نکل کھڑا ہو تو اللہ تعالیٰ دنیا بھر میں اسے اعزاز و اکرام سے نوازتے ہیں۔ صادق صاحب کے دوست خالد صاحب گوجرانوالہ میں استقبال کے لیے بنفسِ نفیس تشریف لائے اور پوری ٹیم کو پُرتکلف کھانا کھلایا۔ راولپنڈی بہت دیر سے پہنچے۔ وہاں ایک ہوٹل میں قیام کا مشورہ ہوا مگر جاتے ہی کام شروع کر دیا۔ مولانا فضل الرحمٰن ساتھ تھے، باغ میں ان کے خاندان کے زلزلہ زدہ لوگ یہاں راول

ٹاؤن میں آباد تھے۔

ان کے ساتھ وہاں جانے کے لیے نکلے۔ راول ٹاؤن کی خیمہ بستی بہت منظم طریقے سے بنائی گئی تھی۔ کویت والوں نے خیمے فراہم کیے تھے اور یہاں 500 سے زیادہ لوگ رہائش پذیر تھے۔ رات کا ایک بجا تھا پھر بھی کیمپ کے رہائشی ہمارے استقبال کے لیے باہر آئے۔ یہاں کچھ دیر قیام کیا اور کمبل اور اشیائے خورونوش تقسیم کیں۔

رات دو تین گھنٹے قیام کے بعد صبح نمازِ فجر کے بعد منزلِ مقصود کی طرف رواں دواں ہوئے۔ ایبٹ آباد تقریباً دس بجے پہنچ گئے۔ وہاں ایک گاڑی خراب ہوگئی جس کو ٹھیک ہونے میں پورا دن صَرف ہوگیا۔ اس عرصے میں غنیمت جانتے ہوئے ایبٹ آباد کے مشہور مقامات شملہ پہاڑی، جو پہاڑوں کی بلندی پر واقع ہے، کی سیر کی اور مشہور الیاسی مسجد دیکھی جس کے قدرتی چشمے کا لاجواب اور یخ ٹھنڈا پانی پی کر طبیعت خوش ہوگئی۔

شام گئے پھر عازمِ سفر ہوئے اور رات گئے دشوار گزار سفر کرتے اوگی میں پروفیسر عطاء الرحمٰن کے ہاں پہنچے جہاں علاقے کے عمائدین نے بھرپور استقبال کیا۔ اوگی مانسہرہ سے 36 کلومیٹر کے فاصلے پر ہے اور یہاں زلزلے سے اگرچہ کوئی زیادہ نقصان نہیں ہوا تھا لیکن اکثر لوگوں کے گھر ناقابلِ رہائش ہوگئے تھے۔ پروفیسر عطاء الرحمٰن کا پورا خاندان باہر خیموں میں رہائش پذیر تھا۔ ان کے چچا ڈاکٹر دلاور، جو علاقے کی مشہور سماجی شخصیت ہیں، صبح شام متاثرہ لوگوں کی خدمت میں مصروف تھے۔ انھوں نے بتایا کہ آج صبح ہی ایک دس سالہ بچہ آیا اور بتایا کہ اس کی والدہ نے بچے کو جنم دیا ہے چوں کہ مکان گرا ہوا ہے، اس لیے وہ کھلے آسمان تلے بیٹھے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنے لیے لگایا ہوا ٹینٹ اتار کر بچے کے حوالے کر دیا۔ سن کر طبیعت بڑی خوش ہوئی۔ پُرتکلف کھانے کا اہتمام ہوا۔ رات شکستہ مکان میں گزاری۔ اگرچہ پوری فیملی باہر خیموں میں سو رہی تھی۔

اُوگی میں موسم خاصا سرد تھا۔ یخ بستہ ہوائیں چل رہی تھیں۔ صبح سویرے ڈاکٹر دلاور نے دُور سے کالا ڈھاکہ کے پہاڑ دکھائے جہاں جانے کا ارادہ تھا۔ ناشتہ کرنے کے بعد اوگی کے گاؤں ڈھیران سے ½ ۱ گھنٹہ سفر کے بعد سنگلی بانڈی پہنچے جو پہاڑوں میں گھرا ہوا ایک چھوٹا سا گاؤں ہے۔ یہاں بھی زلزلہ سے خاصے گھر متاثر ہوئے۔ کچھ دیر کے لیے یہاں قیام کیا۔ یہاں کالا ڈھاکہ کے زلزلہ زدہ لوگ خاصی تعداد میں آئے ہوئے تھے جو کئی گھنٹے پیدل چل کر یہاں پہنچے تھے۔ یہاں ہمیں بتایا گیا کہ آگے آپ کی گاڑیاں نہیں جاسکتیں، جیپوں میں جانا پڑے گا۔ ادویات کے علاوہ تمام سامان بشمول خیمے، کمبل، اشیائے خورونوش، سویٹر وغیرہ یہاں اُتارے اور بڑے منظم طریقے سے کالا ڈھاکہ کے لوگوں میں تقسیم کیے۔ ان غریب سادہ لوح دیہاتی لوگوں نے فقید المثال

نظم وضبط کا مظاہرہ کیا ترتیب کے مطابق اشیاء کی تقسیم ہوئی۔

پرخطر دشوار گزار وادیوں میں پیدل سفر:

اب زندگی کا مشکل ترین، پُر خطر، دشوار، جاں گسل سفر جیپ پر شروع ہوا۔ سڑک نام کی کسی شے کا کوئی وجود نہیں، جگہ جگہ گڑھے پڑے ہوئے تھے۔ بڑے بڑے پتھروں کے درمیان بل کھاتی وادیوں اور آسمان سے باتیں کرتے پہاڑوں کے درمیان جیپ کچھوے کی چال سے رواں دواں تھی۔ ہر لمحہ پُر خطر، ذرا سی غلطی جان لیوا۔ ہر موڑ پر آنتیں منہ کو آتیں اور جسم کا جوڑ جوڑ ڈھیلا ہو گیا۔ خدا خدا کر کے 1½ گھنٹہ کا سفر طے ہوا۔ کالا ڈھاکہ بلند و بالا، خوف ناک پہاڑ سامنے نظر آ رہے تھے۔ اس سفر کا ایک حصہ ختم ہوا۔ اب دوسرا حصہ شروع کرنا تھا۔ اب پہاڑوں پر پیدل چلنا تھا۔ آج پتہ چل رہا تھا کہ شاعر نے کیوں کہا کہ:

انہی پتھروں پہ چل کر اگر آ سکو تو آؤ
مرے گھر کے راستے میں کوئی کہکشاں نہیں ہے

گرتے پڑتے، لڑکھڑاتے، ہانپتے، کانپتے ایک دوسرے کو سہارا دیتے آخر کار ایک گھنٹہ کے سفر کے بعد پہلی منزلِ مقصود ''کنگر حسن زئی'' پہنچے۔ چھوٹا سا گاؤں جس کے اکثر کچے گھر زلزلے سے مسمار تھے۔ یہاں مسجد میں پڑاؤ ہوا۔ علاقے کے سارے لوگ استقبال کے لیے اکٹھے ہو گئے۔ سب لوگ ہمیں دیکھ کر خوشی سے پھولے نہ سما رہے تھے اور خدمت کے لیے تیار تھے۔ مسجد میں آرام کرنے کے لیے بستر بچھے ہوئے تھے۔ ذرا سی دیر میں کھانا آ گیا، کھانے کے بعد ایک کچے گھر کے ایک کمرہ میں بیٹھ کر یہاں کے مریضوں کو دیکھنا شروع کیا۔ یہاں پس ماندگی، غربت، سہولیات کی عدم موجودگی اپنی انتہا کو تھیں۔ ایسے لگتا تھا کہ صدیوں پرانے ماحول میں ہیں مگر اللہ گواہ رہے کہ کنگر کے علاقے میں ایک کچے بوسیدہ مکان میں بیٹھ کر مریضوں کو دیکھ کر جو تسلی اور اطمینانِ قلب ہوا وہ لاکھوں دوسرے مریض دیکھنے سے نہ ہوا ہوگا۔ سخت سردی میں عورتیں، معصوم بچے پتلے کپڑوں میں تھے جبکہ سردی سے ہمارے دانت بج رہے تھے۔ بچوں میں زیادہ تر بخار، نظامِ تنفس کی بیماریاں، خارش اور عورتوں میں خون کی کمی، گلہڑ، جسم میں درد، معدے میں جلن وغیرہ کی تکالیف تھیں۔ کچھ بوڑھی عورتوں کو ٹی بی کی بیماری تھی۔ ان کو دواؤں کے لیے نقد امداد دی۔ شام تک سو سے زائد مریضوں کا علاج کیا اور ادویات دیں۔

اب اگلے سفر کا بگل بجا۔ آگے بلندی پر جانا تھا۔ راستہ مزید دشوار گزار تھا۔ ہمارا سامان اور ادویات علاقے کے لوگوں نے اٹھالیں۔ پھونک پھونک کر قدم رکھتے آگے بڑھے۔ پورے راستے پروفیسر عطاء الرحمٰن

میرے ساتھ رہے۔ ایک دو جگہ پھسلن بھی ہوئی۔ کالا ڈھاکہ کے کالے بلند و بالا پہاڑ منہ اٹھائے سامنے نظر آ رہے تھے۔ ٹھنڈی ہوائیں چل رہی تھیں اور موسم میں خنکی بڑھتی جا رہی تھی۔ اللہ اللہ کر کے 1½ گھنٹے کے سفر کے بعد اگلی منزل بانڈہ پہنچے۔ مغرب کا وقت قریب تھا۔ یہاں بہت سارے قبائلی ہمارے استقبال کے لیے جمع تھے۔ قیام مدرسہ کوثر العلوم بانڈہ میں ہوا۔ نماز ادا کی۔ اگلے ہی لمحے چائے آ گئی۔ عجیب منظر تھا۔ کالا ڈھاکہ سطح سمندر سے بارہ ہزار فٹ بلندی پر واقع ہے۔ اوپر سے کالے پہاڑ اور نیچے دریا ایک ندی کی شکل میں بہتا نظر آ رہا تھا۔

مغرب کی نماز کے بعد میڈیکل کیمپ کا آغاز کیا۔ سینکڑوں بچے، عورتیں اور مرد جمع تھے۔ ان کی زندگی میں پہلی دفعہ تھا کہ کوئی میڈیکل ٹیم یہاں پہنچی ہو۔ کسی این جی او نے یہاں تک آنے کی سعی کی نہ کسی اور نے۔ سب لوگ خصوصاً بچے بہت خوش تھے کیوں کہ ادویات کے ساتھ ہم وافر مقدار میں بچوں کے لیے بسکٹ، ٹافیاں، چپس وغیرہ لائے تھے۔

کلاشنکوف برداروں نے گھیر لیا:

دوا کے ساتھ غذا بہت اہم ہے۔ اس لیے ہمارے تمام کیمپوں میں دوا کے ساتھ غذا کے طور پر بچوں کو بسکٹ اور بڑوں کو پھل وغیرہ دینے کا اہتمام رہا۔ رات گئے تک فارغ ہوئے تو ایثار، قربانی اور محبت کا عجیب مظاہرہ دیکھا۔ کلاشنکوف گلے سے لٹکائے چار پانچ نوجوانوں نے مجھے چاروں طرف سے پکڑ لیا اور منع کرنے کے باوجود دبانا شروع کر دیا جس سے تھکاوٹ منٹوں میں ختم ہوگئی۔ باہر نکلے تو ایک ساتھی ہاتھ میں گرم پانی کا لوٹا اور دوسرے ہاتھ میں صابن لیے کھڑا تھا۔ عشاء کے بعد مزے دار لذیذ کھانا کھایا۔ پوری رات ٹیم کے ساتھی مریضوں کے لیے دواؤں کے پیکٹ بناتے رہے اور ہمارے میزبانوں نے رات کو ہمارے لیے دنبہ ذبح کیا اور ساری رات اس کا گوشت تیار کیا۔

صبح فجر کے بعد دوبارہ کیمپ کا آغاز کیا۔ کالا ڈھاکہ کے مضافات سابے (جو زلزلہ سے مکمل تباہ ہوا) کنگر، میرا خانخیل، ٹانگری، گھڑی، اشکوٹ، چھیڑ، داب، بانڈہ سے مریض آنا شروع ہوگئے۔ ذرا سی دیر میں جمِ غفیر جمع ہوگیا۔ سارے مریضوں کا چیک اَپ کیا اور ادویات دیں۔ رات والا دنبہ پک کر تیار تھا۔ پُرتکلف کھانے کی خوش بو سے بھوک بڑھ گئی۔ سب نے خوب ڈٹ کر کھایا۔ ادویات تقسیم کرنے کے بعد واپسی کا سفر شروع ہوا۔ پورا کالا ڈھاکہ ہماری بلائیں لے رہا تھا۔ علاقے کے لوگوں نے دعاؤں کے ساتھ رخصت کیا۔

پانچ سو سے زیادہ مریضوں سے فارغ ہونے کے بعد باقی تمام ادویات ایک جرگہ کے حوالے کیں

جس نے ایک میڈیکل کی سوجھ بوجھ رکھنے والے شخص کا ذمہ لگایا کہ وہ لوگوں کو مفت دوائیں دے گا۔ ادویات پورے مہینے کے لیے کافی تھیں۔ واپسی کا سفر شروع ہوا۔ اب پہاڑوں سے نیچے اُترنا تھا، کالا ڈھاکہ کے پہاڑ سامنے نظر آ رہے تھے۔

کالا ڈھاکہ کی بنجر، سنگلاخ اور پتھریلی وادیاں:

کالا ڈھاکہ کے قبائلی علاقہ کے بارے میں بہت کم سنا تھا۔ کئی دوستوں نے بنجر، سنگلاخ، پتھریلے پہاڑوں اور منجمد کر دینے والی یخ بستہ ہواؤں اور لوگوں کے غیر مہذب اور معاندانہ رویے سے ڈرایا۔ کہیں خدمت اور علاج کی بجائے لینے کے دینے نہ پڑ جائیں لیکن حقیقت ہے کہ جو باتیں سنی تھیں اس کا موازنہ اس تجربے سے نہیں کیا جا سکتا جو یہاں آ کر خود محسوس کیا۔ پہاڑی سلسلے تصور سے بھی زیادہ بلند، بے آب و گیاہ اور بنجر علاقہ تھا۔ انتہائی عجیب و غریب اور ویران پہاڑی سلسلے پر مشتمل یہ علاقہ ناقابلِ یقین حد تک موافق تھا۔

یہاں آ کر گمان ہوتا تھا کہ کسی پرانے زمانے میں آ گئے ہیں۔ سیدھے سادھے، شرع کے پابند، غیر مہذب لوگوں کے جذبے، ایثار، خدمت، مہمان نوازی نے بہت متاثر کیا۔ یہاں کے لوگ اپنے مسائل اپنے طور پر حل کرتے ہیں۔ اسلام کے شورائی نظام کی طرح کوئی بھی مسئلہ ہو جرگہ بیٹھتا ہے۔ ہر کوئی مشورہ دیتا ہے، گرما گرم بحث ہوتی ہے اور منٹوں میں مسئلہ حل ہو جاتا ہے لیکن جرگہ کا فیصلہ ماننا سب پر لازم ہوتا ہے۔

اپنا بجلی گھر:

یہاں کے لوگ آج بھی ویسے ہی رہ رہے ہیں جیسے صدیوں پہلے رہتے تھے۔ یہاں کے لوگوں نے اپنے قوانین اور روایات کو مکمل طور پر اسلام کے مطابق محفوظ رکھا ہوا ہے۔ مضافات کا علاقہ دور دور بکھرے ہوئے قصبات اور چھوٹے چھوٹے دیہات پر مشتمل تھا۔ ہر ایک میں کسی قبیلہ کی ذیلی شاخ یا خیل کے لوگ آباد ہوتے۔ اکثر گھر مٹی کے گارے سے بنے ہوئے تھے۔

اس علاقے میں بجلی وغیرہ نہیں پہنچی۔ یہاں کے ایک لوکل انجینئر نصر اللہ خان نے اس کا حل یہ نکالا کہ پانی جمع کر کے ایک چھوٹا سا ڈیم بنایا اور اس سے بجلی پیدا کرنا شروع کر دی۔ آس پاس کے اکثر گھروں میں نصر اللہ کی بجلی چل رہی ہے۔ بل کیسے جمع ہوں اس کے لیے جرگہ بنا۔ فیصلہ ہوا کہ ایک بلب کے مہینہ میں 20 روپے ہوں گے۔ مسجد، مدرسہ، مرگ کے لیے بجلی فری، شادی میں زیادہ بلب لگیں تو اس کے جو زیادہ پیسے آئیں گے وہ بھی مسجد اور مدرسہ میں جائیں گے۔ اکثر گاؤں میں نصر اللہ کی بجلی چل رہی ہے۔ کوئی چوری نہیں ہوتی۔ ہر کوئی مہینے کے بعد بلب کے حساب سے پیسے جمع کروا دیتا ہے۔

بنجر، سنگلاخ، کٹھن علاقہ، زیادہ بلند مقامات، بے آباد اور سنگلاخ، کچھ علاقہ سرسبز اور کچھ وادیاں زرخیز تھیں۔ واپسی کے سفر میں یہاں کے دس لوگ ہمارے ساتھ روانہ ہوئے۔ اب نیچے اُترنے کا مرحلہ درپیش تھا۔ اوپر کالے پہاڑ اور نیچے دریائے اباسین کا بہتا پانی۔ ایسے لگتا تھا تھوڑی دیر میں پہنچ جائیں گے۔ شروع شروع میں تو تازہ دم تھے اس لیے زیادہ محسوس نہ ہوا لیکن جوں ہی نیچے اترے راستہ مزید دشوار گزار، لمبا اور پُرخطر لگنے لگا۔ ٹیم کے جوان ارکان چوکڑیاں بھرتے، انجوائے کرتے آگے بڑھتے گئے۔ پروفیسر عطاء الرحمٰن کو میری فکر سب سے زیادہ تھی۔ بار بار آہستہ آہستہ قدم رکھنے، تھوڑی دیر رُکنے، سانس لینے کا کہتے۔

واپسی کا مشکل اور دلچسپ سفر:

لڑکھڑاتے، گرتے پڑتے، ہانپتے کانپتے کچھوے کی چال نیچے اُترتے رہے۔ کوئی دو گھنٹے کے سفر کے بعد 12 بجے ایک جگہ سانس لینے کے لیے رُکے تو ایک دم پہاڑ لرزنے لگے۔ اقبال نے بتایا زلزلہ آیا ہے۔ اقبال نے پورے راستہ مجھے سہارا دیے رکھا۔ کئی دفعہ پھسلن سے گرتے گرتے بچا۔ پہاڑوں کی چڑھائی مشکل ہے لیکن اُترائی اس سے بھی زیادہ مشکل۔ چلتے چلتے ٹانگیں لڑکھڑا گئیں۔ ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے۔ کئی جگہوں پر بیٹھ کر ستایا۔ یہاں بھی مہمان نوازی کے پُرخلوص مظاہرے دیکھے۔ جہاں بھی رُکتے علاقے کے لوگ پانی اور چائے لے کر آ جاتے۔ اللہ اللہ کر کے پہاڑوں کا سلسلہ ختم ہوا اور نیچے دریا نظر آنے لگا۔ یہاں ڈھاڈیم حسن زئی کے علاقے میں پہنچے۔ چائے سے تواضع ہوئی۔ کچھ مریضوں کو دیکھا اور پھر لانچ پر پہنچے۔ ہر مشکل کے بعد آسانی کے مصداق لانچ کا سفر بہت آرام دہ اور یادگار رہا۔ اوپر پہاڑ نیچے دریا کا نیلگوں پانی، کیا دل آویز نظارہ تھا۔ عصر کی نماز لانچ میں ادا کی۔ دو گھنٹے بعد دربند پہنچ گئے، وہاں سے پھر اوگی اور اوگی سے لاہور کی طرف روانگی ہوئی۔ صبح دس بجے سفر کا آغاز کر کے 16 گھنٹے سفر کے بعد صبح 3½ بجے الحمدللہ واپس گھر پہنچے۔ اگرچہ سب ساتھی تھکن سے چور تھے لیکن سب کالا ڈھاکہ کی بلند فضاؤں اور یخ بستہ ہواؤں میں زلزلہ سے متاثرہ قبائلی بھائی، بہنوں کی خدمت کر کے بہت خوش تھے اور سب ان کی خدمت کے لیے دوبارہ موقع ملنے کے منتظر بھی۔

زلزلے نے میری زندگی بدل ڈالی!

آزاد کشمیر اور بالا کوٹ میں آنے والے 8 اکتوبر 2005ء کو آنے والا زلزلہ تابندہ کی دنیا زیروزبر کر گیا۔ مگر یہ قدرتی آفت اُس کے عزم وحوصلے کو ملیامیٹ نہ کر سکی۔ اس دلیر لڑکی نے بہادری سے تمام مسائل کا مقابلہ کیا اور اپنی زندگی کو پہلے سے بہتر ڈگر پر رواں دواں کر دیا۔ تابندہ کوکب کی آپ بیتی میں ان انسانوں کے لیے ہمت وحوصلے کا سبق پوشیدہ ہے جو مسائل سے نبرآزما ہوتے ہوئے جلد ہمت ہار جاتے ہیں۔ تابندہ کوکب کی یہ داستان اُردو ڈائجسٹ کے دسمبر 2015ء میں شائع ہوئی جو ادارہ اُردو ڈائجسٹ اور تابندہ کوکب کے شکریہ کے ساتھ اس کتاب میں شامل کی گئی ہے۔ اس بہادر کشمیری لڑکی کی داستان اُسی کی زبانی پیش ہے۔ ''رمضان کا آغاز ہو چکا تھا۔ اس دن بھی میں نے والدین اور بہن بھائی کے ساتھ سحری کھائی، نماز پڑھی۔ کچھ دیر آرام کیا اور پھر اپنے اسکول کی سمت چل پڑی۔ سڑک پر چہل پہل کم تھی، بیشتر لوگ سحری کھا کر آرام کرتے اور دیر سے بیدار ہوتے ہیں۔ تب میری عمر 22 سال تھی۔ میں اپنے والدین کے ساتھ مظفرآباد، آزاد کشمیر میں رہتی تھی۔ پچھلے ڈیڑھ سال سے کاکرانامی ایک پہاڑی گاؤں کے سرکاری پرائمری اسکول میں انگریزی پڑھا رہی تھی۔ یہ گاؤں بس سے ایک گھنٹے کی مسافت پر تھا۔ میں نے یہ ملازمت شوقیہ کی تھی۔ خیال تھا کہ شادی ہونے تک یوں وقت اچھا گزرے گا۔ میری معمولی سی تنخواہ تھی جو میرے ذاتی اخراجات پورے کرنے میں کام آتی۔ شادی کے بعد میں نے ملازمت چھوڑنے کا پروگرام بنا رکھا تھا۔

اس پہاڑی علاقے میں یہ واحد پرائمری اسکول تھا جہاں انگریزی بھی پڑھائی جاتی۔ لڑکے لڑکیاں دور کے دیہات سے بھی وہاں تعلیم حاصل کرنے آتے۔ ان کی اکثریت اتنی غریب تھی کہ وہ وردی اور کتابیں تک خرید نہ پاتے۔ میں پوری کوشش کرتی کہ وہ انگریزی سیکھ لیں تاکہ ترقی کے نئے مواقع پا سکیں۔ میں ہی پہلا پیریڈ لیتی تھی۔ جب اس کے اختتام کا وقت قریب تھا، تو میں بچوں کی کاپیاں چیک کرنے لگی۔ اچانک ایک روز دار دھماکا ہوا اور میں کرسی پر بیٹھے بیٹھے اچھل گئی۔ پھر فوراً ہی زمین ہلنے لگی۔ مجھے سب سے پہلے بچوں کا خیال آیا۔ سوچا کہ انھیں فوراً جماعت سے باہر نکالنا چاہیے۔ مگر جب میں کھڑی ہوئی، تو زمین بڑی شدت سے ہلنے

لگی۔ساتھ ہی میں بھی ڈول گئی۔کبھی دائیں ہوتی، کبھی بائیں۔میں نے قدم اٹھایا مگر چل نہ سکی۔اس کیفیت نے مجھے خوف وصدمے سے ششدر کر دیا۔

اچانک بچوں نے مجھے گھیر لیا۔انھوں نے میرے ہاتھ تھامے اور مجھ سے چمٹ گئے۔میں نے بھی انھیں بانہوں میں لے لیا۔بارہ تیرہ بچوں کو لیے دروازے کی جانب بڑھی ہی تھی کہ چھت منہدم ہوئی اور ہم پر آن گری۔شروع کے لمحات میں کچھ محسوس نہ ہوا۔درد کی شدت بالکل نہیں تھی۔البتہ میں وہاں لیٹی یہ سوچنے لگی کہ شاید میرا آخری وقت آ پہنچا۔تب مجھے والدین اور بھائی بہنوں کی یاد نے تڑپا دیا۔میرے لبوں پر کلمہ شہادت جاری تھا۔رفتہ رفتہ مجھے اپنے پیر میں سخت تکلیف کا احساس ہوا۔یہی تکلیف مجھے حواسوں کی دنیا میں واپس لے آئی۔میں نے اوپر دیکھا، تو نیلا آسمان نظر آیا۔اسکول کی دو منزلہ عمارت حال ہی میں تعمیر ہوئی تھی۔میری جماعت نیچے تھی۔اب میں خود کو ملبے سے آزاد کرانے کی سعی کرنے لگی۔ملبے سے نکلی اور پیر دیکھا، تو اس سے خون بہ رہا تھا۔مگر اللہ تعالیٰ نے کرم فرمایا اور میری جان بچ گئی۔میرے اردگرد بچے بکھرے پڑے تھے۔بعض بے ہوش تھے، تو دوسرے ملبے تلے دبے کراہ رہے تھے۔میں دیوانہ وار چیخیں مارتی ملبہ ہٹانے لگی۔مجھے رہ رہ کر یہی خیال آ رہا تھا کہ بقیہ بچوں اور استانیوں کا کیا ہوا؟ اس اسکول میں ۱۱۰ بچے زیر تعلیم تھے۔مجھے کئی بچے نظر نہ آئے، تو میرے دل میں ہول اٹھنے لگے۔تھوڑی دیر بعد عورتوں، مردوں اور بچوں کے چیخنے چلانے کی آوازیں آنے لگیں۔جو صدمے سے باہر نکلتا، خوف یا زخمیوں کی تکلیف کے مارے دہائی دینے لگتا۔کسی کو علم نہ تھا کہ یہ آفت کیوں ٹوٹی ہے؟ اب تک کسی کے وہم وگمان میں نہیں تھا کہ زلزلہ آ چکا۔ہم سب یہی سمجھ رہے تھے کہ قریب ہی بم دھماکا ہوا ہے۔لیکن جب وقفے وقفے سے زمین ہلنے لگی، تو مجھے احساس ہوا کہ یہ تو زلزلہ آیا تھا۔زمین ہلنے کا سلسلہ ایک گھنٹے تک جاری رہا۔اس دوران فضا میں گردوغبار چھایا رہا۔ہمیں یہی لگ رہا تھا جیسے قیامت آ پہنچی۔سبھی چھوٹے بڑے خوف ودہشت سے نڈھال تھے۔دو گھنٹے بعد گرد بیٹھی، تو ہمیں اردگرد کے پہاڑ نظر آئے۔یہ دیکھ کر میں ہکا بکا رہ گئی کہ جہاں پہلے سڑکیں، مکان اور دیہات تھے، وہاں اب مٹی کے تودے نظر آ رہے تھے۔زلزلے نے پہاڑ توڑ ڈالے۔چناں چہ مٹی کے گرتے تودوں نے کئی انسانی بستیوں کا صفایا کر ڈالا۔

خوش قسمتی سے اسکول میں جانی نقصان کم ہوا، مگر چند بچے شدید زخمی حالت میں تھے۔انھیں طبی امداد کی فوری ضرورت تھی۔مگر وہ وقت ایسا تھا کہ ہر ایک کو اپنی جان بچانے کی فکر تھی، بہت کم لوگوں میں یہ حوصلہ تھا کہ وہ دوسروں کی مدد کرتے۔مجھے یاد ہے، میں زخمی بچوں کی تیمارداری کر رہی تھی کہ کچھ دور مجھے ایک آدمی جاتا نظر آیا۔وہ تیزی سے چلتا دریا کی طرف جا رہا تھا۔شاید وہ اہل خانہ کی خیریت کے بارے میں فکرمند تھا۔

میں نے آواز دے کر اسے روکا اور کہا ''اے بھائی، ادھر آؤ، میری مدد کرو، میرے بچے ملبے تلے دبے ہیں۔'' وہ خاصی دیر تک مجھے گھورتا رہا اور پھر اپنی راہ ہولیا۔ مجھے بڑا افسوس ہوا۔ پھر میں نے سوچا، اگر وہ آ بھی جاتا، تو کیا کر لیتا؟ پانچ گھنٹے بعد اسکول کا ملازم واپس آیا۔ وہ مظفر آباد گیا ہوا تھا۔ ہم استانیاں اس پر برس پڑیں ''یہاں اتنی بڑی آفت آ گئی اور مدد کرنے والوں کا نام ونشان نہیں۔ حکومت کہاں ہے؟ فوج کیوں نہیں آئی؟'' ملازم ہمارے تابڑ توڑ سوالات سے گھبرا گیا۔ کہنے لگا ''بیبیو مجھے سانس تو لینے دو۔ آپ کو کچھ خبر نہیں۔ مظفر آباد تباہ ہو گیا ہے۔ اب وہاں کچھ نہیں بچا..... اسپتال، اسکول، سرکاری عمارتیں سب ڈھے چکیں۔ ہماری مدد کرنے کوئی نہیں آئے گا، ہمیں اپنی مدد آپ کرنا ہوگی۔'' ان باتوں نے ہم پر گویا بجلی گرا دی۔ میں رونے لگی۔ اپنے پیاروں کے چہرے آنکھوں کے سامنے گھومنے لگے۔ مجھے اپنا محلّہ یاد آیا جہاں میرا بچپن گزرا تھا۔ سہیلیوں سے وابستہ یادوں نے ستایا۔ میرا گھر خاصا پرانا تھا، مجھے رہ رہ کر یہ فکر ستانے لگی کہ کیا وہ زلزلے کے زور دار جھٹکے برداشت کر پایا ہوگا؟

چند گھنٹوں بعد بچوں کے والدین اسکول پہنچنے لگے۔ جو بچے شہید ہو گئے تھے، ان کے ماں باپ بین کرنے لگے۔ فضا بہت سوگوار ہوگئی۔ سہ پہر تک کچھ مخیّر لوگوں نے وہاں خیمے نصب کرا دیے۔ یوں ہم خواتین اساتذہ کو پناہ نصیب ہوئی۔ میری طرح دیگر چھ استانیاں بھی دور دراز کے مقامات سے آتی تھیں۔ ہم سب کو زخم لگے تھے اور اس آفت نے ہمیں نڈھال کر دیا تھا۔ میں پانچ دن تک خیمے میں مقیم رہی۔ اس دوران میرے لبوں پر دعاؤں کا ورد جاری رہا۔ میں یہی دعا مانگتی رہتی کہ اے اللہ، میرے اہل خانہ کو محفوظ رکھنا۔ میں اس دنیا میں تنہا نہیں رہ سکتی۔ اے اللہ، انھیں میری خاطر بچا لے تا کہ کوئی تو میرا سہارا بن سکے۔ میرا ایک بھائی اور پانچ بہنیں تھیں۔ ایک مقامی شخص نے جڑی بوٹیوں سے میرے زخمی پاؤں کا علاج کیا۔ وہ پانچ دن بڑی کسمپرسی کے عالم میں گزرے۔ چھٹے دن مظفر آباد سے اسکول کا ایسا ملازم وارد ہوا جو میرے خاندان کو جانتا تھا۔ اس نے بتایا ''میں نے تمھارے ماں باپ کو زندہ دیکھا ہے۔'' یہ سن کر میری جان میں جان آئی اور میں رب کائنات کے حضور سجدہ ریز ہوگئی۔ تب تک میرا زخم کچھ ٹھیک ہو چکا تھا۔ اسی دن مجھے خبر ملی کہ علاقے کے لٹے پٹے لوگوں کا ایک قافلہ پیدل مظفر آباد جا رہا ہے۔ وہ وہاں سے امداد لینا چاہتے تھے۔ میں نے ہمت پکڑی اور قافلے کے ساتھ چل پڑی۔ مظفر آباد وہاں سے بارہ تیرہ میل دور تھا۔ لیکن پہاڑی راستہ ہونے کے باعث سفر بہت دشوار گزار تھا مگر میں نے گرتے پڑتے یہ فاصلہ طے کر ہی لیا۔

دوران راہ دیکھا کہ کئی راستے مٹی کے تودے گرنے کی وجہ سے بند ہو چکے تھے۔ بعض اوقات ہمیں

بھی چکر کاٹ کر اپنی راہ پر آنا پڑتا۔ محض گیارہ بارہ میل کا راستہ طے کرتے ہوئے ہمیں نو گھنٹے لگے۔ یہ میری زندگی کا سب سے زیادہ تکلیف دہ سفر تھا جسے میں کبھی نہیں بھول سکتی۔ جب میں مظفر آباد پہنچی، تو میرا زخمی پاؤں سوج چکا تھا اور درد کی ٹیسیں مجھے تڑپا دیتیں۔ مگر مجھے گھر پہنچنے کی بھی خوشی تھی جو تکلیف کو مانند کر دیتی۔ مجھے امید تھی کہ شہر میں کہرام مچا ہوگا، مگر خلاف توقع خاموشی نے ہمارا استقبال کیا۔ دراصل شہر کا ہر باسی اسے چھوڑ کر جا چکا تھا۔ تقریباً ہر گھر کی دیواریں اور دروازے ٹوٹ چکے تھے، اسی لیے کمروں کی ہر شے نظر آ رہی تھی۔ مگر کمرے انسانوں سے خالی تھے۔ بس گھر کا سامان بکھرا نظر آتا۔ جا بجا ٹوٹے برتن اور فرنیچر بکھرا پڑا تھا۔ اکثر جگہ خون کے دھبے بھی دکھائی دیے۔ میں اپنے محلے میں پہنچی تو پہلے گھر کے دروازے پر کھڑی اپنی سہیلی سے ملاقات ہوگئی۔ اس نے جو خبر دی اسے سن کر مجھے اپنے کانوں پر یقین نہیں آیا۔ جب وہ بار بار ایک ہی بات دہراتی رہی، تو میری آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ اس کا کہنا تھا کہ میرا اکلوتا بھائی جاں بحق ہو چکا۔ میں آنسو بہاتی اپنے گھر کی طرف بھاگ پڑی۔ وہاں پہنچی، تو دیکھا کہ محلے کی چند عورتیں کھڑی ہیں۔ وہ مجھے دیکھتے ہی میری بلائیں لینے لگیں۔ مجھے زندہ سلامت دیکھ کر انھوں نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ والد کو میری آمد کی اطلاع ملی، تو وہ بھی باہر آ گئے۔ میں ان سے لپٹ کے بلک بلک کر رونے لگی۔ والد نے شفقت سے میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور بولے ''صبر کرو بیٹی! تمھارا تو صرف ایک بھائی جان سے گزرا ہے۔ شہر میں تو پورے پورے خاندان اپنی زندگیوں سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں۔''

بعدازاں مجھ پر انکشاف ہوا کہ والد نے پانچ دن بعد یہ جملے بولے۔ مجھے دیکھتے ہی ان کی قوت گویائی لوٹ آئی۔ ورنہ جب انھوں نے اپنے ہاتھوں سے اکلوتے بیٹے کو دفنایا، تو غم کی شدت نے ان کی آواز سرگوشی میں بدل دی۔ میرے پندرہ سالہ بھائی، حماد علی کو اس کی پسندیدہ جگہ..... کرکٹ پچ کے نزدیک ہی واقع میدان میں دفنایا گیا۔ ہمارے گھر کے صرف ایک ہی کمرے کی چھت زمین بوس ہوئی اور وہ حماد کا تھا۔ زلزلے نے ہمارا گھر محفوظ رکھا، والدین اور بہنیں بھی معمولی زخمی ہوئیں، مگر یہ قدرتی آفت ہمارے نرم دل، ہمدرد اور چہیتے بھائی کو نگل گئی۔ آنے والے دنوں میں اکثر میں سوچتی کہ اے اللہ، کاش تو میری یا میری کسی بہن کی جان لے لیتا اور حماد کو زندہ رکھتا۔ اگر ایسا ہو جاتا، تو یقیناً سبھی کو ویسا ہی دکھ ہوتا جیسا حماد کی موت پر انھیں برداشت کرنا پڑا۔ مگر ہمارے معاشرے میں والدین اور بہنوں کے بہت سے خواب اور تمنائیں بھائیوں سے وابستہ ہوتی ہیں۔ انھیں یقین ہوتا ہے کہ بیٹے اور بھائی جوان ہو کر ان کا سہارا بنیں گے، ان کے لیے ڈھال بن جائیں گے۔ ہم بہنیں اس دن اسی مضبوط ڈھال سے محروم ہوگئیں۔ ہمیں یہ بھی احساس ہوا کہ ہم میں سے کسی کو

حماد کی جگہ لینا ہوگی۔ میں گھر میں سب سے بڑی اور پھر زیادہ تعلیم یافتہ بھی تھی۔ اسی لیے میری بہنوں نے مجھ سے توقعات وابستہ کرلیں۔ ان کا کہنا تھا ''تم ہم سب میں زیادہ پُراعتماد ہو۔ اجنبیوں سے بھی باتیں کرلیتی ہو، اب تمھیں ہی ہمارا سہارا بننا ہے۔'' دیہی معاشرے کی تہذیب وثقافت سے آشنا میری بہنوں کی بات بخوبی سمجھ جائیں گے۔ میری بہنیں بہت شرمیلی تھیں۔ اجنبی تو دور کی بات ہے، کوئی کزن لڑکا بھی ان سے بات کرتا، تو وہ شرما جاتیں اور سر ہلا کر ہر سوال کا جواب دیتیں۔

آج میں پیچھے مڑ کر وہ وقت یاد کروں، تو مجھے احساس ہوتا ہے کہ تب میں شرمیلی اور حیادار تھی۔ جب بھی کسی اجنبی کے لبوں پر میرا نام آتا، تو میرے تن بدن میں سنسنی دوڑ جاتی۔ میں یہ سوچنے لگتی ''یہ شخص مجھے کیسے جانتا ہے؟'' جب میں بہنوں اور سہیلیوں کے ساتھ پل بڑھ رہی تھی، تو ہم کبھی بازار نہیں جاتی تھیں اور گھر کے سامنے بھی کم ہی کھیلتیں۔ جب اسکول جانے لگیں، تو چھٹی ہونے پر سیدھا گھر آ جاتیں۔ ہماری زندگیوں کا دائرہ کار بہت سمیٹا ہوا تھا۔ شرمیلی ہونے کے باوجود میں نے بی۔اے کیا اور پھر اسکول میں پڑھانے لگی۔ میری خوداعتمادی اور تعلیم نے میری شاگردوں پر بھی خوشگوار تاثر چھوڑا۔ وہ اکثر آدھی چھٹی میں استانی بننے کا کھیل کھیلتی تھیں۔ تب میں اکثر کسی بچی کی آواز سنتی ''اب تابندہ بننے کی میری باری ہے۔ تم کوئی اور بن جاؤ۔''

ان باتوں کی وجہ سے مجھے احساس تھا کہ ایک تعلیم یافتہ اور بااعتماد لڑکی بن کر میں مقامی معاشرے میں رجحان ساز ہستی بن چکی۔ مجھے یہ معلوم تھا کہ میرے کاندھوں پر ذمے داریوں کا بوجھ ہے۔ اب میرا بھائی چل بسا اور میرے والد ریٹائر ہوگئے، تو میں جان گئی کہ مجھے ہی اپنے خاندان کو تحفظ دینا ہے۔ میں نے فیصلہ کرلیا کہ میں والدین کا بیٹا اور بہنوں کا بھائی بن کر رہوں گی۔ اسی لیے شادی کرنے کے بجائے میں ملازمت ڈھونڈنے لگی، ایسی جہاں مجھے اچھی تنخواہ مل سکے۔ تلاش بسیار کے بعد مجھے ایک غیرسرکاری تنظیم میں ملازمت مل گئی۔ یہ تنظیم زلزلے سے متاثر لوگوں کی مدد کررہی تھی۔ وہاں میری تنخواہ 800 روپے روزانہ تھی جبکہ بہ حیثیت استانی مجھے 2200 روپے ماہانہ ملتے تھے۔ لیکن میرا کام خاصا کٹھن اور محنت طلب تھا۔ مجھے یہ سروے کرنا تھا کہ زلزلے کی وجہ سے کتنے پاکستانی لقمہ اجل بنے اور کتنے زخمی ہوئے۔ چناں چہ میں متاثرین کے کیمپوں کا دورہ کرنے لگی جہاں میں ان سے ملاقات کرتی اور یہ سوال پوچھتی ''آپ کے خاندان میں کتنے لوگ جاں بحق ہوئے؟ کتنے زخمی ہیں؟ کیا کوئی گم شدہ ہے؟'' روزانہ میں چند خاندانوں کی بپتا سنتی۔ ان کے حالات میری آنکھوں میں آنسو لے آتے اور میں بھی رونے لگتی۔ ایک طرح سے یہ تجربہ مجھے راس بھی آیا کہ یوں میرے غم ہلکے ہوگئے۔ مجھے احساس ہوا کہ دنیا دکھوں سے بھری پڑی ہے۔ لیکن مُردوں کے پیچھے بھاگنا مجھے جذباتی طور پر

ہلکان کر گیا۔ اسی لیے میں نے دوسری تنظیم میں ملازمت کر لی۔ وہ تنظیم متاثرین کا امدادی کیمپ چلا رہی تھی۔ میرا کام ان کی دیکھ بھال میں دیگر ملازمین کا ہاتھ بٹانا تھا۔ ان ملازموں کے ذریعے میری خود اعتمادی میں اضافہ ہوا اور میں زندگی کو مثبت نگاہ سے دیکھنے لگی۔

یوں میں تین برس مختلف غیر سرکاری ایجنسیوں سے وابستہ رہی۔ 9 جون 2007ء کو مجھے ایک سہیلی سے علم ہوا کہ اسلام آباد میں بی بی سی کے دفتر والوں کو بطور انٹرن صحافی درکار ہیں۔ مجھے بچپن سے لکھنے پڑھنے سے دلچسپی تھی۔ بلکہ میں صحافی و ادیب بننے کا خواب دیکھا کرتی۔ اسی لیے میں نے بھی درخواست دے ڈالی۔ بی بی سی والوں نے مجھے منتخب کر لیا۔ جب میں نے اپنی پہلی نیوز اسٹوری ایڈیٹر کو دکھائی، تو انھیں پسند آئی۔ پوچھا ''آپ نے کس سے مدد لی؟'' میں نے بتایا ''کسی سے نہیں۔'' دراصل میں کئی ماہ متاثرین کے انٹرویو کرتی رہی تھی۔ یوں مجھے کچھ صحافتی تجربہ حاصل ہو گیا۔ پھر میں اور میری بہنیں بچپن سے اخبار پڑھ رہی تھیں۔ ہم ایک ایک خبر چاٹ جاتیں۔ ہم باہر تو جاتی نہ تھیں، اس لیے اخبار ہی دنیا کے حالات سے آگاہی کا واحد ذریعہ تھا۔ اسی لیے مجھے اندازہ تھا کہ خبر کیونکر بنتی ہے اور اس کی مطلوبہ تکنیکی خصوصیات کس قسم کی ہیں۔ اتفاق دیکھیے، بی بی سی میں کام کرتے مجھے پانچ ماہ ہوئے تھے کہ صدر پرویز مشرف نے ملک بھر میں ایمرجنسی لگا دی۔ عدلیہ سے ان کا زبردست ٹکراؤ ہو گیا۔ تمام جج نظر بند کر دیے گئے۔ میڈیا پر بھی کئی پابندیاں عائد کر دی گئیں۔ صرف بی بی سی آزادانہ طور پر کام کرتا رہا۔ چناں چہ ہم سب انٹرن کو مظاہروں کی فوری کوریج کے لیے باہر بھیجا جانے لگا۔ ورنہ پہلے ہم ریڈیو سن کر خبریں بنایا کرتے۔

یوں آہستہ آہستہ میں ایک پراعتماد لڑکی میں ڈھل گئی۔ اب میں دیہی اسکول میں پڑھانے والی شرمیلی سے لڑکی نہ رہی بلکہ ایسی مقررہ بن گئی جو کسی بھی موضوع پر گفتگو کر سکتی تھی۔ زلزلے نے میری زندگی ویران کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی۔ مگر میں نے بہادری سے کام لیا اور اپنے لیے زندگی کی مختلف ڈگر چن لی۔ زلزلے نے میری ہی نہیں علاقے کی دیگر خواتین کی زندگیاں بھی بدل ڈالیں۔ مثال کے طور پر سمیعہ ساجد کو لیجیے جو مظفر آباد میں رہتی تھیں۔ ان کے شوہر دماغ میں سرطانی رسولی کا شکار ہو گئے۔ علاج جاری تھا کہ زلزلے نے اسپتال کو مسمار کر ڈالا۔ جب انھیں بروقت علاج نہ ملا، تو وہ اللہ کو پیارے ہو گئے۔ وہ کیبل نیٹ ورک کا کاروبار چلا رہے تھے۔ سمیعہ بچے پالنے کی خاطر وہ کاروبار چلانے لگیں۔ انھیں شروع میں مشکلات پیش آئیں، مگر کامیابی نے قدم چومے۔ آج وہ ایک مقامی ٹی وی نیٹ ورک بھی چلا رہی ہیں۔ گھر سے نکل کر کاروبار کرنے کا قدم انھوں نے اسی لیے اٹھایا تا کہ اپنے بچوں کا مستقبل محفوظ کر سکیں۔ ہمارے معاشرے میں سمجھا

جاتا ہے کہ گھر سے کام کی خاطر نکلنے والی خواتین کا کردار اچھا نہیں ہوتا۔ اس ذہنی رویے میں تبدیلی آ رہی ہے۔ مگر اسے ختم ہونے میں ایک پوری نسل درکار ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مرد اور عورت مل کر ہی ایک قدم کی تعمیر و ترقی میں بنیادی کردار ادا کرتے ہیں۔ میرے والد بھی ایک مرد ہیں مگر وہ میری تعلیم و ترقی میں کبھی رکاوٹ نہیں بنے۔ اسی طرح میرے شوہر نے بھی مجھے ملازمت جاری رکھنے کی اجازت دے دی۔ چھ سال قبل میں امید سے ہوگئی۔ لڑکا یا لڑکی ہونا اللہ تعالیٰ کی مشیت پر منحصر ہے، مگر سچی بات یہ کہ میں دل ہی دل میں بیٹا ہونے کی دعائیں مانگتی رہی۔ رب کائنات نے انھیں درخور اعتنا سمجھ کر مجھے ایک پیارے بیٹے سے نوازا۔ میں نے اس کا نام حماد علی رکھا۔

جب وہ پانچ ماہ کا ہوا، تو میں مظفر آباد گئی اور اسے امی ابا کے سپرد کر آئی۔ اب دادا دادی ہی آبائی گھر میں اس کی پرورش کر رہے ہیں۔ جبکہ میں اسلام آباد میں رہتی ہوں۔ آج میرا بھائی تو دنیا میں موجود نہیں لیکن اس کا نام ضرور روزانہ کئی بار گھر میں پکارا جاتا ہے۔ چونکہ میرا بیٹا بہت شرارتی ہے، اس لیے صبح سے شام تک گھر میں حماد، حماد کی تکرار جاری رہتی ہے۔ زلزلے نے ہمارے گھر میں جو دراڑیں ڈالی تھیں، ان کی مرمت ہو چکی۔ گو اس کام میں طویل عرصہ لگ گیا۔ وجہ یہ کہ مرمت کا سارا کام ہم نے اپنے خرچے سے کیا۔ حکومت پاکستان نے اعلان کیا تھا کہ ہر مرنے والے کے ورثا کو ایک لاکھ روپے ملیں گے۔ مگر ہم نے یہ رقم نہ لینے کا فیصلہ کیا۔ ظاہر ہے، وہ رقم حماد کی نعم البدل کبھی نہیں بن پاتی۔ ہم نے اپنی محنت و تگ و دو سے گھر از سر نو تعمیر کر کے نہ صرف اسے محفوظ بنایا بلکہ اپنی خودداری اور عزت کو بھی استوار رکھا۔ میں ہفتے میں دو تین بار مظفر آباد کا چکر لگا آتی ہوں۔ لیکن اس ماہ اکتوبر کی 8 تاریخ کو میں خاص طور پر کاکرا گاؤں جا پہنچی۔ اس دن زلزلہ آئے ٹھیک دس سال ہو گئے تھے۔ مگر میں بتاتی چلوں میں اپنے خوابوں میں اکثر کاکرا جا پہنچتی جہاں میں پیارے پیارے بچوں کو پڑھایا کرتی تھی۔ میں یہ دیکھ کر حیران رہ گئی کہ ماضی کا دیہہ اب قصبہ بن چکا تھا۔ تنگ سے راستے کشادہ سڑکوں میں بدل چکے تھے۔ ہر چیز نئی نئی اور صاف ستھری تھی۔ وقت کی ہوا نے زلزلے کی تمام خوفناک نشانیاں مٹا ڈالی تھیں۔ جن علاقوں میں مٹی کے تودے گرے تھے، وہاں گھاس اور درخت اگ آئے۔

کاکرا پہنچ کر پہلے میں وہ جگہ ڈھونڈنے لگی جہاں مجھ سمیت تمام متاثرین زلزلہ نے خیموں میں قیام کیا تھا۔ اب وہاں کنکریٹ سے مکان بن گئے تھے۔ میرا اسکول بھی نئی جگہ تعمیر ہو چکا تھا۔ اس کی پرانی جگہ ایک گھر بن گیا تھا۔ خوش قسمتی سے اس گھر کا دروازہ اسکول والا ہی تھا۔ اسی لیے میں اسے دیکھ کر دس سال پیچھے پہنچ گئی جب میں بس سے یہاں آتی اور تنگ سی پگڈنڈی پر سفر کرتی تھی۔ اس گھر کے مکین جان پہچان والے نکلے کیونکہ ان کی ایک بیٹی میری طالبہ تھی۔ جب میں ملبے کے قریب حیران پریشان بیٹھی تھی، تو اسی آٹھ سالہ لڑکی نے مجھے

میرا پرس لا کر دیا تھا اسی لیے میرے حافظے میں اس کا چہرہ محفوظ رہ گیا۔ وہ اٹھارہ سالہ حسین و جمیل دوشیزہ میں تبدیل ہو چکی تھی۔ ہم نے خوب باتیں کیں اور پرانی سہانی یادوں کو تازہ کرتے رہے۔ تبھی مجھے معلوم ہوا کہ وہ تعلیم چھوڑ چکی۔ میں نے اس پر زور ڈالا کہ وہ دوبارہ اسکول جانے لگے اور اپنی پڑھائی جاری رکھے۔ وہ مسکرا کر بولی ''آپ کا حکم سر آنکھوں پر! میں کل ہی سے اسکول جانے لگوں گی۔''

(تابندہ کوکب)

پانچواں حصہ

30 مئی 1935ء: کوئٹہ کا قیامت خیز زلزلہ

30 مئی 1935ء کو کوئٹہ میں قیامت خیز زلزلہ آیا۔ اس زلزلہ کا آنکھوں دیکھا حال اور اس کے بعد متاثرین کی دیکھ بھال کا احوال، علاج اور خدمت کے ساتھی محمد عظیم کے والد بزرگوار حاجی محمد اسمٰعیل صاحب مرحوم نے اپنی آپ بیتی میں لکھا ہے جس میں سے چیدہ چیدہ واقعات ''زلزلے، زخم اور زندگی'' کتاب میں شامل کیے گئے ہیں جو انہی کی زبانی پیشِ خدمت ہیں۔ ''رات گئے اخبار پڑھتے پڑھتے نیند آ گئی۔ ایک بجے بتی بند کی۔ ابھی نیند پوری طرح نہ آئی تھی کہ ایک آواز کان میں پڑی جو 1931ء میں ایک ماہ متواتر سنی گئی تھی۔ اس آواز کے ساتھ میں بائیں کروٹ بدلنے لگا تو زلزلہ اس قدر زور سے آیا جس سے معلوم ہوا کہ زمین اُوپر اور آسمان نیچے ہو گیا ہے۔ میری کمر میں اس قدر درد ہوا کہ جیسے کمر میں دو لمبی میخیں دھنس گئی ہیں جو مجھے بالکل ہلنے نہیں دیتیں۔ قبل ازیں جب زلزلے آتے تو اس کے بعد چلنے پھرنے کی آہٹ اور بولنے کی آوازیں سنائی دیتیں لیکن اس زلزلے کے بعد نہ چلنے پھرنے کی آہٹ نہ بولنے کی آواز سنائی دی۔ دل گھبرانے لگ گیا۔ میرے چہرے پر پسینہ آتا جسے میں اپنے دائیں ہاتھ سے پونچھ دیتا۔ باقی جسم بالکل نہ ہل سکتا۔ چند منٹ بعد بڑا بھتیجا بنام محمد یوسف بولا کہ چچا جی میری ٹانگ پھنسی ہوئی ہے۔ اس کی آواز سن کر میں نے کہا کہ اچھی ابھی کوئی آئے گا۔ میری بھی کمر میں کیل گڑے ہوئے ہیں۔ نامعلوم کتنا وقت گزرا ہوگا کہ دو آدمیوں کی آواز سنی کہ یا اللہ یہ کیا ہو گیا؟ یہاں تو کوئی چیز نظر نہیں آ رہی۔ اب میری حالت پسینہ سے اور دل کی گھبراہٹ سے بہت بُری ہو رہی تھی اور سانس لینا دشوار ہو رہا تھا کہ بڑے بھتیجے کے رونے کی آواز آئی کہ چچا جی میں کیا کروں۔ دم گھٹتا جا رہا ہے۔ اب مجھ میں بھی بولنے کی طاقت نہ رہی۔ بڑی ہمت سے آواز نکالنے پر زور لگایا کہ بچہ معلوم ہوتا ہے کہ اب ہماری جان نکلنے والی ہے۔ بہتر ہے کہ جو سانس آتا ہے۔ اللہ اللہ اور کلمہ شریف پڑھو۔ نامعلوم اگلا سانس آوے یا نہ آوے۔ اب نہ وہ بول سکتا تھا نہ میں بول سکتا تھا ہوا بالکل بند تھی اور گرد و غبار سے حلق خشک ہو رہا ہے.....''

30 مئی 1935ء کوئٹہ کے قیامت خیز زلزلہ کا آنکھوں دیکھا حال

..... میں اپنی دکان میں لیٹا ہوا تھا۔ میرے ہمراہ دو بھتیجے اور ایک شاگرد دکان میں سویا کرتے تھے۔ ابراہیم اپنے گھر اہل وعیال میں رہتا اور فضل کریم مسجد روڈ میں اپنی دکان میں مع ایک کاری گر کے سویا ہوا تھا۔ کچھ وقفہ بعد دروازہ کھٹکا۔ میری نیند کھل گئی۔ دریافت کیا کون ہے؟ شاگرد بولا کہ جی میں ہوں۔ جو چند یوم سے پیچش میں مبتلا تھا۔ میرے پاس سوئچ بورڈ تھا۔ بتی جلائی۔ گھڑی دیکھی تو 2¼ بجے تھے۔ چند منٹ بعد لڑکا اندر آیا تو میں نے بتی بند کر دی۔

دکان کے اردگرد سب الماریاں تھیں۔ درمیان میں بہت بڑا ٹیبل تھا جس کے نیچے چھوٹا بھتیجا اور شاگرد سو رہے تھے۔ جن کی کوئی آواز نہ سنی۔ میں دکان کے عین دروازہ کے ساتھ کونے میں تھا اور میرے سر کے اوپر بہت بڑا سوئچ بورڈ تھا۔ بڑا بھتیجا مجھ سے چند گز کے فاصلے پر دکان کے دوسرے دروازے کے قریب تھا۔ اب ہم نہ بول سکتے نہ آسانی سے سانس نکلتا۔ میں تو دل میں کلمہ شریف پڑھتا رہا اور دل میں سوچتا کہ ہماری موت آ گئی ہے۔ نہ ہم صبح کی روشنی دیکھ سکتے ہیں۔ جو سانس آ رہا ہے یوں معلوم ہوتا کہ آخری سانس آ رہا ہے۔ اس وقت کی کیفیت کو وہی سمجھ سکے گا جو ملبہ تلے دب گیا ہو اور زندگی اس کی باقی ہو۔ ورنہ نہ میں سمجھا سکتا ہوں اور نہ کوئی سمجھ سکے گا کہ کیا حالت تھی۔ اب ہم اپنے آخری سانس کی کش مکش میں تھے۔ چھوٹا بھتیجا، جو بڑے میز کے نزدیک لیٹا ہوا تھا۔ الماریاں اس میز کی وجہ سے نیچے نہ گریں۔ دن کی روشنی نکلی تو اسے ملبہ میں سے اوپر کی چھت کی جانب کچھ روشنی نظر آئی۔ وہ آہستہ آہستہ میز پر چڑھا اور روشنی کی طرف ہاتھ مار مار کر اِدھر اُدھر کرتے کراتے صبح سات بجے ملبہ سے نکل کر روتا ہوا کہنے لگا کہ یا اللہ یہ کیا ہو گیا ہے۔ یہاں تو کوئی مکان ہی نہیں رہا۔ ہر طرف ڈھیر ہی ڈھیر لگے ہوئے ہیں۔ میرے کان اس کی باتیں سن رہے تھے لیکن بول بالکل نہ سکتا تھا۔ وہ ملبہ سے نکل کر پانی کی تلاش میں نالے والی مسجد کی طرف گیا۔ وہاں سے پانی پی کر واپس آ رہا تھا تو نالے میں ابراہیم اس کو مل گیا۔ جس نے کہا کہ میں دو تین مرتبہ دکان کی طرف گیا مگر دکان کا پتہ نہیں لگتا۔ نہ کوئی سڑک رہی ہے جس سے پتہ چل سکے۔ ہدایت اللہ نے بتایا کہ تین بجے میری باری آئی۔ انھوں نے بڑی احتیاط سے مجھے

سٹریچر پر ڈال کر گاڑی میں رکھ دیا اور ساتھ ہی مقبول عالم اور میں بیٹھ گئے۔ چار بجے ملٹری ہسپتال کے برآمدے میں رکھ دیا، جہاں بے شمار زخمی پڑے ہوئے تھے۔

زخمی، کراہتے مرد اور عورتیں:

اور ایسے بھی دیکھے، جو بالکل ننگے تھے، جن میں عورتیں بھی اور مرد بھی تھے۔ جو آپس میں باتیں کرتے۔ کسی سے تولیہ لے کر بدن کو ڈھانپتے۔ میں نے بھی مولوی مقبول عالم کو کہا کہ مجھے پیشاب کی حاجت ہے۔ ٹین کا ڈبہ یا بوتل ملے تو لے آئیں۔ ڈھونڈ کر وہ ٹین کا ڈبہ لائے۔ میں نے بستر پر لیٹے ہوئے پیشاب کیا۔ رات گزری تو اگلی صبح میرے اردگرد کئی زخمی مر گئے۔ اس طرح دوسری جگہ سے بھی اطلاع ملی کہ بہت آدمی مر گئے ہیں جن میں میرا بھتیجا محمد یوسف بھی رات دس بجے فوت ہو گیا۔ ڈاکٹروں نے جب دیکھا تو معلوم ہوا کہ پیشاب بند ہونے سے زخمیوں کی اموات ہوئی ہیں۔ اب ڈاکٹروں نے سوئی لگا کر پیشاب کرانا شروع کر دیے۔ مجھے پوچھا کہ پیشاب آیا ہے، میں نے کہا رات آیا تھا۔ کمبل اٹھا کر میرا پیٹ دیکھا تو بستر پر خون دیکھا۔ معلوم ہوا کہ پیشاب کے ساتھ خون نکلا۔ اس خون کے جم جانے سے بہت اموات ہوئیں۔ دوپہر کو میرے عزیز مجھے چھاؤنی کنچر مارکیٹ لے گئے۔ جہاں اور کئی مرد و زن میدان میں پڑے ہوئے تھے۔ برآمدے میں میری رات گذری۔ صبح دس بجے دو گورا سپاہی ڈیوٹی پر آئے اور پوچھنے لگے کہ کہاں کہاں چوٹ آئی۔

زلزلے کے مستقل جھٹکے:

میری کہنیاں اور کولہے سب زخمی تھے۔ لیکن میری کمر اور ران ہلنے نہیں دیتے۔ ایک گورے سپاہی نے کہا میں دوا لاتا ہوں۔ سائیکل پر گیا اور پندرہ بیس منٹ بعد ایک مرہم کی ڈبیہ دے گیا کہ جب تکلیف ہو اس کی ہلکی سی مالش کر لی جائے اور میری چارپائی برآمدے سے اٹھا کر میدان میں رکھ دی۔ میری کمر اور ران پر اس کی ہلکی سی مالش کی جس سے مجھے ٹھنڈک سی محسوس ہوئی جو جگہ کوئلہ کی طرح جل رہی تھی۔ اس میں بہت فرق پڑ گیا اور وہ ڈبیہ دے گیا۔ زلزلے کے جھٹکے آ رہے ہیں۔ بارہ بجے اگلے دن آرڈر ہوا کہ شہر میں کوئی آ جا نہیں سکتا اور مارشل لاء لگ گیا ہے۔ چھاؤنی میں آرڈر ہوا کہ کوئی سویلین چھاؤنی میں نہیں رہ سکتا۔ سب ریس کورس کے میدان میں چلے جاویں۔ زخمیوں کو لینے کے لیے گاڑیاں آئیں گی۔ اڑھائی بجے ایک گاڑی آئی۔ اس میں مَیں اور ابراہیم بیٹھ کر ریس کورس پہنچے۔ وقت قریب 3 بجے کا تھا۔ جب گاڑی سے نکال کر مجھے بستر سمیت زمین پر لٹایا تو زلزلہ اس قدر شدید آیا کہ میرے کانوں میں زمین کے نیچے سے آواز اس طرح سنائی دی جیسے چارپائی ٹوٹنے

سے ہوتی ہے۔ سب لوگ چیخ پکار کرنے لگ گئے کہ اگر اس رات کے زلزلہ سے شہر بچ جاتا تو اس زلزلے سے کوئی بھی شہر سے نہ نکل سکتا۔ میں نے زمین پر لیٹے ہوئے پہاڑوں کو دیکھا تو اس قدر گرد وغبار تھا کہ کوئی پہاڑ نظر نہ آتا حالانکہ کوہ مردار ڈھائی تین میل کے فاصلے پر ہے جس کی اونچائی آٹھ دس ہزار فٹ بلندی پر ہے۔

اب سب کو یہ فکر ہوئی کہ اس زلزلے سے ریلوے لائن کی سرنگیں کب بچی ہوں گی۔ اگر سرنگیں گر گئیں تو راستہ کوئی نہیں جس سے پنجاب کوئی جا سکے بلکہ یہ بھی سب کو خیال ہوا کہ کوئٹہ کے اِردگرد سب پہاڑ ہیں۔ کہیں یہ خطہ اندر دھنس کر جھیل نہ بن جائے۔ خدا کی مہربانی سے سب سرنگیں سلامت رہیں اور کراچی لاہور سے آنے والی گاڑیاں شام تک کوئٹہ پہنچ گئیں۔ ریل گاڑیوں کی آمد سے سب کو اطمینان ہوا۔ پہلی سپیشل ٹرین کوئٹہ سے لاہور رات کو بچوں اور عورتوں کو لے کر 2 جولائی 1935ء کو پنجاب روانہ ہوئی۔ جس میں ابراہیم کے بال بچے پنجاب چلے گئے۔ اب مقبول عالم کی جگہ میرے پاس محمد ابراہیم رہا۔ تین جون کی صبح سپیشل ٹرین خیموں اور بوڑھوں کو لے کر کوئٹہ سے روانہ ہوئی۔ صبح و شام ریس کورس میں دال روٹی پکی ہوئی ملٹری والے تقسیم کرتے۔

معلوم ہوا کہ زخمیوں کے لیے کل صبح دس بجے چمن پھاٹک سے ٹرین چلے گی۔ یہ پھاٹک ریس کورس کے بالکل نزدیک تھا۔ ابراہیم نے کہا کہ مجھے ریڑھا یا ٹانگہ نہ ملا تو ہاتھ ریڑھی والے کو لے آؤں گا۔ جس کے ذریعے آپ کو چمن پھاٹک تک لے جانا ہے۔ راستے میں ایک پٹھان ہاتھ ریڑھی لیے جا رہا تھا۔ ابراہیم نے اسے کہا کہ ایک زخمی کو پھاٹک تک لے جانا ہے۔ اس نے کہا پچیس 25 روپے لوں گا۔ ابراہیم نے سوچا اور بھی زخمی ہوں گے۔ انھیں بھی ساتھ ملا لیا جائے۔ ہمارے پاس تو صرف 10 تھے جو ایک بچے نے جمع کیے ہوئے تھے۔ تاہم ابراہیم ریڑھے والے کو لے آیا۔ جب اسے کہا کہ زخمی کو ریڑھے پر رکھ لو، ہم بھی دو تین آدمی تمہارے ساتھ لگتے ہیں تو اس نے کہا کہ پہلے مجھے پچیس روپے دو، اس نے بیس روپے دیے تو تین چار آدمیوں نے میرے بستر کو پکڑ کر ریڑھے پر ڈال دیا۔ وہاں سے زائد سے زائد دس منٹ کا راستہ پھاٹک تک تھا۔ دس ہی منٹ میں پھاٹک پر پہنچے۔ رات ساری پھاٹک کے پاس گزاری۔ کھانے کو کچھ نہ تھا۔

صاحب کے قیمے والے پراٹھے کام آ گئے:

ابراہیم کو کہا بھوک لگی ہے۔ ایک آدمی بولا۔ میرے پاس روٹی ہے۔ اس نے دو پراٹھے دیے جو نمکین تھے۔ ساتھ ہی شہد کی بوتل میں سے شہد نکال کر دیا جس کو ہم تین چار آدمیوں نے کھایا اور اللہ کا شکر کیا کہ واہ اللہ

جو چیزیں تندرستی میں نہ ملیں آج تو جنگل میں (جہاں کوئی انتظام نہیں)، ہمیں اپنی نعمت کھلا رہا ہے۔ اس پر اُس آدمی نے کہا یہ آٹھ دس پراٹھے جن میں قیمہ پڑا ہوا ہے۔ زلزلے کی رات کو تیار کیے گئے اور میرے صاحب نے صبح شکار کے لیے جانا تھا۔ ساتھ یہ شہد بھی رکھ لیا۔ رات کو زلزلہ آیا تو میرے صاحب زلزلہ میں دب کر فوت ہو گئے۔ میں بچ گیا۔ میں دو تین دن سے وہی پراٹھے اور شہد کھا رہا ہوں۔ اب آپ کے نصیب کے دو پراٹھے اور شہد تھا جو آپ کو مل گیا۔ شہد ابھی تھوڑا سا باقی ہے۔ نامعلوم کس کے نصیب میں ہوگا۔ دُکھ ہو یا سُکھ، واقعی قدرت اپنے کرشمے دکھاتی ہے۔ صبح نو بجے ٹرین سٹیشن سے چمن پھاٹک آ گئی۔ جہاں پلیٹ فارم نہ تھا۔ مجھے گاڑی پر سوار کرنے کے لیے چار پانچ صاحبان نے بڑی احتیاط سے دروازے کی اونچائی تک لے جا کر میرا بستر گاڑی کے فرش پر کھینچ لیا۔ بستر کھینچتے وقت میری کمر دروازہ سے لگ گئی۔ جس سے مجھے اس قدر درد ہوئی کہ میں بے ہوش ہوگیا۔ دس بجے گاڑی پھاٹک سے چل کر جب کوئٹہ سٹیشن پر پہنچی تو گاڑی کے تھرکنے سے مجھے تکلیف ہوئی۔ کوئٹہ سٹیشن پر لاہور سے آئے ہوئے ڈاکٹر نرسیں موجود تھے۔ انھوں نے زخمیوں کو دیکھنا شروع کر دیا۔ میں تو دروازے میں ہی پڑا ہوا تھا۔ ڈاکٹر نے دیکھا تو اس نے بھی دوا پلائی اور زخمی جگہوں پر مرہم لگائی۔

خدمت اور ایثار کے مناظر:

4 جون صبح 10½ بجے کوئٹہ سے سپیشل ٹرین لاہور روانہ ہوئی۔ ٹکٹ وغیرہ کوئی نہ تھا جہاں جہاں کسی نے جانا ہوتا وہاں تک کی چٹ بنا کر دی جاتی۔ ٹرین چار بجے سبی پہنچی تو یہاں تمام سیاسی جماعتوں کے رضا کار آئے ہوئے تھے جن کو کوئٹہ جانے کی اجازت نہ تھی اس لیے سب کو سبی روک رکھا تھا۔ سبی سے گاڑیوں کے ساتھ جتنی ضرورت ہوتی سامان دوائیاں اور رضا کار پنجاب بھیج دیے جاتے۔ ان کو معلوم ہوا کہ ہماری ٹرین میں ایک مرد اور ایک عورت سخت زخمی ہیں، جو ہل بھی نہیں سکتے۔ ہمارے کمرے میں چھ آدمیوں کا خاکسار گروپ مع دوائیاں اور دیگر سامان لے کر بیٹھ گئے۔ جب سبی سے گاڑی چلی، تھرکنے سے مجھے بہت تکلیف ہوئی تو دو آدمیوں کی ڈیوٹی مجھے سنبھالنے پر لگا دی۔ جنھوں نے پہلے سب زخموں پر دوائی لگائی اور زخموں کو لپیٹ دیا۔ دو تکیے دائیں طرف دو تکیے بائیں طرف رکھ کر اپنے ہاتھوں اور پاؤں سے دبا دیا اور میرے ساتھ فرش پر ہی بیٹھ گئے۔ اس سہارے کی وجہ سے گاڑی تھرکنے سے مجھے تکلیف ہوتی تھی اس میں خاصی کمی ہوگئی۔

جہاں گاڑی کھڑی ہوتی لوگ زخمیوں کے لیے ہر چیز مہیا کرتے۔ کھانے کا پینے کا سب سامان دیتے اور جب میرے دروازے پر آتے وہ بھی روتے اور میں اپنی بے بسی پر روتا۔ جب وہ کھانے کو چیز دیتے تو میں

ہاتھوں کے اشارہ سے کہتا کہ مجھے کچھ نہیں چاہیے۔ شکار پور کا سٹیشن آیا تو ڈاکٹر صاحب ڈبہ میں آئے۔ انھوں نے مجھے دیکھا تو کہا آپ یہاں ہسپتال میں داخل ہو جائیں۔ لاہور تک پہنچنا بڑا مشکل ہوگا۔ میں نے کہا میں لاہور ہی جاؤں گا۔ انھوں نے کچھ دوا پلا دی اور رضا کاروں کو مرہم دے دی جو گھنٹہ دو گھنٹہ بعد زخموں پر لگاتے۔ سکھر روہڑی میں بھی بہت لوگ آئے جو زخمیوں کے لیے دوائیں اور باقی آدمیوں کے لیے کچھ نہ کچھ کھانے کی چیزیں ساتھ لائے جو سب میں تقسیم کر دیں۔ جب گاڑی بہاولپور پہنچی تو نواب صاحب مع ڈاکٹر صاحب کے میرے کمرے میں آئے۔ تو ڈاکٹر نے مجھے دیکھا تو کہا بہتر ہے آپ یہاں ہی ہسپتال میں داخل ہو جائیں۔ کیوں کہ اس حالت میں لاہور تک پہنچنا مشکل ہے۔ نواب صاحب نے بھی فرمایا: ٹھیک ہے جب ٹھیک ہو جائیں گے تو آپ کو لاہور بھیج دیا جائے گا۔ میں نے عرض کیا کہ میرے والدین بہت ضعیف ہیں۔ میرا چھوٹا بھائی اور بھتیجا زلزلہ میں فوت ہو گئے ہیں، جن کا صدمہ انھیں بہت ہوگا۔ میرے پہنچ جانے سے کچھ ان کو ڈھارس ہوگی اور میں بھی ان کی زیارت کر لوں گا۔ یہ مجھے بھی معلوم ہے میرا سفر کاٹنا مشکل ہے اور گاڑی سے اترنا سخت خطرہ ہے لیکن پہنچ تو جاؤں گا اور وہ مجھے دیکھ تو لیں گے۔ اس پر ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ ہم یہاں سے اپنا ایک ڈاکٹر ملتان تک بھیجتے رہے۔ ملتان گاڑی پہنچنے پر دوسرا ڈاکٹر منٹگمری (ساہیوال) تک گیا۔ منٹگمری سے لاہور تک دوسرا ڈاکٹر گیا جس نے لاہور ٹیلیفون کر دیا کہ ایمبولینس اور ڈاکٹر کا سٹیشن پر ہونا ضروری ہے۔

انگریز کا سگار اور میو ہسپتال:

6 جون صبح سویرے گاڑی لاہور سٹیشن پر پہنچی تو پلیٹ فارم نمبر 1 ڈاکٹر اور سٹریچر وغیرہ موجود تھے۔ وہ بوگی میں آئے۔ ڈاکٹر انگریز تھا۔ میرے پاس آ کر بیٹھ گئے۔ سب حالات پوچھے۔ میری کمر اور ران کو دیکھ کر کہنے لگے۔ آپ سگریٹ پیتے ہیں۔ میں نے کہاں جی ہاں پیتا ہوں۔ ایک سگار نکال کر دیا کہ اسے پیو۔ میں نے جب دو چار کش لگائے تو کچھ غنودگی سی آنی شروع ہوئی۔ جب انھوں نے غنودگی دیکھی تو میرے سر کی طرف جو آدمی کھڑے تھے۔ ان کو کہا کہ بستر کھینچ لو۔ جب انھوں نے بستر کھینچا تو مجھے ہوش آ گیا۔ ڈاکٹر نے اشارہ سے منع کر دیا اور میرے ساتھ باتیں کرنے لگ گئے اور چند منٹ بعد دوا کے دو گھونٹ دیے کہ اسے پی لو۔ دوا کے پینے سے مجھے پوری طرح غنودگی ہوگئی۔ یہ سب کچھ بزبانی ابراہیم معلوم ہوا۔ ڈاکٹر نے سر کی طرف جو دروازہ تھا اسے کھلوا دیا تا کہ راستہ چوڑا ہو جائے کہ اعضاء دروازے سے نہ لگیں اور آرام سے بستر کھینچ کر سٹریچر پر رکھا جائے۔ انھوں نے دروازہ کھول کر راستہ چوڑا کر لیا اور سٹریچر پر آرام سے رکھ کر سٹیشن سے باہر لے آئے جس کی

مجھے کوئی خبر نہیں۔ نامعلوم کتنے وقفہ بعد میری آنکھ کھلی۔ میں نے دیکھا کہ میں گاڑی میں نہیں ہوں بلکہ باہر کسی جگہ ہوں۔ چھت اور دیواریں دیکھ کر مجھے خوشی ہوئی اور سٹریچر پر رکھ کر مجھے ایمبولینس میں رکھ دیا۔ سٹیشن سے سیدھا میو ہسپتال لا کر 9 نمبر بیڈ پر لٹا کر فوراً انجکشن لگا دیا۔ وقت 7½ بجے صبح کا تھا۔ اس انجکشن لگنے کے بعد پھر مجھے پتہ نہیں کب میرے کپڑے بدلے گئے۔ نامعلوم اسی دن یا اگلے دن میں سویا ہوا تھا کہ کسی نے مجھے بلایا تو میں نے دیکھا میرے بدن پر کپڑے ہسپتال کے ہیں اور ساتھ ہی ٹرالی جس پر سٹریچر تھا۔ دو آدمی مجھے کہتے ہیں چلو ایکسرے لینا ہے۔ میں نے ان کو کہا کہ میں اب بالکل ٹھیک ہوں مجھے آرام سے پڑا رہنے دو۔ انھوں نے کہا ایکسرے ہونے کے بعد کئی مہینے آرام سے پڑا رہنا۔ کوئی نہیں اٹھائے گا۔ ایکسرے کے لیے لے گئے۔ جس سے پھر کچھ تکلیف ہوئی۔ انھوں نے کہا کہ بس اب اور کوئی تکلیف نہ ہوگی۔ مجھے چارپائی پر لٹا گئے۔ یہ لاہور وارڈ تھی جس میں اکتالیس 41 بیڈ تھے۔ جو سب نازک کیس کے زخمی تھے۔ ہفتہ بعد سب مریضوں کا پلاسٹر لگا دیا گیا اور ان کی پنڈلیوں اور گھٹنوں کے درمیان لوہے کی سلائی ڈال کر لٹکا دیے گئے۔ جب میری باری آئی۔ کرنل میرا جکرا انچارج میو ہسپتال تشریف لے آئے۔ انھوں نے کہا کہ اس کو پلاسٹر نہیں لگانا۔ اس کے پاؤں کے انگوٹھا سے وزن باندھنا ہے۔ میں نے شکر کیا کہ الٹا لٹکنے سے بچ گیا لیکن ایک تختی میرے لیے آئی جس سے تین چار رات دن بڑی تکلیف پہنچی۔ میری چارپائی کے درمیان 9 انچ اونچائی رہی اور دونوں پیروں کے انگوٹھوں کو وزن باندھ دیے اور نیچے لٹکا دیا۔ وزن کی تو اتنی تکلیف نہ ہوئی مگر کمر کی تختی نے بڑا بے چین کر دیا۔ دو تین ہفتے گزرنے کے بعد کمر چوتڑ اور کندھے عادی ہو گئے۔ وارڈ کی نرسوں نے فیصلہ کیا، جو سب یورپین تھیں کہ مولوی کی چارپائی بدل کر ڈسپنسری کے ساتھ والی بیڈ نمبر 2 پر لائی جائے۔ بیڈ بدلنے سے مجھے سکون ملا کیوں کہ مریض بہت تنگ کرتے تھے۔

خدا ترس انگریز نرسیں:

ہسپتال میں آ کر میں نے اپنی خوراک بہت ہلکی کر دی۔ جس سے اللہ کی مہربانی سے مجھے بخار، کھانسی یا اور کوئی شکایت نہ ہوئی۔ البتہ بارہ یوم پاخانہ نہ آیا اور ہلنے سے بھی ڈر لگتا تھا۔ کھانسی چھینک آنے سے چند منٹ بہت تکلیف ہوتی۔ دو تین یوم میری پٹی نرسوں نے باندھی۔ آخر میں نے خود ہی باندھنے کی کوشش کی کیوں کہ مثانے کے ساتھ جو ہڈی تھی ٹوٹی تھی۔ جو بہت نازک جگہ تھی۔ لڑکیوں سے بندھوانے سے بڑی شرم آتی تھی۔ اس لیے ایک دن خود ہی کھول کر بہت بڑی غلطی کی جس سے میرا بدن ایسا معلوم ہوتا کہ ہوا لگنے سے ایک دم

پھول گیا۔ آخر پٹی کا ایک سرا منہ میں پکڑا۔ نرس ہاتھ ڈال کر پٹی کو دیکھ جاتی کہ پٹی نرم تو نہیں۔ نرسیں سب یورپین تھیں۔ انھوں نے سب مریضوں کی حالت دیکھ کر مجھے اپنی ڈسپنسری کے پاس لا کر مجھ پر احسان کیا۔

بارہ یوم کے بعد میں نے سٹاف نرس کو کہا کہ آج مجھے پیرافین شربت کی ایک خوراک دے دیں تا کہ مجھے آسانی سے پاخانہ آ جائے۔ اس نے ایک اچھی خوراک پیرافن کی پلا دی۔ شب دو بجے کھل کر پاخانہ آ گیا اور مجھے کوئی تکلیف بھی نہ ہوئی۔ البتہ بیڈ پین کے باہر ہی پاخانہ نکل گیا۔ فارغ ہونے کے بعد نرس نے چادر بدل دی اور میں آرام سے سو گیا۔ کمر میں تختی لگنے کی وجہ سے زخم ہو گئے تھے۔ زخموں کی خارش نے ستانا شروع کیا۔ اب خدا کی مہربانی سے نرسیں اور سٹاف نرس سسٹر وغیرہ سے رابطہ اس قدر ہو گیا کہ وہ ہر وقت میرا خیال رکھتیں اور دریافت کرتیں کہ کسی چیز کی ضرورت تو نہیں۔ میں جواب دیتا کہ مہربانی کسی چیز کی ضرورت نہیں۔ کھانا کم کھانے کی وجہ سے میرا درجۂ حرارت اکثر 98-97 سے نہ اوپر نہ نیچے ہوتا۔ خدا کی مہربانی سے دیگر کوئی شکایت بھی نہ ہوئی۔ دوسرے اکثر مریض اس بے احتیاطی سے کئی عوارض میں مبتلا ہو گئے۔

ہوسٹل میں اکثر مریضوں کے بارے نرسیں باتیں کرتیں اور سسٹر تک بھی شکایت کرتیں اور یہ بھی کہتیں کہ مولوی بالکل ٹھیک ہے۔ اس لیے ہم اس کی چارپائی بدل کر ڈسپنسری کے پاس لے آئی ہیں۔ سسٹر جب بھی وارڈ میں آتی تو سیدھی میری چارپائی کے پاس آ کر دریافت کرتی کہ کسی چیز کی ضرورت یا تنگی تو نہیں۔ اس کو یہی کہتا کہ بالکل ٹھیک ہے البتہ مجھے (Bed Sores) کمر کے زخم بہت تنگ کرتے ہیں سسٹر نے وارڈ ڈاکٹر کو بتایا۔ وہ دیکھنے آیا۔ زخم بہت بڑے ہو چکے تھے۔ میڈیکل آفیسر کو لے آئے۔ انھوں نے کہا کہ اس کی تختی نکال دی جائے کیوں کہ ہڈیاں اب اپنی جگہ پر آ گئی ہوئی ہیں۔ تختی نکالنے سے اور بھی تکلیف بڑھ گئی۔ کندھے اور چوتڑ چارپائی سے لگ جاتے لیکن کمر میں جو خم پڑ چکا تھا وہ چارپائی سے نہ لگتا۔ دو تین دن بڑی بے چینی سے گزرے رات کو نیند بھی بالکل نہ آتی۔ سسٹر آئی۔ اس کے ساتھ ایک لیڈی ڈاکٹر تھی جو انڈین تھی۔ میرا ایکسرے بتلایا۔ وہ دیکھ کر میرے ساتھ پنجابی میں باتیں کرنے لگ گئیں۔ بعد میں نرسوں سے معلوم ہوا کہ یہ سرگنگا رام کی نواسی ہے۔ اس کی مجلس سے دل کو راحت ہوئی اور سسٹر کو کہا کہ ان کی کمر کے نیچے ربڑ ویل (Rubber Wheel) رکھ دیا جائے تا کہ کمر آہستہ آہستہ اپنی جگہ پر آ جائے۔ ربڑ ویل نے مجھے بہت آرام پہنچایا۔

اس کے بعد جب بھی سسٹر آتی تو ان کے ساتھ سرگنگا رام کی نواسی کا ہر روز آنا جانا شروع ہوا۔ مجھ سے دریافت کیا کہ کسی چیز کی ضرورت ہو تو بتلا دیا جائے۔ میں نے کہا: اخبار، ایک دستہ کاغذ اور پنسل چاہیے۔ انھوں نے اگلے دن ایک دستہ کاغذ، پنسل اور اخبار کے علاوہ چند پوسٹ کارڈ اور لفافے مجھے لا دیے۔ پڑھنا لکھنا میری

ایک قسم کی خوراک تھی۔ بس لیٹے لیٹے پڑھتا اور لکھتا رہتا۔ جس سے میری توجہ اس طرف ہوگئی اور تکلیفات کا احساس کم ہونے لگا۔

ہسپتال میں مریضوں کے لیے پٹیاں بنانا:

نرسوں کو میں نے کہا پٹیاں بنانے کا کپڑا مجھے لا دو۔ میں لیٹے لیٹے یہ کام کرتا رہوں گا۔ انھوں نے کہا کہ سسٹر آوے گی تو ان سے آپ بات کریں۔ میں نے سسٹر سے ذکر کیا۔ وہ بہت خوش ہوئی کہ اچھا میں کل اس کا بندوبست کر دوں گی۔ اگلے دن ایک تھان کپڑے کا ایک قینچی ایک لکڑی کا فٹ رول دے کر کہنے لگیں کہ اس میں سے پٹیاں بنا دی جاویں۔ اس نے چار قسم کے سائز مجھے لکھوائے۔ میں نے ایک نرس کو ساتھ لے کر سارے تھان کی لمبائی کے بموجب سائز جو لکھائے تھے ٹکڑے کر دیے، کنارے سے ایک جیسے کر کے الگ الگ لپیٹ کر رات دس بجے تک مختلف سائز کی پٹیاں بنا کر دے دیں۔

سسٹر نے جب چاروں سائز دیکھے اور طریقہ سے سب لپیٹے ہوئے دیکھے تو کرنل میراجکر صاحب کو چاروں قسم کے بینڈج تہہ شدہ بتلائے کہ یہ مولوی نے بنائے ہیں۔ دو تین یوم بعد ایک تھان اور آ گیا۔ میں نے اسے بھی کاٹ کر جو چھاتی پر رکھ کر کاٹے جاتے، آدھے تھان کے تیار کر دیے۔ شام تک یہی بنا سکا۔ بتی بند ہونے کی وجہ سے اسے روک پڑ گئی۔ اس پر وہ دیکھ کر خوش ہوئے اور آرڈر ہوا کہ مولوی کی بتی رات دس بجے تک بند نہ کی جائے۔ میں نے دیکھا کہ اس بتی کے جلنے سے دوسرے مریضوں کو تکلیف ہوتی ہے۔ بتی پر شیڈ لگا دیا جائے۔ ایک لکڑی کا کیو بنا کر دیا گیا۔ اس لکڑی کے کیو سے جب بتی بند کرنی ہو، یا کھولنی ہو اس سے کام لیا جائے۔ جب مریضوں نے دیکھا کہ مولوی کے پاس سب آتے جاتے ہیں تو مجھے مریضوں نے پیغام بھیجا کہ چھت کے پنکھے دور دور ہیں۔ ہم کوئٹہ کے رہنے والے ہیں۔ گرمی بہت محسوس ہوتی ہے۔ پنکھے اور لگوائے جائیں۔ میں نے اس کے لیے سسٹر کو کہا اس نے کہا اچھا اس کے بارے میں میٹنگ کر کے فیصلہ کیا جائے گا۔ ایک ہفتہ بعد سارے کمرے کے پنکھے کھول کر دو دو چارپائی کے درمیان پنکھے لگائے گئے۔

مریضوں نے پھر ایک پیغام بھیجا کہ ہم چار بجے چائے کے عادی ہیں۔ اگر چائے کی ایک ایک پیالی چار بجے دی جائے تو بہت اچھا ہوگا۔ اس کے بارے میں سسٹر کو کہا کہ اس نے کہا اچھا کوشش ہوگی۔ چند دن بعد آرڈر ہوا کہ چار بجے لاہور وارڈ کے لیے پانچ سیر دودھ کی چائے بنا کر ایک ایک کپ وارڈ میں دیا جائے اور ساتھ دو دو پیس ڈبل روٹی پر جام لگا کر دیے جاویں۔ ہماری لاہور وارڈ میں 41 مریض تھے جو سب شدید زخمی

تھے، جن کی ہڈیاں شکستہ تھیں۔ شب روز 25 نرسیں 4 ڈاکٹر کام کرتے اور پرائیویٹ یورپین ریلوے گارڈ اور ڈرائیوروں کی لیڈیز بھی آ کر خدمت کرتیں۔ اتنی خدمت اپنے گھروں میں کوئی نہیں کرسکتا جو انھوں نے خندہ پیشانی سے کی۔ نرسوں کی خدمات ڈاکٹروں کی شفقت، سسٹر صاحبہ اور سرگنگا رام کی نواسی کرنل میراجکر صاحب کا جس قدر شکریہ ادا کیا جائے کم ہوگا۔ خدا ان کی خدمت کا ان کو اجر دے، آمین۔

وائسرائے ہند سے ملاقات:

ڈیڑھ ماہ بعد وائسرائے ہند لارڈ ویلنگڈن صاحب کوئٹہ کے زخمیوں کو دیکھنے کے لیے لاہور میو ہسپتال آنے کا پروگرام بنا۔ ان سے پہلے بڑے بڑے لیڈر کانگرسی، مسلم لیگی زخمیوں کو دیکھنے آتے رہے لیکن وائسرائے ہند کے آنے پر بہت احتیاط سے کام لینے کا بندوبست یعنی پروگرام بنایا گیا۔ ڈاکٹروں سسٹروں کی مجلس میں فیصلہ ہوا کہ وائسرائے صاحب کو لاہور وارڈ میں لے جایا جائے۔ جہاں شدید قسم کے زخمی سب کوئٹہ کے زلزلہ زدہ ہیں اور ایک مریض سے وائسرائے صاحب کی گفتگو ہو۔ یہ فیصلہ ہوا کہ اس کے لیے مولوی کو چنا جائے۔ اس پر سب متفق ہوئے۔ سسٹر اور سرگنگا رام کی نواسی نے مجھے آ کر کہا کہ وائسرائے کی آمد پر وائسرائے صاحب سے بات چیت کے لیے آپ کو منتخب کیا گیا ہے۔ یہ سن کر میں بہت گھبرایا کہ وائسرائے اور میں جو ایک بالکل معمولی آدمی ہوں یہ کیا ہوا۔ میری تعلیم بھی اتنی نہیں کہ میں بات چیت کرسکوں۔ بہتر تھا وارڈ میں اچھے تعلیم یافتہ مریض بھی ہیں اور گورنمنٹ کی اچھی سروس والے بھی ہیں۔ ان میں سے کسی کو چن لیا جاتا۔

سرگنگا رام کی نواسی نے کہا کہ جو متفقہ فیصلہ ہونا تھا وہ ہو چکا اور اس کے لیے دو یوم پیشتر گورنر صاحب پنجاب تشریف لائیں گے جس سے ریہرسل بھی ہو جائے گی۔ جولائی وسط میں ریہرسل ہوئی۔ گورنر صاحب تشریف لائے۔ چند باتیں مجھ سے بھی ہوئیں۔ اس کے بعد دوسرے دن صبح گیارہ بجے وائسرائے صاحب کی تشریف آوری تھی۔ لاہور وارڈ کو ہر طرح سے خوب سجایا گیا۔ ہر مریض کو نئے کمبل، نئی چادریں، نئے گدے، درمیان میں پھولوں کے گدستے رکھے گئے جو ایک جنت کا نمونہ تھا۔ دس بج کر چالیس منٹ پر میری چارپائی کے گرد وائسرائے میں اس وارڈ کی نرسیں ایک گھٹنہ زمین پر ہاتھ باندھے کھڑی ہیں۔ وارڈ کے درمیان سب ڈاکٹر وارڈ کے کھڑے ہیں۔ دس بج کر پچاس منٹ پر گھنٹی بجی کہ وائسرائے صاحب لفٹ پر تشریف لے آئے۔ وارڈ میں سب اپنی اپنی جگہ خاموش ہیں اور سب مریضوں کو انجکشن لگا کر خاموش کیا گیا تا کہ کوئی شور وغل نہ ہو۔ میں ہوش میں تھا۔ اب میرا خیال اپنی قبر والی کیفیت پر آیا کہ تو ایک قبر سے نکلا ہوا ہے، کیا دیکھ رہا ہے۔ کچھ عجب

میری کیفیت ہو رہی تھی۔ سسٹر نے میرے کمبل کو ہلایا۔ میں جس خیال میں ڈوبا ہوا تھا۔ ایک دم ہوش میں آیا اور اپنے آپ پر قابو پایا۔ اتنے میں وائسرائے صاحب وارڈ کے دروازے کے اندر تشریف لائے۔ ان کے پیچھے گورنر صاحب پنجاب، دو باڈی گارڈ، ان کے بعد کرنل میرا جکر اور ہسپتال کی مٹین صاحبہ میری چارپائی کے بائیں طرف کھڑے ہوگئے۔ دائیں جانب وائسرائے صاحب اور پائینتی کی جانب گورنر صاحب کھڑے ہوگئے۔

وائسرائے ہند سے گفتگو:

وائسرائے صاحب سے سلام ہوا اور بات چیت شروع ہوئی۔

1۔ انگریزی میں How are you? ہاؤ آر یو؟

I am quite well sir. آئی ایم کوائٹ ویل سر۔ میں بالکل ٹھیک ہوں، جناب!

2۔ تو پھر اٹھ کر کیوں نہیں بیٹھتے؟ جواب: اگر کرنل صاحب اجازت دیں تو میں بیٹھ جاؤں گا۔

وائسرائے صاحب نے کرنل میرا جکر کی جانب دیکھا۔ انھوں نے مجھے کہا: اجازت ہے۔ جواب: مجھے مدد کی ضرورت ہے۔ دو نرسیں آگے آ گئیں۔ مجھے دونوں کندھوں سے پکڑ کر میرے پیچھے دو تکیے رکھ دیے ابھی پوری طرح نہ بیٹھا تھا کہ میرا سر اور آنکھیں چکرانے لگے۔ نرسوں نے مجھے جلدی سے لٹا دیا۔ وائسرائے صاحب کھڑے دیکھ رہے تھے۔ ایک دو منٹ بعد مجھے ہوش آئی تو وائسرائے صاحب نے فرمایا تم تو کہتے تھے میں بالکل ٹھیک ہوں۔ جواب: جناب عالی اس میں میرا قصور نہیں۔ چھ سات ہفتہ سے مجھے بالکل سیدھا لیٹنا پڑا جب کہ دائیں بائیں کروٹ بھی نہ لے سکتا تھا۔ اب ساری بات چیت اردو میں ہو رہی تھی۔ جناب میرے ایک دم بیٹھنے سے خون نے دورا کرنا تھا جس سے میرا سر اور آنکھیں چکرانے لگے۔ وائسرائے صاحب نے کرنل میرا جکر کی طرف دیکھا۔ انھوں نے کہا جو کچھ مریض نے کہا درست ہے۔ خون کے ری ایکشن سے چکر آنا تھا۔ وائسرائے صاحب میرے سر کے نزدیک ہوگئے۔ کرنل میرا جکر نے میری روزانہ کی رپورٹ پکڑی اور وائسرائے سے کہنے لگے: کہ اس مریض کی دو ہڈیاں ٹوٹی ہوئی ہیں اس لیے اسے ہینگنگ نہیں کیا۔ ہڈیاں نیچے اور اوپر چڑھی ہوئی تھیں۔ کمر کے نیچے 1-6/7 انچ اونچی تختی لگا کر ہڈیوں کو اپنی جگہ لایا گیا ہے لیکن ہم حیران ہیں کہ اس کا ایک دن بھی ٹمپریچر کم و بیش نہیں ہوا اور نہ ہی کوئی دوسرا عارضہ ہوا۔ اس نے خوراک بالکل کم کھائی اور اب ہمیں امید ہے کہ وارڈ میں سب مریضوں سے پہلے یہی مریض اٹھ کر چلنے پھرنے لگے گا۔

وائسرائے ہند کے آنسو:

اس کے بعد وائسرائے صاحب پھر میری طرف متوجہ ہوئے کہ کوئٹہ میں کب سے رہتے ہو۔ جناب عالی ہماری دکان 1882ء سے جاری ہے۔ اس پر وائسرائے صاحب نے اُف کیا کہ پھر تو بہت نقصان ہوا ہوگا۔ جنابِ عالی نقصان کا اتنا فکر نہیں لیکن جو جانی نقصان ہوا ہے وہ کمی پوری نہیں ہوگی۔ وائسرائے صاحب نے دریافت کیا وہ کون تھے۔ جواب دیا کہ ایک میرا چھوٹا بھائی جس کی عمر 23 سال کی تھی دوسرا میرا بھتیجا جس کی عمر 21 سال کی تھی۔ ابھی میں بتلا رہا تھا کہ میرے آنسو آ گئے۔ وائسرائے صاحب نے میری پیشانی پر اپنا ہاتھ رکھا اور ذرا نیچے ہوئے تو میرے چہرے پر ایک قطرہ آنسو کا گرا۔ میں نے اپنے آپ کو سنبھالا۔ وائسرائے صاحب نے فرمایا اچھا کوئی کام بتلاؤ کس چیز کی ضرورت ہے۔ میں نے عرض کیا کہ آپ وقت کے بادشاہ ہیں اور میں ایک بڑا گنہگار ہوں۔ آپ میرے لیے خدا سے دعا کریں کہ میں جلدی اٹھ کر چلنے پھرنے لگ جاؤں۔ ایک دو منٹ خاموشی رہی اور میرے ساتھ ہاتھ ملا کر وارڈ سے باہر تشریف لے گئے۔ یہ گفتگو قریب نصف گھنٹہ ہوئی۔ بارہ بجے میرے پاس وارڈ سسٹر اور نواسی سر گنگا رام آئیں کہ ہم سب آپ پر بہت خوش ہوئے۔ کرنل صاحب اور میٹن صاحبہ نے بھی بہت خوشی کا اظہار کیا کہ وائسرائے صاحب سے جو گفتگو ہوئی بہت اچھی ہوئی اور سب سے بڑھ کر جب وائسرائے صاحب نے کہا، کہ بتلاؤ کس چیز کی ضرورت ہے تو آپ نے جواب دیا کہ میرے لیے خدا سے صحت یابی کی دعا کریں، آپ وقت کے بادشاہ ہیں۔ جس کے بعد دو منٹ کی خاموشی رہی۔ آپ نے ہسپتال کی لاج رکھ لی۔

انگریزوں میں پذیرائی:

اس بات کی چرچا بہت ہوئی۔ چند ایک نرسیں شادی شدہ تھیں، جن کے خاوند ریلوے میں تھے۔ انھوں نے جا کر اپنے خاوندوں سے ذکر کیا تو وہ یکے بعد دیگرے مجھے ملنے آتے اور اپنے ساتھ ایک بڑا ڈبہ سگریٹ کا یا فروٹ ساتھ لاتے۔ میں نے ان کو کہا کہ اتنی تکلیف کرنے کی ضرورت نہیں، اب آپ لے آئے ہیں، اس میں سے ایک ڈبی سگریٹ مجھے دے دیں۔ باقی ڈبیاں سب مریضوں میں ایک ایک بانٹ دیں۔ فروٹ بھی جو صاحب لاتے ایک دو دانے رکھ لیتا۔ باقی سب مریضوں میں بانٹ دیا جاتا ہے۔ بعض اوقات نرسیں فرج میں فروٹ کو رکھ دیتیں، بعد میں مجھے دے دیا کرتیں۔ یہ سب ان کی شفقت و مہربانی تھی لیکن میں صرف ایک دانہ لے کر باقی سب وارڈ کے مریضوں میں تقسیم کرا دیتا۔ اس طرح دوسری وارڈ سے نرسیں آتیں جو

بہت خوش ہو کر ملتیں کہ ہمیں ملنے کا شوق تھا کہ آپ کو ملیں۔ سب کو دعا دیتا کہ تم سب میری بہنیں ہو بلکہ بہنوں سے بھی زائد خدمت کرتی ہیں جو آپ مجھے ساری عمر یاد رہیں گی۔ ان یورپین لڑکیوں کو پتہ لگ گیا کہ کوئٹہ میں میرا ٹیلرنگ کا کام بھی تھا۔ انھوں نے کہا کہ اب آپ کو کوئٹہ جانے کی ضرورت نہیں۔ لاہور ہی میں کاروبار کریں۔ میں نے کہا پہلی چیز صحت ہے۔ جس کے لیے دعا کی ضرورت ہے۔ پھر کاروبار یہاں کر لیا جائے گا لیکن ہمارے یہاں کاروبار کرنے سے آپ کو کیا فائدہ ہوگا جب کہ ہماری دکان پر لیڈیز کا کام تو ہوتا ہی نہیں۔ انھوں نے کہا کہ پروا نہیں ہم ضرور آیا کریں گی۔

عظیم انسان سر گنگا رام کی نواسی سے علمی گفتگو: زلزلے کیوں آتے ہیں؟

ایک دن سر گنگا رام کی نواسی نے ذکر چھیڑا کہ کوئٹہ کے بارے جو افواہ ہے کہ وہاں بہت برے کام ہوتے تھے، اس لیے کوئٹہ تباہ ہوا۔ اس کے بارے آپ کا کیا خیال ہے؟ جواب میں کہا! بی بی صاحبہ اپنی ہوش کے قریب تیس سال میرے کوئٹہ میں گزرے۔ میرا بچپن، میری جوانی، میری تعلیم، میرا کاروبار سب کوئٹہ میں گزرا۔ میں نے اس سارے عرصہ میں وہ کچھ نہ دیکھا جو اَب میں دو ماہ سے ہسپتال کی چارپائی پر لیٹے ہوئے دیکھتا ہوں۔ بی بی صاحبہ میرے اس فقرے پر حیران ہوئی اور کہنے لگی کہ ہم تو بہت باتیں سنتے رہے۔ آپ نے اس کے بالکل برعکس جواب دیا۔ میں نے عرض کی بی بی صاحبہ اس کے بارے دوسری بات یہ ہے کہ یا تو میرا تعلق یا میرا ماحول ہی ایسے لوگوں کا رہا جو نیک خیال تھے اور مجھے کوئٹہ کے حالات سے واقفیت نہ ہوئی ہو لیکن میرا بچپن و تعلیم جوانی سب وہاں گزرے۔ میں دوبارہ عرض کرتا ہوں جو بے حیائی لاپروائی یہاں دیکھ رہا ہوں، سچ کہتا ہوں کہ میں نے وہاں نہ دیکھی۔ جواب میں پھر انھوں نے فرمایا کہ پھر کیا وجہ جو اس قدر تباہی ہوئی؟ میں نے کہا کہ میں مسلمان ہوں، میرا عقیدہ اس خدا پر ہے جس نے سارے جہاں کو بنایا۔ زمین، آسمان، چاند، سورج کو جس نے بنایا، وہی سب کا مالک اور خالق ہے۔ جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے۔

اس کے کاموں میں کسی کو کیا دخل۔ وہ بہتر کرنے والا بہتر جاننے والا ہے۔ البتہ ظاہری طور پر میں اس کا بہت شکر کرتا ہوں۔ وہ یہ کہ خدانخواستہ یہ زلزلہ ہندوستان کے کسی بڑے شہر میں آتا جہاں گنجان آبادی ہے۔ کس قدر جانی مالی نقصان پہنچتا۔ اس لیے اس خالق مالک نے ہندوستان ہی کے ایک کم آباد علاقے کو ہلا کر دکھلا دیا کہ ہوش کرو، میں سب کچھ سنتا ہوں۔ دنیا کو جگانے کے لیے ایک اس کونے کو ہلا کر بتلا دیا کہ نہ بھی وہ کونہ جس کی اپنی آبادی بہت کم باقی سارے ہندوستان کے لوگ شہر کے ساتھ بالکل ملحقہ چھاؤنی میں یورپین

سمیت آباد تھے۔ گورہ پلاٹون تھیں۔ جس چھاؤنی کو سارا یورپ بھی خوب جانتا ہے بلکہ میں تو یہاں تک کہتا ہوں کہ لاہور پنجاب کا بہت بڑا شہر ہے۔ لاہور کی یورپ میں اتنی شہرت نہ ہوگی جتنی کوئٹہ چھاؤنی کی ہے کیونکہ کوئٹہ اگر مشہور ہوا تو چھاؤنی کی وجہ سے ہوا۔ اس چھاؤنی میں ہر وقت یورپ کے لوگ رہتے چالیس ہزار کی تعداد میں پلٹنیں میں جو تین تین سال یہاں گزارتے۔ اس لیے اس کی ہر برِاعظم میں مشہوری تھی۔ شہر کی آبادی ستر ہزار کے لگ بھگ ہوگی۔ اس میں بھی مقامی آبادی کے لوگ زائد سے زائد دس پندرہ ہزار باقی سب ہندوستانی، پنجابی، مدارسی، بنگالی، پشاوری، سندھی وغیرہ۔

اس ایک کونے کے ہلنے سے جس جس علاقے کا آدمی فوت ہوا وہاں آہ و پکار پڑ گئی تو گویا ہندوستان کے ہر شہر ہر قصبہ میں چیخ و پکار پڑ گئی کیوں کہ جن جگہوں کے آدمی زلزلہ میں دب کر فوت ہو گئے وہاں کوئٹہ کا نام لیا گیا۔ صرف چھاونی کی وجہ سے سارا یورپ کوئٹہ کو جانتا بلکہ دیکھ بھی چکا ہوگا۔ جہاں چھاؤنی میں زلزلے کی وجہ سے ایک آدمی کا بھی جانی نقصان نہ ہوا۔ شہر اور چھاؤنی کے درمیان صرف ایک نالہ ہے۔ نالے کے ایک طرف نہ تو کوئی مکان بچا اور پچاس ہزار جانوں کا نقصان ہوا اور نالے کے دوسری جانب چھاؤنی میں ایک بھی جانی نقصان نہ ہوا اور نہ کسی عمارت کا نقصان ہوا۔ یہ سب قدرت کے کھیل ہیں۔ کوئٹہ سرد مقام بھی ہے۔ یورپ والے کافی تعداد میں اس وقت بھی یہاں مقیم تھے۔ اسی چھاونی کی وجہ سے یورپ کیا ساری دنیا کوئٹہ جانتی ہے۔ اللہ نے اس کونے کو ہلا کر ساری دنیا میں آواز پھیلا دی کہ اگر خدانخواستہ ہمارے دوسرے بڑے شہر جن کی اپنی آبادی لاکھوں تک کی ہے اگر وہاں یہ زلزلہ آتا تو لاکھوں کی تعداد میں جانی نقصان ہوتا اور گنجان ہونے کے باعث مالی نقصان کا کیا حساب ہوتا اور سب سے بڑھ کر ان شہروں میں اپنے ہی علاقے کے لوگ زیادہ ہوتے۔ اس لیے پھر اللہ کا شکر کرنا پڑتا ہے کہ کوئٹہ کو ہلا کر ایک چادر کے کونے کی طرح سب دنیا کو جگا دیا کہ ہوش کرو، جاگو بی بی صاحبہ نے خوب تسلی سے میری باتیں سنیں اور ہاں میں سر ہلاتی رہی۔

خدا ڈھیل دے کر آزماتا ہے:

میں نے سرگنگا رام کی نواسی سے کہا کہ بی بی صاحبہ خدا سب کا ہے۔ مخلوق ساری اس کی پیداوار ہے۔ وہ سب کا رکھوالا بھی ہے۔ اس کی کسی سے دشمنی بھی نہیں۔ مگر کبھی کبھی دیکھنے میں آیا کہ ایک ماں اور باپ جو نیک کسی کا دل دکھانے والے نہ تھے۔ لیکن جب ان کے گھر بچہ پیدا ہوا ہے تو اس کی بینائی نہیں ہوتی، یعنی اندھا پیدا ہوتا ہے۔ کیا اس کے ماں باپ نے کوئی گناہ کیا جس کی سزا کے طور پر اندھا بچہ پیدا کیا یا بچے نے

پیدائش سے پہلے کون سا گناہ کیا کہ اس بچے کو اندھا پیدا کر دیا گیا۔ خدانخواستہ خدا بھی ہم جیسا ہے جو کسی سے دشمنی رکھتا ہے۔ یہ کبھی نہیں ہوسکتا تو پھر سوال پیدا ہوا کہ کیوں ایسے ہوا۔

محترمہ بی بی صاحبہ! قابلِ غور بات یہ ہے کہ بعض وقت خدا کسی کو ڈھیل دے کر آزماتا ہے، بعض وقت تنگی ترشی اور بیماری سے آزماتا یا جگاتا ہے۔ اب یہ تنگی ترشی، بیماری اس کے آزمانے کے لیے ہے یا کسی دوسرے کو دکھانے کے لیے یہ بات خدا ہی جانتا ہے۔ جیسے ایک ماں باپ جو نیک بھی اور تندرست بھی ہیں، ان کے صبر کی آزمائش ہو، جو صبر و شکر کے ساتھ بچے کی پرورش کریں اور دیکھنے والے بدمست جن کو اولاد بھی تندرست اور ان کو کوئی تنگی یا بیماری بھی نہیں شاید ان بدمست ماں باپ کو سمجھانا ہی مقصود ہو۔ خدا ہی کی ذات بہتر جاننے والی ہے۔ اسی طرح کوئٹہ ہندوستان کا ایک غیر آباد علاقہ تھا۔ خدا نے اسے ہلا کر باقی ساری دنیا کو بتلانا تھا۔ چھاؤنی کے لحاظ سے مشہور بھی تھا اور شہر کی آبادی جس میں اکثریت دوسرے علاقے کے لوگوں کی تھی۔ یہ سب کام اللہ ہی جاننے والا ہے۔ اللہ فضل کرے اور ہمیں اچھے اور برے کی سمجھ دے۔ میں نے آج کی مجلس میں آپ کا بڑا وقت لیا۔ آپ کی بڑی مہربانی میں تا زیست آپ کی انسانی مجالس کو یاد رکھوں گا۔ آج کی مجلس میں ڈیڑھ گھنٹہ لگ گیا۔ بی بی صاحبہ نے فرمایا کہ واقعی اب مجھے حقیقت کی سمجھ آئی۔ جسے میں نے خوب غور سے سنا بھی اور سمجھا بھی۔ اچھا اللہ حافظ۔

میو ہسپتال سے گھر واپسی:

اس کے بعد مسجد شہید گنج کا فساد شروع ہوا جس سے خطرہ بہت بڑھ گیا۔ میں اب خدا کے فضل سے اپنی وارڈ میں پہلا مریض جو کوئٹہ سے زخمی ہو کر آیا تھا، بغل میں بیساکھی لے کر چلنے پھرنے لگ گیا اور ارادہ کیا کہ میں اب گھر چلا جاؤں۔ چھوٹے بھائی محمد ابراہیم کو جستر وال چٹھی لکھی گئی کہ میرے لیے گھر سے کپڑے اور بوٹ لے کر آنا۔ میں گھر آنا چاہتا ہوں۔ ابراہیم کے لاہور آنے پر میں نے ڈاکٹروں کو کہا کہ میں گھر جانا چاہتا ہوں۔ انھوں نے کہا کہ ابھی کم از کم ایک ماہ اور ہسپتال میں رہنا چاہیے۔ انھوں نے اجنالہ ہسپتال والوں کے لیے داخلے کی چٹ لکھ دی کہ محمد اسماعیل کو ماہ دو ماہ کے لیے ہسپتال میں رکھا جائے۔ امرتسر جانے کے لیے سیکنڈ کلاس کا پاس دیا اور راستہ کے خرچ کے لیے نقد پچاس روپے دیے۔ برتن کپڑے وغیرہ کے لیے دریافت کیا میں نے کہا کہ کسی چیز کی ضرورت نہیں۔ گھر میں سب کچھ موجود ہے۔ باقی سب کی خدمت میں حاضر ہوں گا۔ لاہور سے صبح دس بجے کی ٹرین سے امرتسر روانہ ہوئے۔ ساڑھے گیارہ بجے امرتسر پہنچے۔ امرتسر سے ٹانگہ لیا اور

جستر وال پہنچے۔ سڑک سے دو تین فرلانگ پر گھر تھا۔ وہاں سے بیساکھیوں کے سہارے آہستہ آہستہ گھر پہنچے۔ راستہ میں بیساکھیوں کے سہارے چلتے دیکھتے ہوئے لوگ توبہ توبہ کرتے اور آنسو بھی بہاتے۔ والدِ محترم، جو بہت ضعیف تھے، سڑک پر پہنچے ہوئے تھے۔ گلے لگایا اللہ کا شکر کیا۔ گھر کے دروازہ پر والدہ محترمہ کھڑی تھی۔ جنھوں نے میرا منہ سر چُوما۔ خدا کا شکر کیا۔ غریب غربا کو کھانا کھلایا کچھ بچوں کو پیسے دیے۔ اپنے گھر میں نیچے کی منزل سے بالا خانہ کو بہتر سمجھا۔ جہاں سے ایک ماہ بعد نیچے اترا۔ ایک بیساکھی کے سہارے چلنا پھرنا شروع کیا۔ اسی دوران امرتسر سے ریلیف امداد دینے والے آئے، جو ہر زلزلہ والے گھرانے میں جا کر افراد کے حساب سے پیسے تقسیم کرتے۔ بیس روپے ماہوار سے ایک سو روپے ماہوار تک دیتے۔ ہمارے گھر آئے، گھر کے افراد دیکھے اور نوے روپے ماہوار مقرر کیے۔ ایک ماہ ریلیف لینے کے بعد ہم نے امرتسر درخواست دی کہ ہمیں کسی ملٹری یونٹ کا کام دیا جائے، ہمیں اور ریلیف کی ضرورت نہیں۔ جواب ملا کہ ملٹری یونٹ کے لیے کوشش کر کے ہم آپ کو اطلاع دیں گے۔ یہ ستمبر کا ماہ تھا۔ میرے دوست عبداللہ خان نمبردار اعلیٰ نے جستر وال آنے پر ہر روز چار سیر بھینس کا دودھ ہمارے گھر بھیجنا شروع کر دیا۔ ان کی مہربانی کو بھی نہیں بھول سکتا۔

کوئٹہ واپسی اور کام کا آغاز:

اکتوبر میں کوئٹہ سے اطلاع آئی کہ آپ کی دکان کی کھدائی ایک ہفتہ تک ہوگی۔ آپ کھدائی کے وقت کوئٹہ پہنچ جائیں۔ ابراہیم کو کوئٹہ بھیج دیا گیا۔ کوئٹہ سے کھدائی کے بعد چٹھی آئی کہ کپڑا جو الماریوں کے اندر تھا، کچھ بچ گیا۔ جو باہر تھا وہ بارشوں اور مٹی میں گل سڑ گیا ہے۔ تاہم جو الماریوں سے کپڑا ملا۔ 16 سو روپیہ کے لگ بھگ مالیت کا ہے۔ مشینیں سب نکل آئی ہیں، جو مرمت طلب زنگ آلود ہیں۔ آپ کا کوٹ واسکٹ بالکل صحیح ہیں، جن کی پاکٹوں سے قیمتی پتھر اور بٹوا بھی نکل آیا ہے۔ خدا کا شکر کیا کہ اب اس اثاثہ سے ہم تھوڑا بہت کاروبار کریں گے۔ کیوں کہ زلزلہ کے بعد صرف 10 آنے جو ایک بچے نے اپنی ڈبیہ میں رکھے تھے، ہماری مالیت تھی۔

دوسری چٹھی میں لکھا آیا کہ مسجد روڈ کی دکان کی کھدائی میں فضل کریم مرحوم اور اس کے کاریگر دونوں کی لاشیں بالکل صحیح سلامت نکل آئیں۔ جن کے بعد کھدائی کرانے کا حوصلہ نہ رہا۔ کھدائی چھوڑ دی گئی۔ لاشیں رضائیوں میں سیدھی پڑی ہوئی تھیں جیسے کہ سو رہے ہیں۔ ملبہ سب الماریوں کے اوپر تھا۔ ہوا کی بندش سے ان کی رحلت ہوئی۔ لاشوں کو دیکھ کر سب کچھ چھوڑ کر ان کو دفنانے کے کام کو مقدم سمجھا اور پھر کھدائی کی طرف

دھیان نہ دیا۔ دل پر بہت صدمہ ہوا جس کا بیان کیا کروں۔ اس کے بعد ابراہیم کی چٹھی آئی جس میں لکھا آیا کہ آپ کے سب ملنے والے یاد کرتے ہیں اور کہتے ہیں اگر چلنے پھرنے لگ گئے ہوں تو کوئٹہ ضرور آئیں۔ وسط نومبر میں کوئٹہ چلا گیا۔ شہر تو بند تھا۔ اس کی جگہ ریس کورس میں سب دفتر اور کاروباری آدمیوں نے اپنا اپنا سلسلہ شروع کر دیا۔ مجھے بھی ایک ٹینٹ خیمہ دیا گیا۔ کہ آپ اس میں رہیں۔ رات کو دو آدمی محافظ بھی آ جاتے۔ اپنے سب ملنے والوں میں سے جو پسماندہ احباب تھے ان سے مجلسیں ہوتی رہیں۔

سیٹھ آدمی علی صاحب کو کہا کہ آپ کی زمین ریس کورس کے نزدیک ہے تو چند ایک پندرہ بارہ فٹ کی دکانیں کھڑی کر دی جائیں۔ انھوں نے بیس دکانیں دو لائنوں میں کھڑی کر دیں اور مجھے کہا جس کو آپ مناسب سمجھتے ہیں دے دیں۔ میں نے تو دکان دس روپے ماہوار کرایہ مقرر کر کے دو دکانیں خود رکھ لیں۔ ایک دکان میں کاروبار شروع کر دیا۔ دوسری دکان جو صاحب پنجاب سے کھدائی کے لیے آئے، کے حوالے کی کہ وہ دو یوم کے لیے سامان بھی رکھے اور دو یوم کے لیے کھانا بھی اس کو ملے گا۔ اس کے بعد وہ اپنا بندوبست کرے تا کہ ان کی جگہ دوسرا کھدائی والا آ کر فائدہ اٹھائے۔

یکم نومبر تک جو کپڑا نکلا تھا اس کے لیے آرڈر بک ہوئے جنھیں پانچ جنوری تک ختم کیا اور آٹھ جنوری کو واپس پنجاب دونوں بھائی آ گئے۔ اپنا خرچہ مہمانوں کا خرچہ پورا کر کے ایک ہزار روپیہ بچ گیا جس کا گرمیوں کے لیے ٹھنڈا کپڑا امرتسر سے خریدا۔

چھٹا حصہ

زلزلے کیوں آتے ہیں؟

کائنات وحیات کے کئی رموز وحقائق ابھی سربستہ راز ہیں۔ جوں جوں انسان کا علم بڑھتا جائے گا، اس پر ان حقائق کے راز منکشف ہوتے چلے جائیں گے۔ اسی مناسبت سے انسان اپنی بساط کے مطابق زلزلوں کو سمجھنے کی تگ ودو میں مصروف ہے اور زلزلے آنے کی وجوہات سے کسی حد تک واقف ہو چکا ہے۔ یہ بھی جان چکا ہے کہ بڑے بڑے زلزلوں کے امکانی علاقہ جات کون کون سے ہیں۔ البتہ ابھی تک زلزلوں کے آنے کے اوقات کا پہلے سے تعین کر لینا ممکن نہیں ہو سکا۔ جہاں انسان ابھی تک زلزلے کے بارے میں صحیح پیش گوئی کرنے سے قاصر ہے وہاں تحقیقات سے یہ بات پتہ چلی ہے کہ جانوروں کو زلزلہ کی آمد کا پہلے سے پتہ چل جاتا ہے۔ اس سلسلے میں چین میں سانپوں پر تحقیق ہو رہی ہے جس سے پتہ چلا ہے کہ زلزلہ سے پہلے سانپوں کے رویہ میں تبدیلی آتی ہے اور وہ اپنی جگہ چھوڑنے کی کوشش کرتے ہیں۔ زلزلے کی لہریں زیرِ زمین چٹانوں میں رونما ہونے لگتی ہیں جس سے زمین کے مقناطیسی میدان میں ہلکا سا ردوبدل پیدا ہوتا ہے۔ انسانی حس ان تمام کیفیات کو محسوس کرنے سے قاصر ہے لیکن جانور اس قدر حساس ہوتے ہیں کہ زلزلے سے پہلے زمین کے نیچے چٹانوں میں ہونے والی ٹوٹ پھوٹ یا پلیٹوں کے ٹکراؤ کو محسوس کر لیتے ہیں جب کہ انسان کی قوتِ سماعت بہت محدود ہے۔ انسان ایک ہزار چکر فی سیکنڈ کی لہروں کو سن یا محسوس کر سکتا ہے۔ اس کے برعکس کتے، بلیاں اور دوسرے جانور 60 ہزار چکر فی سیکنڈ آواز سننے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ چوہے، چمگادڑ، وہیل، ڈولفن ایک لاکھ چکر فی سیکنڈ کی آواز سن سکتے ہیں۔ بچپن میں دادی اماں بتایا کرتی تھیں کہ ایک بہت بڑا بیل ہے جس نے اپنے بڑے بڑے سینگوں پر زمین کو اٹھایا ہوا ہے۔ بیل چلتا رہتا ہے۔ گھومتا رہتا ہے اور کبھی رکتا نہیں۔ جب کبھی اسے اونگھ یا نیند کا تھوڑا سا غلبہ ہوتا ہے زمین اس کے سینگوں سے سرکنے لگتی ہے مگر وہ جلد ہی دوبارہ اس کو سنبھال لیتا ہے۔ زمین کے اس سرکنے کو ''زلزلہ'' یا ''بھونچال'' کہتے ہیں۔

زلزلے کیوں آتے ہیں؟

اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے زمین و آسمان، سمندر، دریا، چاند، سورج، ستارے، سیارے ایک خاص نظام کے تحت چل رہے ہیں۔ جب بھی اللہ کے حکم سے اس نظام میں ایک لمحے کے لیے ذرا سا بھی تعطل یا ارتعاش پیدا ہوتا ہے تو ایک ہنگامہ برپا ہو جاتا ہے۔ کہیں یہ ہنگامہ تباہ کن زلزلے کی صورت میں بپا ہوتا ہے اور کہیں سونامی یا طوفان کی صورت میں مگر یہ سب اللہ کے حکم سے ہوتا ہے۔

ماہرین ارضیات کے مطابق کرۂ ارض کے اوپر والا 100 کلومیٹر حصہ کافی چوڑا ہے اور 12 سے 20 ٹکڑوں میں منقسم ہے۔ ان ٹکڑوں کو ٹیکٹونک پلیٹیں Tectonic Plates کہا جاتا ہے۔ ان پلیٹوں کے نیچے سیمی سالڈ (Semi Solid) چٹانیں ہیں جن کے اوپر یہ پلیٹیں تیر رہی ہیں۔ زمین کے نیچے والے حصے میں درجۂ حرارت بہت زیادہ ہونے کی وجہ سے لہریں (Convention Currents) پیدا ہوتی ہیں۔ اسی طرح زمین کی اندرونی سطح میں بھی اسی طرح انتہائی نیچے والے حصے میں پیدا ہونے والی حرارت کی وجہ سے لہریں پیدا ہوتی ہیں اور زمین کے اوپر حصے میں موجود ٹیکٹونک پلیٹیں ان لہروں یا کنونشن کرنٹ کی وجہ سے سیمی سالڈ چٹانوں کے اوپر تیرتی رہتی ہیں اور ایک دوسرے کی طرف حرکت کرتی رہتی ہیں۔ ایک دوسرے کی طرف حرکت کرنے والی ان پلیٹوں کو Convergent Plates کہا جاتا ہے لیکن اسی عمل کی وجہ سے کچھ ٹیکٹونک پلیٹیں ایک دوسری سے دور ہو رہی ہیں جنھیں Divergent Plates کہتے ہیں۔ اس عمل کے دوران ایک تیسری قسم کی پلیٹیں بھی سامنے آتی ہیں جو ایک دوسرے کو چھو کر گر جاتی ہیں ایسی پلیٹوں کو ٹرانسفارم پلیٹیں کہا جاتا ہے۔

زیر زمین حرکت والی ٹیکٹونک پلیٹیں عمومی طور پر 4 سے 5 سینٹی میٹر فی سال کے حساب سے مستقل چلتی رہتی ہیں۔ ان حرکات کی وجہ سے زمین میں تبدیلیاں یا تغیرات ہوتے ہیں جن میں ''زلزلہ'' بھی شامل ہے۔

پاکستان، بھارت اور اس کے اردگرد کے علاقوں میں تین ٹیکٹونک پلیٹیں Indian, Eurasian, Arabian Plates ہیں۔ ماہرین ارضیات کی تحقیق کے مطابق 71 ملین سال پہلے انڈین پلیٹ آسٹریلیا کے نزدیک سے 4 سے 5 سینٹی میٹر فی سال کے حساب سے شمال مشرق کی طرف حرکت کرنا شروع ہوئی۔ دوسری طرف ایک اور بہت بڑی پلیٹ یعنی یوریشین پلیٹ جنوب کی جانب سے اسی رفتار سے حرکت کر رہی تھی۔

دس ملین سال پہلے ان دو بڑی پلیٹوں میں ٹکراؤ کی وجہ سے زمین کے اوپر والے حصے میں بہت سی تبدیلیاں رونما ہوئیں اور زلزلے آئے۔ انہی تبدیلیوں کے دوران کوہِ ہمالیہ کا پہاڑی سلسلہ معرضِ وجود میں آیا۔ ان دو پلیٹوں کے ٹکرانے سے انڈین پلیٹ میں بہت سی دراڑیں پڑ گئی ہیں۔ ٹیکنوٹک پلیٹوں کی حرکت کی وجہ سے انڈین پلیٹ یوریشین پلیٹ کے نیچے گھستی جا رہی ہے جس کی وجہ سے بہت زیادہ توانائی یا حرارت پیدا ہوتی ہے۔ زمین کے نیچے پیدا ہونے والی یہ توانائی جب ایک خاص حد سے بڑھ جاتی ہے تو ٹیکٹونک پلیٹ میں موجود دراڑوں میں ارتعاش پیدا ہوتا ہے جس کی وجہ سے لہروں کی صورت میں توانائی خارج ہوتی ہیں۔ ان لہروں کو Seismic Waves یا زلزلہ کی لہریں کہتے ہیں۔ اصل میں توانائی لہروں کی صورت میں زیرِ زمین چٹانوں کے اوپر سفر کرتی ہے۔ ان لہروں کی وجہ سے سطح پر جھٹکے محسوس ہوتے ہیں۔ ان جھٹکوں کو زلزلے کا نام دیا جاتا ہے۔

ماہرین ارضیات کی تحقیق کے مطابق زمین کے مرکز کی گہرائی 6378 کلومیٹر تک ہے۔ زلزلوں کی شدت جاننے کے لیے ان کے مرکز کی گہرائی کے لحاظ سے بھی تقسیم کیا جاتا ہے۔ جن زلزلوں کا مرکز زمین کے اندر جتنی گہرائی پر ہوگا، ان کی شدت اتنی ہی کم ہوگی اور جن زلزلوں کا مرکز سطح زمین کے جتنے قریب ہوگا، ان کی شدت اتنی ہی زیادہ ہوگی۔ دنیا میں آج تک جتنے زلزلے آئے ہیں ان میں سے کسی ایک کا مرکز زمین کے اندر 700 کلومیٹر سے زیادہ گہرا نہیں تھا۔ جن زلزلوں کا مرکز زمین کے اندر 300 کلومیٹر سے 700 کلومیٹر گہرائی میں ہوتا ہے ان کی طاقت بہت کم ہوتی ہے، تاہم جن زلزلوں کا مرکز 70 کلومیٹر سے 300 کلومیٹر کی گہرائی میں ہوتا ہے وہ درمیانے درجے کے زلزلے کہلاتے ہیں۔ پاکستان میں ایسے زلزلے کوہِ ہندوکش کے مقام پر آتے رہتے ہیں۔ جن زلزلوں کا مرکز زمین کے اندر 70 کلومیٹر سے کم گہرائی میں ہوتا ہے وہ بہت زیادہ تباہی لاتے ہیں جیسا کہ 1935 میں کوئٹہ میں جو زلزلہ آیا تھا اس کا مرکز زمین میں 12 کلومیٹر کی گہرائی میں تھا جس کی وجہ سے سطح زمین پر چند سیکنڈ میں 50 سے 60 ہزار لوگ لقمۂ اجل بنے اور پورا کوئٹہ شہر پل بھر میں مٹی کا ڈھیر بن گیا۔ اسی طرح 8 اکتوبر 2005ء کو آزاد کشمیر اور صوبہ سرحد (حالیہ نام صوبہ خیبر پختونخوا) کے علاقوں میں آنے والے 7.6 ریکٹر اسکیل کے زلزلے کا مرکز زمین میں صرف 10 کلومیٹر کی گہرائی میں تھا جس کی وجہ سے وسیع پیمانے پر تباہی ہوئی اور ایک لاکھ کے قریب لوگ جاں بحق اور لاکھوں کی تعداد میں بے گھر ہوئے۔ 29 اکتوبر کو زیارت، بلوچستان میں آنے والے زلزلے کا مرکز زیادہ گہرائی میں تھا۔ اسی وجہ سے اس زلزلہ میں جانی اور مالی نقصان کم ہوا۔ اسی طرح 26 اکتوبر 2015ء کو ملک میں آنے والے سب سے زیادہ شدت کے زلزلہ 8.1 ریکٹر سکیل کے زلزلہ میں اگرچہ 200 سے زیادہ لوگ جاں بحق اور سینکڑوں زخمی ہوئے۔ ہزاروں لوگ بے گھر ہو گئے لیکن چونکہ اس زلزلہ کا مرکز افغانستان میں تھا اور اس کی گہرائی بھی 193 کلومیٹر تک تھی اس لیے اس سے

زیادہ نقصان نہ ہوا۔

زلزلہ ناپنے کا آلہ سیسموگراف کہلاتا ہے۔ اس آلے میں ایک سوئی ایک وزن کے ساتھ لگی ہوتی ہے اور اس کے سامنے ایک ڈرم پر کاغذ لپٹا ہوتا ہے۔ زمین میں ارتعاش آنے یا جھٹکے لگنے سے سوئی بھی ہلنے لگتی ہے اور اس ارتعاش کو دل کی ای سی جی کے گراف کی طرح ریکارڈ کرتی ہے۔ 1936ء میں ایک امریکی سائنس دان نے زلزلے سے خارج ہونے والی توانائی کا ایک پیمانہ ترتیب دیا جسے ریکٹر سکیل کہتے ہیں۔ جتنی کم توانائی خارج ہو گی اتنا ہی سوئی کم ہلے گی۔ جب بڑا زلزلہ آئے گا یعنی فالٹ پر چٹانوں کی حرکت بہت زیادہ ہو گی اور جمع شدہ دباؤ بڑی مقدار میں خارج ہو گا تو سوئی بھی بہت زیادہ ہلے گی اور ریکٹر سکیل پر اونچے درجے کا زلزلہ ریکارڈ ہو گا۔ ریکٹر سکیل پر ایک سے دس تک درج ہوتے ہیں۔ ایک ریکٹر سکیل سے 3 ریکٹر سکیل کے زلزلے بہت معمولی نوعیت کے ہوتے ہیں۔ عموماً 5 درجے کے زلزلے بھی کوئی نقصان نہیں پہنچاتے۔ پانچ سے 6 ریکٹر سکیل کے زلزلے عمارتوں کو نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ 6 سے 7 اور 8 ریکٹر سکیل کے زلزلے تباہی اور بربادی کا پیغام لاتے ہیں اور ان میں ہزاروں سے لاکھوں لوگ موت کے شکار ہوتے ہیں۔

پاکستان میں جن علاقوں میں زلزلہ آنے کا سب سے زیادہ امکان ہے وہ کوئٹہ سے افغانستان کی سرحد تک پھیلا ہوا علاقہ اور مکران کے ساحل کا علاقہ ہے جو ایرانی سرحد تک پھیلا ہوا ہے۔ دوسرے کوہِ ہندوکش سے نکلنے والے زلزلے شمالی علاقوں اور صوبہ سرحد کو متاثر کرتے ہیں۔ امریکی جیولوجیکل سروے کے مطابق 8 اکتوبر 2005ء (7.6 ریکٹر سکیل) کے زلزلہ کا مرکز کشمیر میں تھا اور یہ قیامت خیز زلزلہ اسلام آباد سے 95 کلومیٹر دور کشمیر میں 10 کلومیٹر کی گہرائی میں پیدا ہوا اور انڈین پلیٹ کے یوریشین پلیٹ کو دھکیلنے کے باعث اچھال پیدا ہونے سے برپا ہوا۔

دنیا میں زلزلوں کی تاریخ کے مطابق اب تک 8 ریکٹر سکیل سے زیادہ کے جو بڑے زلزلے آئے ہیں ان میں صرف ایک 1935ء میں کوئٹہ میں آیا جس میں پل بھر میں ہنستا بستا کوئٹہ ویران ہو گیا اور 50 ہزار سے زیادہ لوگ جاں بحق ہوئے۔

زلزلے یا طوفان ایک آزمائش کی صورت میں آتے ہیں اور یہ انسان کو اس بڑے زلزلے کی یاد دہانی کراتے ہیں کہ جب ساری کی ساری زمین ایک بہت بڑی گڑگڑاہٹ کے ساتھ ہلا دی جائے گی اور زمین اپنے سارے بوجھ نکال باہر پھینکے گی۔ اسی لیے انسان کو چاہیے کہ یہ زندگی اللہ کے احکامات اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے طریقوں کے مطابق گزارے تاکہ موت کے بعد ہمیشہ کے لیے آنے والی زندگی امن و چین اور راحت سے گزار سکے جس میں نہ کوئی طوفان ہو گا اور نہ زلزلہ۔

دنیا میں کوئی واقعہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے بغیر نہیں ہوتا اور وہ ہر حال میں اس امر پر قادر ہے کہ جب چاہے کوئی طوفان، زلزلہ، سونامی پیدا کر دے۔ قرآن کریم میں کئی جگہوں پر نافرمان قوموں اور ان پر عذابِ خداوندی کی صورت میں آنے والے طوفانوں کا ذکر ہے۔ بلوچستان کے غریب اور پس ماندہ دور دراز علاقے آواران میں 24 ستمبر کو آنے والے زلزلہ کو عذابِ الٰہی سے تعبیر کرنا کسی صورت جائز نہیں کیوں کہ زیادہ تر غریب، معصوم، بچے، بوڑھے اور پاک دامن باپردہ، باحیا اور سب سے بڑھ کر دین دار خواتین جاں بحق، زخمی یا بے گھر ہوئیں۔ متاثرہ علاقہ کی 90 فی صد سے زیادہ متاثرہ آبادی غریب اور دیہاتی لوگوں پر مشتمل ہے۔ یہ سب لوگ راسخ العقیدہ مسلمان ہیں۔ جیسا کہ ہم نے آواران کے سفر کے دوران دیکھا کہ مسجدوں میں ٹھیک ٹھاک رش تھا۔ اس زلزلے کو ایک آزمائش ضرور کہا جا سکتا ہے۔ پھر موت کا وقت، دن اور طریقہ معین ہے۔ اس کے باوجود ضروری ہے کہ اللہ سے اپنے گناہوں پر زیادہ سے زیادہ استغفار کیا جائے اور اللہ سے خیر و عافیت کی دعائیں مانگی جائیں۔ اس وقت ملک میں جو بدامنی ہے، دہشت گردی، گھیراؤ جلاؤ ہے، دہشت کی سی فضا ہے، قتل و غارت کا بازار گرم ہے، خودکش حملے اور بم دھماکے ہیں، ان سب کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ قوم نے ابھی تک اجتماعی توبہ و استغفار کی طرف کوئی توجہ نہیں کی۔ حقیقتاً یہ سب کچھ ہماری بداعمالیوں کا نتیجہ ہیں۔ آج بھی ہم اللہ سے اپنے گناہوں کی معافی۔ مانگیں اس کے احکامات کے مطابق زندگی گذاریں اور ہر شخص اپنا اپنا کام ایمان داری سے کرے تو پھر سے اپنے ملک کو جنت بنایا جا سکتا ہے۔ آیئے ہم سب مل کر عاجزی سے اللہ کے سامنے جھکیں۔ اس سے رحمت اور عافیت اور ملک کی سلامتی اور بقا کی دعائیں مانگیں۔ اللہ غفور الرحیم ہے۔ وہ ضرور ہماری التجاؤں اور دعاؤں کو شرفِ قبولیت بخشے گا۔

زمین کے شگاف، پہاڑ اور زلزلے

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایا:

ترجمہ: ''اور قسم ہے پھٹ جانے والی زمین کی'' (سورۃ الطارق 12:86)

ہماری زمین کئی تہوں پر مشتمل ہے۔ زمین کی سب سے اوپر والی سطح مٹی، پانی، آتش فشانی مادہ اور دباؤ سے تبدیل شدہ چٹانوں کی اس تلچھٹ پر مشتمل ہے جسے زمین کا چھلکا یا Crust کہا جاتا ہے۔

زمین کے اندر مرکز میں لوہے اور نکل پر مشتمل ایک ٹھوس قالب موجود ہے۔ اس قالب اور زمین کے اوپری چھلکے کے درمیان زمین کی درمیانی سطح دو حصوں پر مشتمل ہے۔ اندرونی آخری قالب کے اردگرد ایک بیرونی قالب ہے جو مائع کی صورت میں لوہے اور نکل کا ملغوبہ ہے اور جس کی موٹائی 2300 کلومیٹر ہے اور یہ زمین کی سطح کے 3000 کلومیٹر نیچے ہے۔ اس مائع تہہ اور زمین کے خول کے درمیان انگیٹھی کے کارنس کی مانند دو علیحدہ علیحدہ پرتیں ہیں۔ اوپر والی کارنس 600 کلومیٹر گہرائی تک اور نچلی کارنس 3000 کلومیٹر تک جاتی ہے۔ یہ پرت جس میں طاقتور Convection Currents بہتی ہیں جو پگھلی ہوئی چٹانوں اور زمینی خول کو آپس میں ملائے ہوئے ہے۔ یہ پگھلا ہوا ملغوبہ ایک ایسا گاڑھا مائع ہے جس کے اوپر زمین کا خول تیر رہا ہے۔ جیسے جیسے یہ خول حرکت کرتا ہے یہ مجموعی طور پر مضبوط اور کمزور دباؤ کے علاقوں میں تبدیل ہوتا رہتا ہے۔ یہ عام طور پر گہری زمینی لکیروں کی طرح ہوتے ہیں جن کے کناروں پر پہاڑوں کے سلسلے بن جاتے ہیں۔

حرارت اور مقناطیسی اثرات کے تحت زمین کے قالب اور زمینی خول کے درمیان انتہائی گرم مائع ملغوبے کے عمل سے براعظموں اور سمندروں کی تشکیل بھی ہوتی ہے۔ اس ملغوبے کے کمپیوٹر جیسے عمل کے ذریعے سے ہی زمین کی موجودہ شکل نکلتی ہے۔ پہلے پہل زمین کی براعظمی سطحیں آپس میں جڑی ہوئی تھیں۔ کنویکشن روؤں (Convection Currents) نے بحرِ اوقیانوس کے درمیان میں ایک شگاف یا کریک پیدا کیا۔ پھر یہ گڑھا دونوں جانب پھیلتا گیا اور براعظموں کو ایک دوسرے سے علیحدہ اور دور کرتا چلا گیا۔

علیحدگی کا یہ عمل پانچ کروڑ سال پہلے مکمل ہوا اور یوں ہماری زمین نے موجودہ شکل اختیار کی لیکن اب بھی بہاؤ اور علیحدگی کا عمل 5 سینٹی میٹر فی صدی کے حساب سے جاری ہے اور براعظموں کا علیحدہ کرنے والا شگاف (فشر) ابھی تک موجود ہے۔ چنانچہ ثابت ہوا زمین کی سطح کئی جگہوں سے پھٹی ہوئی یا کریک شدہ ہے۔

قرآن حکیم نے چودہ صدیاں، قبل اس عظیم عجوبے کا ذکر سورۃ طارق کی آیت نمبر 12 میں کر دیا تھا ''اور قسم ہے پھٹ جانے والی زمین کی۔''

زمین کے نقشے کو دیکھیں تو پہلا اور سب سے بڑا شگاف یعنی Mid-atlantic Ridge بحرِ اوقیانوس کے شمال میں گرین لینڈ کے مضافات سے شروع ہوتا ہے اور جنوب تک پورے اوقیانوس تک پھیل جاتا ہے۔ دوسرا زمینی شگاف شمالی اور جنوبی امریکہ کے بحرالکاہل کے ساحل کے ساتھ ساتھ چلتا ہے۔ یہ جنوبی ایشیا سے شروع ہو کر کوہِ ہمالیہ کے نیچے سے گزرتا ہوا ترکی جا پہنچتا ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت چھوٹے چھوٹے شگاف ہیں جن کی وجہ سے مختلف علاقوں سے فالٹ لائن گزرتی ہے۔ جہاں جہاں سے فالٹ لائن گزرتی ہے وہاں زلزلے آتے رہے ہیں اور آئندہ بھی ان کا امکان ہے۔ زمین کے اندر پگھلتا ہوا مادہ یا میگما اوپر کی طرف ایک کنویں کی طرف سے نکلتا ہے اور اکٹھا ہو کر ڈھیر کی صورت میں ٹھوس شکل اختیار کر لیتا ہے جس کی وجہ سے سطح زمین پر فریکچر زون بن جاتے ہیں اور یوں پہاڑی سلسلے تشکیل پاتے ہیں۔ یہ پہاڑی سلسلے فشرز کے دونوں جانب خوب صورت کنارے بن جاتے ہیں۔

اسی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے سورہ النمل میں فرمایا ''اس نے زمین میں پہاڑوں کی میخیں گاڑ دیں تا کہ زمین تم کو لے کر ڈھلک نہ جائے۔''

زمین میں شگاف کی وجہ سے فالٹ لائن بنتی ہیں۔ پلیٹوں کے ٹکرانے یا سرکنے کی وجہ سے زلزلے آتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ نے زمین میں بزبانِ قرآن جو پہاڑوں کی میخیں گاڑی ہیں وہ زلزلوں کے عمل کو معتدل کرنے کا باعث بنتی ہیں۔

پہاڑ ایک طرح سے برقی لاٹھی ہیں جو بڑے بڑے زلزلوں کو دور رکھتے ہیں۔ پہاڑوں کے بغیر لامتناہی حرکت اور زمین کے قالب میں مسلسل بہاؤ ہمیں ایک لمحے کے لیے آرام سے نہ بیٹھنے دیتے اور ہر وقت زلزلوں کا سامنا کرنا پڑتا۔ زمین پر کسی قسم کی کوئی عمارت نہ بنائی جا سکتی۔ غرضیکہ پہاڑوں کے بغیر زمین پر انسان زندگی گزارنے کے قابل نہیں ہو سکتا تھا۔ پہاڑ نہ ہوتے تو ہر وقت زمین زور زور سے ہلتی رہتی اور کبھی نہ ختم ہونے والے زلزلے آتے رہتے مگر اللہ پاک نے 1400 سو سال پہلے قرآن پاک میں فرما دیا۔

''اس نے پہاڑوں کی میخیں گاڑ دیں تا کہ زمین تم کو لے کر ڈھلک نہ جائے۔''

زمین کی محوری گردش اور زندگی

سورہ الحجر کی آیت نمبر 19 میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ترجمہ: ''ہم نے زمین کو پھیلایا ایک ڈھنگ سے اس میں ہر نوع کی شے ٹھیک ٹھیک نپی تلی مقدار کے پیدا کی ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کی اس آیت میں زمین کی ساخت اور بناوٹ کے متعلق حقیقت بیان کی ہے۔ زمین کا اپنے محور پر 23.5 ڈگری جھکاؤ ہے۔

اگر زمین کا جھکاؤ 25 ڈگری پر ہوتا تو قطبین کے سرے چند ہی سالوں میں پگھل جاتے اور دنیا کے سمندر بہتی ہوئی برف سے اٹ جاتے۔ دوسری طرف یہ جھکاؤ 22 ڈگری پر ہوتا تو قطبِ شمالی کی برف سارے یورپ کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی اور زندگی کا وجود زمین کے خطِ استوا والے حصے میں ہی ممکن ہوسکتا تھا۔ چناں چہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں اس حقیقت کو کمال صراحت سے بیان کر دیا ہے کہ اس نے زمین کو نپے تلے طریقہ سے بچھایا ہوا ہے۔

چناں چہ زمین کا ایک خاص ترتیب سے پھیلاؤ اپنے محور پر 24 گھنٹوں میں گردش کرنے سے خاص تعلق رکھتا ہے۔ اگر یہ اپنی گردش کو 30 گھنٹوں میں پورا کرتی تو اس کے نتیجے میں اس قدر تیز و تند خطرناک ہوائیں چلتیں کہ یہ زمین زندہ مخلوق کے لیے طوفان زدہ صحرا بن کر ہی رہ جاتی اور یہاں کسی قسم کی مخلوق زندگی نہ گزار سکتی۔

دوسری طرف اگر زمین اپنی گردش 20 گھنٹوں میں پورا کرتی تو زمین پر اگنے والی نباتات کی اکثریت اپنی حیاتیاتی زندگی پوری نہ کر پاتی اور اس وجہ سے زمین خشک سالی کا شکار ہو کر رہ جاتی۔

زمین کا پھیلانا اور اس کو ایک طریق یا ڈھنگ دینا تب ہی ممکن تھا جب زمین اپنے محور پر خوش اسلوبی اور ہم آہنگی کے ساتھ ایک خاص زاویے پر ایک ترتیب سے گردش کرے۔ اسی خاص تناسب کی وجہ سے زمین و آسمان کی رعنائیاں اور رونقیں قائم و دائم ہیں۔

دنیا اور پاکستان میں آنے والے بڑے زلزلے

سورۃ زلزال میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے ''جب زمین پوری شدت سے ہلا ڈالی جائے گی اور زمین اپنے اندر کے سارے بوجھ نکال کر باہر ڈال دے گی اور انسان کہے گا کہ یہ اس کو کیا ہو رہا ہے۔ اس روز وہ حالات بیان کرے گی کیوں کہ تیرے رب نے اسے حکم دیا ہوگا اس روز لوگ متفرق حالت میں پلٹیں گے تا کہ ان کو ان کے اعمال دکھائے جائیں۔''

ماہرین ارضیات کے مطابق ٹیکٹونک اور دوسری پلیٹوں کے ٹکرانے سے زلزلے آتے ہیں لیکن حقیقت میں زلزلے اور طوفان خدا کے حکم سے آتے ہیں اور اللہ کی طرف سے یہ انتباہ ہوتا ہے کہ دنیا میں بسنے والے اس بڑے زلزلے کو یاد رکھیں جب زمین پوری شدت سے ہلا ڈالی جائے گی اور یہ اپنے اندر کے سارے بوجھ نکال باہر ڈالے گی۔

گذشتہ 100 برسوں کے دوران دنیا میں 113 شدید زلزلے آئے ہیں جن میں 20 لاکھ سے زیادہ لوگ لقمۂ اجل بنے۔

دنیا اور پاکستان میں آنے والے مشہور زلزلوں کی تاریخ، جائے وقوع، ریکٹر اسکیل پر ان کی شدت اور موجود ریکارڈ کے مطابق ان میں ہونے والے جانی نقصان کی تفصیل درجِ ذیل ہے:

نمبر شمار	تاریخ	زلزلہ کی شدت ریکٹر سکیل	جہاں زلزلہ آیا	ہلاکتیں
1	19 مئی 526ء		شام	250,000
2	847ء		دمشق، شام	70,000
3	22 دسمبر 856ء	7.5	ارمغان۔ایران	200,000
4	23 مارچ 893ء		اردبیل۔ایران	150,300
5	11 اکتوبر 1138ء	8.5	الیپو۔شام	230,000
6	23 جنوری 1556ء	8.00	شانکسی۔چین	830,000
7	17 اگست 1668ء	8.0	اناطولیہ۔ترکی	8,000

8	یکم نومبر 1755	8.7	پرتگال	80,000
9	28 فروری 1780ء		ایران	200,000
10	8 مئی 1847ء	7.4	جاپان	8,300
11	16 دسمبر 1857ء	6.9	اٹلی	11,000
12	19 اپریل 1902ء	7.5	گوئٹے مالا	ہزاروں ہلاکتیں
13	4 اپریل 1905ء	8.6	کانگڑہ۔ ہماچل پردیش، بھارت	20,000
14	8 ستمبر 1905ء	7.9	اٹلی	ہزاروں ہلاکتیں
15	31 جنوری 1906ء	8.8	کولمبیا	ہزاروں افراد ہلاک
16	18 اپریل 1906ء	7.8	سان فرانسسکو	3,000
17	17 اگست 1906ء	8.2	سان فرانسسکو	20,000
18	21 اکتوبر 1906ء	8.1	سنٹرل ایشیا	ہزاروں افراد ہلاک
19	16 مارچ 1908ء	7.1	فارموسا گا	ہزاروں افراد ہلاک
20	28 دسمبر 1908ء	7.2	اٹلی	70,000
21	23 جنوری 1909ء	7.3	ایران	100,000
22	20 اکتوبر 1909ء	7.0	لورالائی	100
23	9 اگست 1912ء	7.2	کجو سہ مارا	متعدد افراد ہلاک
24	17 جنوری 1915ء	7.5	اٹلی	30,000
25	13 فروری 1918ء	7.3	چین	10,000
26	16 دسمبر 1920ء	7.9	چین	240,000
27	یکم ستمبر 1923ء	7.9	جاپان	143,000
28	16 مارچ 1925ء	7.7	چین	100,000
29	24 مارچ 1927ء	7.3	چین	متعدد افراد جاں بحق
30	22 مئی 1927ء	7.7	چین	40,000
31	یکم فروری 1929ء	8	بونیر اور ہزارہ	متعدد افراد ہلاک
32	6 مئی 1930ء	7.2	ایران	متعدد افراد ہلاک
33	25 اگست 1931ء	7.2	شاہرگ، بلوچستان	متعدد افراد ہلاک
34	2 مارچ 1932ء	8.4	جاپان	2990

35	25دسمبر1932ء	7.6	گانسو، چین	70,000
36	25اگست1933ء	7.4	چین	10,000
37	15جنوری1934ء	8.1	بھارت	10700
38	30مئی1935ء	7.5	کوئٹہ	50,000
39	25جنوری1939ء	8.3	چلی	28,000
40	26دسمبر1939ء	7.8	ترکی	32,700
41	15جنوری1944ء	7.8	ارجنٹائن	10,000
42	27نومبر1945ء	6.5	مکران	2000
43	6اکتوبر1948ء	7.3	اشک آباد، ترکمانستان	110,000
44	4جنوری1970ء	7.7	چین	15,000
45	31مئی1970	7.9	پیرو، لاطینی امریکہ	66,000
46	23دسمبر1972ء	6.3	نکاراگوا	20,000
47	1973ء	7.8	جاپان	140,000
48	28دسمبر1974ء	6.5	مالاکنڈ	5000
49	4فروری1976ء	7.5	گوئٹے مالا	23,000
50	27جولائی1976ء	7.6	چین	242,419
51	1977ء	5.8	پتن	چند افراد ہلاک
52	12ستمبر1981ء	6.0	گلگت	دو افراد ہلاک
53	29جولائی1985ء	7.1	کوہِ ہندوکش	پانچ افراد ہلاک
54	19ستمبر1985ء	8.0	میکسیکو	9500
55	7ستمبر1988ء	6.8	آرمینیا، روس	25000
56	31جنوری1991ء	6.5	(کوہِ ہندوکش) افغانستان	500
57	1989ء	6.0	کیلیفورنیا، امریکہ	63افراد ہلاک 3757زخمی
58	27فروری1993ء	7.00	ہرنائی، بلوچستان	پچاس افراد ہلاک
59	9اگست1993ء	6.00	کوہِ ہندوکش	-
60	29ستمبر1993ء	6.2	بھارت	9748
61	17جنوری1995ء	6.9	کوبے، جاپان	5502

62	17اگست1999ء	7.6	ازمیر، ترکی	17,118
63	13جنوری2001ء	7.7	بھوج، بھارت	20,085
64	3نومبر2002ء	6.5	گلگت، اسطور	70
65	20نومبر2002ء	6.4	گلگت	23
66	26دسمبر2003ء	6.6	بام، ایران	31,000
67	26دسمبر2004ء	9.3	بحرہند سونامی	224,495
68	8 اکتوبر2005ء	7.8	آزاد کشمیر، صوبہ سرحد (خیبر پختونخواہ)	1لاکھ افراد جاں بحق
69	12 مئی2008ء	8.00	سچوان، چین	65,000
70	29اکتوبر2008ء	6.7	زیارت، بلوچستان	250افراد جاں بحق
71	6دسمبر2008ء	3.6	کیلیفورنیا، امریکہ	
72	7دسمبر2008ء	5.5	مشرقی تیمور، انڈونیشیا	
73	8دسمبر2008ء	3.8	زیارت، بلوچستان	
74	9دسمبر2008ء	5.2	کوئٹہ، زیارت، بلوچستان	
75	9دسمبر2008ء	6.00	نیوزی لینڈ	
76	9دسمبر2008ء	5.7	کوئٹہ، پشین، خانوزئی	متعدد مکانات تباہ
77	10دسمبر2008ء	5.9	جزائر ونوٹو، آسٹریلیا	
78	11دسمبر2008ء	5.0	سچوان، چین	2افراد ہلاک 3زخمی
79	11دسمبر2008ء	5.5	ملاکو انڈونیشیا	
80	11دسمبر2008ء	5.7	پاپوا، انڈونیشیا	
81	15دسمبر2008ء	5.6	سماٹرا، انڈونیشیا	
82	19دسمبر2008ء	6.3	چلی	
83	19دسمبر2008ء	5.2	ملاکو، انڈونیشیا	
84	19دسمبر2008ء	5.9	پرتگال	
85	20دسمبر2008ء	5.3	ارجنٹائن	
86	20دسمبر2008ء	5.1	نیوزی لینڈ	
87	22دسمبر2008ء	5.00	آسٹریلیا	
88	22دسمبر2008ء	4.2	سوات، مینگورہ، شمالی علاقہ جات	

89	24دسمبر2008ء	6.2	ٹونگا	
90	25دسمبر2008ء	5.5	منڈاناؤ، جنوبی فلپائن	
91	25دسمبر2008ء	6.00	کراچی ساحلی علاقہ جات	
92	25دسمبر2008ء	4.7	میانمر	
93	25دسمبر2008ء	5.9	وینکوور، کینیڈا	
94	26دسمبر2008ء	4.8	ارجنٹائن	
95	29دسمبر2008ء	5.4	راولپنڈی، اسلام آباد	
96	3جنوری2009ء	3.8	بٹ گرام	
97	3جنوری2009	7.4	انڈونیشیا	5جاں بحق
98	4جنوری 2009ء	5.9	لاہور، اسلام آباد اور پشاور	ایک عورت جاں بحق اور 5زخمی
99	4جنوری2009ء	6.2	پاپوا، انڈونیشیا	4افراد جاں بحق
100	5جنوری2009ء	5.7	اسلام آباد، پشاور، چترال، مانسہرہ اور افغانستان	
101	8جنوری2009ء	6.1	کوسٹاریکا	34ہلاک، 64لاپتہ
102	9جنوری2009ء	6.1	سان جوز، کوسٹاریکا	15افراد ہلاک
103	10جنوری2009ء	3.6	کوئٹہ، پشین، زیارت	
104	15جنوری2009ء	7.4	کرل آئی لینڈ، روس	
105	11فروری2009ء	7.2	کیپولان، انڈونیشیا	
106	18فروری2009ء	7.0	جزائر کرماڈک، نیوزی لینڈ	
107	19مارچ2009ء	7.6	ٹونگا	
108	6اپریل2009ء	6.3	اٹلی	294ہلاک
109	16اپریل2009ء	5.4	افغانستان	22جاں بحق
110	28مئی2009ء	7.3	ہنڈارس	7ہلاک
111	15جولائی2009ء	7.8	جزائر نیوزی لینڈ	
112	9اگست2009ء	7.1	ایزو جزائر، جاپان	
113	10اگست2009ء	7.5	جزائر انڈیمان	
114	10اگست2009ء	6.1	ہونشو، جاپان	1ہلاک
115	2ستمبر2009ء	7.0	جاوا، انڈونیشیا	79جاں بحق

116	21 ستمبر 2009ء	6.1	بھوٹان	11 ہلاک
117	29 ستمبر 2009ء	8.1	جزائر سموا	189 ہلاک
118	30 ستمبر 2009ء	7.6	سماٹرا، انڈونیشیا	1115 جاں بحق
119	1 اکتوبر 2009ء	6.6		3 ہلاک
120	8 نومبر 2009ء	6.6	سمباوا، انڈونیشیا	2 جاں بحق
121	9 نومبر 2009ء	7.3	جزائر فجی	
122	12 جنوری 2010ء	7.0	ہیٹی	316000 ہلاک
123	26 فروری 2010ء	7.0	روکیو جزائر، جاپان	
124	27 فروری 2010ء	8.8	چلّی	525 ہلاک، 25 لاپتہ
125	27 فروری 2010ء	6.3	ارجنٹائن	2 ہلاک
126	8 مارچ 2010ء	6.1	ترکی	42 جاں بحق
127	11 مارچ 2010ء	6.9	چلّی	1 ہلاک
128	4 اپریل 2010ء	7.2	کیلی فورنیا	4 ہلاک
129	6 اپریل 2010ء	7.8	سماٹرا، انڈونیشیا	
130	13 اپریل 2010ء	6.9	یوشو، چین	2698 ہلاک، 270 لاپتہ
131	18 اپریل 2010ء	5.6	افغانستان	11 جاں بحق
132	16 جون 2010ء	7.0	پاپوا، انڈونیشیا	17 جاں بحق
133	30 جون 2010ء	6.2	میکسیکو	1 ہلاک
134	18 جولائی 2010ء	7.3	پاپوانیوگنی	
135	23 جولائی 2010ء	7.6	مِنڈاناؤ، فلپائن	
136	25 اکتوبر 2010ء	7.7	سماٹرا، انڈونیشیا	4.8 جاں بحق، 303 لاپتہ
137	3 نومبر 2010ء	5.3	سربیا	2 ہلاک
138	20 دسمبر 2010ء	6.5	ایران	11 جاں بحق
139	21 دسمبر 2010ء	7.4	جزائر بونن، جاپان	
140	18 جنوری 2011ء	7.2	دالبندین، بلوچستان	2 جاں بحق
141	21 فروری 2011ء	6.1	جزائر، نیوزی لینڈ	185 ہلاک
142	10 مارچ 2011ء	5.5	سرحد برما، چین	26 ہلاک

143	11 مارچ 2011ء	9.0	سونامی، جاپان	18,184 ہلاک، 2,668 لاپتہ
144	24 مارچ 2011ء	6.9	برما	150 ہلاک
145	3 اپریل 2011ء	6.7	جاوا	1 ہلاک
146	7 اپریل 2011ء	7.1	ہونشو، جاپان	4 ہلاک
147	11 اپریل 2011ء	7.1	فیوکوشیما، جاپان	4 ہلاک
148	11 مئی 2011ء	5.1	ترکی	9 جاں بحق
149	19 مئی 2011ء	5.8	جزائر نیوزی لینڈ	2 ہلاک
150	13 جون 2011ء	6.0	کرائسٹ چرچ، نیوزی لینڈ	1 ہلاک
151	6 جولائی 2011ء	7.6	جزائر کرماڈک، نیوزی لینڈ	
152	19 جولائی 2011ء	6.1	کرغستان	14 ہلاک
153	5 ستمبر 2011ء	6.6	سماٹرا، انڈونیشیا	10 جاں بحق
154	18 ستمبر 2011ء	6.9	سکم، نیپال	111 ہلاک
155	19 ستمبر 2011ء	5.8	گوئٹے مالا	3 ہلاک
156	23 اکتوبر 2011ء	7.1	ترکی	604 جاں بحق
157	28 اکتوبر 2011ء	6.9	پیرو	1 ہلاک
158	9 نومبر 2011ء	5.6	ترکی	40 جاں بحق
159	11 دسمبر 2011ء	6.5	میکسیکو	3 ہلاک
160	6 فروری 2012ء	6.7	فلپائن	113 ہلاک
161	11 اپریل 2012ء	8.6	سماٹرا، انڈونیشیا	10 جاں بحق
162	17 اپریل 2012ء	6.7	چلّی	1 ہلاک
163	7 مئی 2012ء	5.6	آذربائیجان	2 جاں بحق
164	20 مئی 2012ء	6.0	اٹلی	7 جاں بحق
165	22 مئی 2012ء	5.6	بلغاریہ	1 ہلاک
166	29 مئی 2012ء	5.8	اٹلی	20 جاں بحق
167	11 جون 2012ء	5.7	افغانستان	75 جاں بحق
168	24 جون 2012ء	5.5	چین	4 ہلاک
169	20 جولائی 2012ء	4.9	چین	1 ہلاک

170	25 جولائی 2012ء	6.4	انڈونیشیا	1 جاں بحق
171	11 اگست 2012ء	6.4	ایران	306 جاں بحق
172	18 اگست 2012ء	6.3	انڈونیشیا	6 جاں بحق
173	31 اگست 2012ء	7.6	فلپائن	1 ہلاک
174	5 ستمبر 2012ء	7.6	کوسٹاریکا	2 ہلاک
175	7 ستمبر 2012ء	5.6	سچوان، چین	81 ہلاک
176	7 نومبر 2012ء	7.4	گوئٹے مالا	39 ہلاک
177	11 نومبر 2012ء	6.8	برما	26 ہلاک، 12 لاپتہ
178	5 دسمبر 2012ء	5.6	ایران	8 جاں بحق، 1 لاپتہ
179	7 دسمبر 2012ء	7.3	جاپان	3 ہلاک
180	21 جنوری 2013ء	5.9	سماٹرا، انڈونیشیا	1 جاں بحق
181	30 جنوری 2013ء	6.8	چلّی	1 ہلاک
182	6 فروری 2013ء	8.0	سانتا کروز، جزائر سلیمان	13 ہلاک، 5 لاپتہ
183	9 اپریل 2013ء	6.3	جنوبی ایران	37 جاں بحق
184	16 اپریل 2013ء	7.8	ماشکیل، بلوچستان	35 جاں بحق
185	20 اپریل 2013ء	6.6	سچوان، چین	193 ہلاک، 24 لاپتہ
186	24 اپریل 2013ء	5.6	افغانستان	18 جاں بحق
187	1 مئی 2013ء	5.4	مقبوضہ کشمیر	2 جاں بحق
188	11 مئی 2013ء	6.1	جنوبی ایران	1 جاں بحق
189	2 جون 2013ء	6.2	تائیوان	4 ہلاک
190	2 جولائی 2013ء	6.1	شمالی سماٹرا، انڈونیشیا	35 جاں بحق، 8 لاپتہ
191	24 ستمبر 2013ء	7.6	آواران، بلوچستان	825 جاں بحق
192	28 ستمبر 2013ء	6.8	آواران، بلوچستان	22 جاں بحق
193	15 اکتوبر 2013ء	7.1	فلپائن	211 ہلاک، 9 لاپتہ
194	22 اکتوبر 2013ء	5.3	جنوبی سماٹرا، انڈونیشیا	1 جاں بحق
195	29 اکتوبر 2013ء	5.1	پنجگور، بلوچستان	
196	6 نومبر 2013ء	5.0	لاہور، شیخوپورہ	

197	15 نومبر 2013ء	3.7	کوئٹہ، مچھ سبی	
198	15 نومبر 2013ء	5.2	کوئٹہ، مچھ سبی	
199	22 نومبر 2013ء	4.5	چائنا، چین	
200	28 نومبر 2013ء	5.6	ایران	7 جاں بحق، 30 زخمی
201	یکم دسمبر 2013ء	6.4	انڈونیشیا	
202	8 دسمبر 2013ء	6.0	روس	
203	17 دسمبر 2013ء	6.2	شمالی میریانہ جزائر	
204	2 جنوری 2014ء	5.2	ایران	1 جاں بحق، 30 زخمی
205	یکم اپریل 2014ء	8.2	چلی	7 ہلاک
206	2 اپریل 2014ء	7.7	چلی	
207	19 اپریل 2014ء	7.5	پاپوانیوگنی	
208	23 جون 2014ء	7.9	الاسکا، امریکا	
209	یکم اگست 2014ء	5.6	الجیریا	6 ہلاک
210	3 اگست 2014ء	6.1	چین	617 ہلاک
211	5 اگست 2014ء	5.5	جنوبی افریقہ	1 ہلاک، 34 زخمی
212	18 اگست 2014ء	6.2	ایران	250 زخمی
213	28 ستمبر 2014ء	4.9	پیرو	3 ہلاک
214	14 اکتوبر 2014ء	7.3	نیکارہ گوا	1 ہلاک
215	15 اکتوبر 2014ء	5.6	ایران	4 زخمی
216	یکم نومبر 2014ء	7.1	فجی	
217	6 دسمبر 2014ء	5.5	چین	9 سالہ بچہ ہلاک، 8 زخمی
218	25 دسمبر 2014ء	3.9	بوسنیا	متعدد زخمی
219	29 مارچ 2015ء	7.5	پاپانیوگنی	
220	25 اپریل 2015ء	7.8	نیپال	8,964 ہلاک، 23 ہزار زخمی
221	12 مئی 2015ء	7.3	نیپال	218 ہلاک، 3200 زخمی
222	30 مئی 2015ء	7.8	جاپان	
223	4 جون 2015ء	6.0	ملائیشیا	18 ہلاک

224	27 جولائی 2015ء	7.0	انڈونیشیا	1 ہلاک
225	16 ستمبر 2015ء	8.3	چلی	14 ہلاک
226	26 اکتوبر 2015ء	8.1	پاکستان	300 جاں بحق
227	26 اکتوبر 2015ء	7.5	افغانستان	399 جاں بحق
228	24 نومبر 2015ء	7.6	پیرو	
229	7 دسمبر 2015ء	7.1	اسلام آباد، پشاور، کوئٹہ	
230	7 دسمبر 2015ء	7.2	تاجکستان	2 ہلاک
231	26 دسمبر 2015ء	6.7	لاہور، سوات، سرگودہا، کالام	3 جاں بحق
232	29 دسمبر 2015ء	4.7	سوات، شانگلہ، اسلام آباد	3 زخمی
233	یکم جنوری 2016ء	4.6	سوات، شانگلہ، اسلام آباد	5 زخمی
234	2 جنوری 2016ء	5.8	لاہور، ایبٹ آباد، چترال، کوہستان	1 جاں بحق 5 زخمی
235	2 جنوری 2016ء	4.6	سچوان، چین	
236	3 جنوری 2016ء	2.6	سوات، شانگلہ، بشام	1 بچہ جاں بحق
237	4 جنوری 2016ء	6.7	ہندوستان، بنگلہ دیش، بھوٹان	12 ہلاک، 200 زخمی
238	8 جنوری 2016ء	5.9	لاہور، سرگودھا، پشاور	
239	11 جنوری 2016ء	6.5	انڈونیشیا	
240	13 جنوری 2016ء	5.9	لاہور، فیصل آباد، پشاور	3 زخمی
241	14 جنوری 2016ء	6.2	جاپان	
242	20 جنوری 2016ء	5.9	چین	8 زخمی
243	25 جنوری 2016ء	6.3	مراکش	15 زخمی
244	27 جنوری 2016ء	5.2	اسلام آباد، مالاکنڈ، لوئر دیر	

جہاں زلزلے تباہی و بربادی لاتے ہیں وہاں یہ زندہ قوموں کے لیے آزمائش اور امتحان کی گھڑی ہوتے ہیں اور اس سے پتہ چلتا ہے کہ قوموں میں ایثار اور قربانی کا کتنا جذبہ ہے۔

پاکستانی قوم نے 8 اکتوبر 2005ء کے زلزلے کے بعد لازوال جذبے اور قربانی کا مظاہرہ کیا جس کی ہلکی سی جھلک 24 ستمبر 2013ء کو آواران، بلوچستان میں آنے والے زلزلے کے بعد آواران میں بھی دیکھنے کو ملی اور 26 اکتوبر 2015ء کو آنے والے زلزلے کے بعد خیبر پختونخواہ کے مختلف زلزلہ زدہ علاقوں میں بھی نظر آئی۔

ارضی وسماوی آفات

زلزلے ہیں، بجلیاں ہیں، قحط ہیں، آلام ہیں
کیسی کیسی دخترانِ مادرِ ایام ہیں

اللہ تعالیٰ بیک وقت رحیم و کریم اور قہار و جبار ہے۔ یہ کائنات اسی کی عظیم الشان ہستی کا پرتو ہے اور یہاں وقوع پذیر ہونے والے واقعات و حادثات اسی کی نشان دہی کرتے ہیں۔ جہاں لامحدود نعمتیں اور عنائتیں، جو عیاں بھی ہیں اور نہاں بھی، اس کے رحیم و کریم ہونے کی دلیل ہیں وہاں ارضی وسماوی مصائب اور آفات اس کے قہار و جبار ہونے کا پتہ دیتی ہیں۔ اسی تناظر میں خیر و شر اور جزا و سزا ایک ہی تصور کے دو جڑے ہوئے اور باہم مربوط رخ ہیں۔ کسی ایک رخ کے بغیر تصویر ادھوری اور بے معنی ہو جائے گی۔ چنانچہ کارخانۂ قدرت میں وقوع پذیر ہونے والے واقعات و حادثات ہی وہ ذریعہ (medium) ہیں جس سے وہ عظیم ذات مسلسل اور ہر لحظہ اپنا اظہار کر رہی ہے۔ تمام تر تباہی میں تعمیر کی کئی صورتیں مضمر ہوتی ہیں۔ پچھلے کئی سال سے وطنِ عزیز کو ارضی وسماوی آفات نے گھیر رکھا ہے۔ بدامنی ہے، دہشتگردی ہے، خودکش دھماکے ہیں، سیلاب ہیں، زلزلے ہیں۔ 24 اور 28 ستمبر کو بلوچستان میں زلزلے نے تباہی مچائی۔ سینکڑوں لوگ لقمۂ اجل بنے۔ ہزاروں لوگ بے گھر ہوئے۔ ستمبر کے بعد بھی زلزلے کے چھوٹے بڑے جھٹکے جاری رہے۔ ماہرینِ ارضیات کا کہنا ہے کہ بلوچستان اور آزاد کشمیر کے فالٹ لائن میں ہونے کی وجہ سے ان علاقوں میں زلزلے آنے کا امکان زیادہ ہے۔ 26 اکتوبر 2015ء کو ایک دفعہ پھر 8.1 ریکٹر اسکیل کا بڑا زلزلہ آیا جس نے پورے پاکستان کو ہلا کر رکھ دیا لیکن اس کا مرکز کوہِ ہندوکش میں زیادہ گہرائی 193 کلومیٹر ہونے کی وجہ سے اس سے وسیع پیمانے پر تباہی نہ ہوئی۔ 26 دسمبر 2015ء پھر 6.7 ریکٹر سکیل کا زلزلہ آیا۔

آیئے اب غور کریں کہ زلزلے کیوں آتے ہیں۔ ان کے پیچھے کون سی قوت کارفرما ہے اور نتیجتاً جو بے پناہ جانی و مالی زیاں ہوتا ہے اس کی زد میں اکثر و بیشتر غریب اور سادہ لوح عوام ہی کیوں آتے ہیں جب کہ خوشحال اور متمول طبقہ مقابلتاً محفوظ رہتا ہے۔ یہ اور بہت سے ایسے سوالات 2005ء کے آزاد کشمیر میں آنے والے زلزلے اور 26 اکتوبر 2015ء کے زلزلے کے بعد اٹھائے گئے۔ ان سوالوں کے جواب کی تلاش سے

پہلے یہ ذہن نشین کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ کائنات کی تخلیق کے ساتھ جب آدمی زمین پر نمودار ہوا تو اس نے اپنے گرد و پیش کا جائزہ لینا شروع کر دیا یعنی ابتدائے آفرینش سے ہی انسان نے کائناتی نظام کی ماہیئت کو جاننے کی کاوش شروع کر دی۔ خالقِ کائنات نے تجسس اور تحقیق کے جذبے کو انسان کی فطرت میں سمو دیا اور اسے علم کی دولت سے نوازا کہ وہ اس نظام کی کارکردگی کو سمجھنے کی کوشش کرے اور تخلیقِ کائنات کے رازوں سے پردہ اٹھائے۔ مشیتِ ایزدی شاید یہ تھی کہ انسان کائنات کے راز بتدریج پانے کے ساتھ ساتھ نہ صرف اپنے خالق کو پہچانے بلکہ امرِ ربی کے سامنے سرِ تسلیم خم کر کے سربسجود ہو جائے۔ دراصل تجسس و تحقیق ہی وہ منبع پائے ہیں جہاں سے ہدایت و ایمان کے چشمے پھوٹتے ہیں۔ اگر یہ اسرار آغاز سے موجود ہی نہ ہوتے تو کون اور کس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرف بڑھ کر اس کو پہچاننے کی کوشش کرتا؟

آج اکیسویں صدی میں انسان نے سائنس اور علوم و فنون میں جو اوجِ کمال حاصل کیا ہے اس کی وساطت سے زمین و آسمان کے بہت سے رازوں سے پردہ اٹھایا ہے اس کا منطقی نتیجہ تو یہ ہونا چاہیے تھا کہ انسان کا ذاتِ باری پر ایمان پختہ سے پختہ تر ہوتا لیکن یہ ایک بہت بڑا المیہ ہے کہ آج کا انسان اپنی طاقت و قوت کے زعم میں کفر و الحاد کی طرف زیادہ مائل نظر آتا ہے۔ حالانکہ یہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ بہت کچھ جان چکنے کے بعد بھی بہت کچھ انسان کی فہم و فراست سے ماورا ہے۔ اگر کائنات کے تمام رازوں سے پردہ اٹھ چکا ہوتا تو شاید تخلیقِ آدم کا مقصد بھی تکمیل پذیر ہو چکا ہوتا مگر ایسا نہیں ہے اور نہ ایسا ہونا کبھی ممکن ہوگا۔ اگر ایسا ممکن ہوتا اور نظامِ کائنات کے تمام اسرار بے نقاب ہو جاتے تو انسان کو رو پذیر ہونے والے تمام واقعات کا پہلے سے علم ہو جاتا۔ نتیجتاً یہ نظام صرف میکانی (mechanical) حیثیت تک محدود ہو کر رہ جاتا اور اس طرح زندگی اور تمام کائناتی نظام بے مقصد ہو کر رہ جاتا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ہم نے یہ سب کچھ بے مقصد پیدا نہیں کیا۔

آج کا ستاروں پر کمنڈ ڈالنے والا انسان اس بات کی کوئی حتمی توضیح پیش نہیں کر سکا کہ زلزلے کیوں آتے ہیں، حالانکہ اس کی بہت سی وضاحتیں ممکن ہیں۔ سائنس کی رو سے زمین کی ساخت ایسی ہے کہ اس میں ردوبدل اور توڑ پھوڑ کا عمل ہمہ وقت جاری رہتا ہے اور ان عوامل کا نتیجہ زلزلوں کی صورت میں ظہور پذیر ہوتا ہے جو بے پناہ تباہی کا سامان اپنے ہمراہ لاتے ہیں۔ اس امر کی بھی ایک سے زیادہ تاویلیں ممکن ہیں۔ سب سے بڑی تاویل تو یہ ہے کہ جب انسان راہِ حق سے بھٹک جاتا ہے تو راہِ راست پر لانے کے لیے اسے جھنجھوڑا جاتا ہے تاکہ وہ سنبھل جائے اور جس خوابِ غفلت میں وہ ڈوبتا جا رہا ہے اس سے بیدار ہو جائے۔

زمیں کو فراغت نہیں زلزلوں سے
نمایاں ہیں فطرت کے باریک اشارے

زلزلے کی پیش گوئی

کائنات وحیات کے کئی رموز وحقائق ابھی سربستہ راز ہیں۔ جوں جوں انسان کا علم بڑھتا جائے گا، اس پر ان حقائق کے راز منکشف ہوتے چلے جائیں گے۔ اسی مناسبت سے انسان اپنی بساط کے مطابق زلزلوں کو سمجھنے کی تگ ودو میں مصروف ہے اور زلزلے آنے کی وجوہات سے کسی حد تک واقف ہو چکا ہے۔ یہ بھی جان چکا ہے کہ بڑے بڑے زلزلوں کے امکانی علاقہ جات کون کون سے ہیں۔ البتہ ابھی تک زلزلوں کے آنے کے اوقات کا پہلے سے تعین کر لینا ممکن نہیں ہو سکا۔ جہاں انسان ابھی تک زلزلے کے بارے میں صحیح پیش گوئی کرنے سے قاصر ہے وہاں تحقیقات سے یہ بات پتہ چلی ہے کہ جانوروں کو زلزلہ کی آمد کا پہلے سے پتہ چل جاتا ہے۔ اس سلسلے میں چین میں سانپوں پر تحقیق ہو رہی ہے جس سے پتہ چلا ہے کہ زلزلہ سے پہلے سانپوں کے رویہ میں تبدیلی آتی ہے اور وہ اپنی جگہ چھوڑنے کی کوشش کرتے ہیں۔ زلزلے کی لہریں زیرِ زمین چٹانوں میں رونما ہونے لگتی ہیں جس سے زمین کے مقناطیسی میدان میں ہلکا سا ردوبدل پیدا ہوتا ہے۔ انسانی حس ان تمام کیفیات کو محسوس کرنے سے قاصر ہے لیکن جانور اس قدر حساس ہوتے ہیں کہ زلزلے سے پہلے زمین کے نیچے چٹانوں میں ہونے والی ٹوٹ پھوٹ یا پلیٹوں کے ٹکراؤ کو محسوس کر لیتے ہیں جب کہ انسان کی قوتِ سماعت بہت محدود ہے۔ انسان ایک ہزار چکر فی سیکنڈ کی لہروں کو سن یا محسوس کر سکتا ہے۔ اس کے برعکس کتے، بلیاں اور دوسرے جانور 60 ہزار چکر فی سیکنڈ آواز سننے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ چوہے، چمگادڑ، وہیل، ڈولفن ایک لاکھ چکر فی سیکنڈ کی آواز سن سکتے ہیں۔ بچپن میں دادی اماں بتایا کرتی تھیں کہ ایک بہت بڑا بیل ہے جس نے اپنے بڑے بڑے سینگوں پر زمین کو اٹھایا ہوا ہے۔ بیل چلتا رہتا ہے۔ گھومتا رہتا ہے اور کبھی رکتا نہیں۔ جب کبھی اسے اونگھ یا نیند کا تھوڑا سا غلبہ ہوتا ہے زمین اس کے سینگوں سے سرکنے لگتی ہے مگر وہ جلد ہی دوبارہ اس کو سنبھال لیتا ہے۔ زمین کے اس سرکنے کو ''زلزلہ'' یا ''بھونچال'' کہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے زمین وآسمان، سمندر، دریا، چاند، سورج، ستارے اور سیارے ایک خاص نظام کے تحت چل رہے ہیں۔ جب بھی اللہ کے حکم سے اس نظام میں ایک لمحے کے لیے بھی تعطل یا ارتعاش پیدا ہوتا ہے تو ایک ہنگامہ برپا ہو جاتا ہے۔ کہیں یہ ہنگامہ تباہ کن زلزلے کی صورت میں بپا ہوتا ہے اور کہیں سونامی یا

طوفان کی صورت میں مگر یہ سب اللہ کے حکم سے ہوتا ہے۔صوبہ سرحد اور آزاد کشمیر کے کئی مکینوں نے بتایا کہ 8 اکتوبر کے زلزلے کے دن صبح ہی سے جانور بہت بے قرار تھے اور آسمان کی طرف منہ کر کے عجیب وغریب آوازیں نکال رہے تھے اور کئی جانور اور پرندے اپنے اپنے علاقوں سے ہجرت کر گئے تھے۔26 اکتوبر 2015ء کو زلزلے کے دوران آسمان پر پرندوں کی کثیر تعداد موجود تھی جو ایک طرف اُڑی جا رہے تھے اور انہوں نے آسمان سر پہ اُٹھایا ہوا تھا۔اس طرح اللہ تعالیٰ اپنے بعض نیک بندوں کو خواب میں اس کی اطلاع کر دیتے ہیں۔ جیسا کہ ایک دوست نے بتایا کہ زلزلہ کے دنوں میں ایک تبلیغی جماعت باغ میں کام کر رہی تھی جس کے امیر کو خواب میں نظر آیا کہ وہ اپنی جماعت کو لے کر کھلے میدان میں چلا جائے۔ پوری جماعت فجر کے بعد کھلے میدان میں جا کر ذکر میں مصروف رہی اور اس وجہ سے زلزلہ سے بچ گئی۔اسی طرح اسلام آباد کے ہسپتال میں تعینات فارماسسٹ گل نرگس سے بات ہوئی جن کا دعویٰ ہے کہ انہیں زلزلے کی آمد کا پہلے سے پتہ چل جاتا ہے اور انہوں نے حال ہی میں آنے والے کئی زلزلوں کی پہلے سے پیشن گوئی کی ہے۔آواران میں بھی لوگوں نے بتایا کہ زلزلے سے پہلے مکمل اندھیرا چھا گیا تھا اور پرندے بالکل غائب ہوگئے تھے۔ دنیا بھر کے سائنس دان انتہائی ترقی اور جدید آلات کے باوجود زلزلوں کی بالکل صحیح پیش گوئی نہیں کر سکتے۔اس سلسلے میں تحقیقات جاری ہیں اور انھی تحقیقات کی روشنی میں کئی دفعہ سائنس دان زلزلے کی کامیابی سے پیش گوئی کر چکے ہیں۔ پاکستان میں ایک دفعہ 1996ء میں تربیلا ڈیم کے قریب آنے والے زلزلے کی کامیابی سے کی پیش گوئی کی گئی۔چین میں 1976ء میں 7.6 ریکٹر سکیل کے زلزلے کی بالکل صحیح یعنی گھنٹوں اور منٹوں تک درست پیش گوئی کی گئی جس کی وجہ سے زلزلہ سے چند گھنٹے پہلے سارا شہر خالی کرا لیا گیا اور مکمل شہر تباہ ہونے کے باوجود صرف بیس افراد ہلاک ہوئے۔

پاکستان ایسے علاقے میں واقع ہے جہاں انتہائی شدید زلزلے آتے رہے ہیں اور آتے رہیں گے۔ 8 اکتوبر 2008ء کا زلزلہ 10 کلومیٹر کی گہرائی کا زلزلہ تھا۔یہی وجہ ہے کہ یہ پاکستان کی تاریخ کا شدید ترین زلزلہ تھا۔ یہ۔زلزلہ ایم بی ٹی کے فالٹ کا مظفر آباد، بالاکوٹ اور وادی نیلم میں اکٹھا ہونے کی وجہ سے آیا اور اس کی وجہ سے کچھ دوسرے فالٹ ایریا بھی متاثر ہوئے۔ زلزلہ پلیٹوں کے ٹکرانے سے آتا ہے اور پلیٹوں کے ٹکرانے کا یہ عمل اللہ کی مرضی سے ہوتا ہے۔

سائنسی علم کے مطابق دوران گردش یہ پلیٹیں ایک دوسری کے قریب بھی آتی ہیں اور ایک دوسری سے ہٹ بھی رہی ہیں۔دور ہٹنے والی پلیٹیں نیا Sea Floor بنا رہی ہیں اور سی فلور کے اوپر سے 2 تین کلومیٹر اونچے پہاڑ بن رہے ہیں۔ پاکستان میں کئی جگہوں پر فالٹ لائن گزرتی ہے۔سب سے بڑی دراڑ یا ''فالٹ'' چمن کے

مقام پر ہے جو آٹھ سو سے نو سو کلو میٹر تک لمبی ہے۔ اسی طرح شمالی علاقوں میں بھی بے شمار فالٹ ہیں، جو کہ دونوں پلیٹوں کے ٹکراؤ سے مین باؤنڈری پر پیدا ہوئی ہیں، اس کا مرکز اسلام آباد تک ہے۔ چمن میں بڑی فالٹ لائن ہونے کی وجہ سے بلوچستان کے علاقے زیارت، پشین، ماشکیل، آواران اور خضدار چھوٹے بڑے زلزلوں سے متاثر ہوتے رہتے ہیں۔

نیشنل ارتھ کوئیک انفارمیشن سینٹر کے مطابق ہر سال اوسطاً درمیانی 3 لاکھ زلزلے آتے ہیں لیکن ان میں سے 12 ہزار سے 14 ہزار زلزلے ریکارڈ کیے جاتے ہیں۔ 8 ریکٹر سکیل کے زلزلے کا ایک سال میں صرف ایک دفعہ آنے کا امکان ہوتا ہے۔ تحقیقات کے مطابق سال میں اوسطاً درمیانی اور زیادہ شدت کے 18 زلزلے آتے ہیں۔ 6 ریکٹر سکیل کے اوسطاً فی سال زلزلوں کا تخمینہ 120 لگایا گیا ہے۔ 3 سے 1 ریکٹر سکیل کے زلزلوں کی اوسط تعداد روزانہ 9 ہزار کے قریب ہوتی ہے۔ جیسا کہ 29 اکتوبر 2008ء کو بلوچستان میں آنے والے زلزلہ کے بعد 24 دسمبر 2008ء تک 2 سے 5.5 ریکٹر سکیل تک کے 1500 سے زیادہ زلزلے ریکارڈ کیے جا چکے ہیں۔ 24 ستمبر 2013ء کے بعد آواران اور بلوچستان کے دوسرے علاقوں میں 20 سے زیادہ زلزلے آئے ہیں جن میں 28 ستمبر کو آنے والا زلزلہ 6.7 ریکٹر سکیل کا تھا جس نے نوکجو میں کافی تباہی مچائی۔ 26 اکتوبر 2015ء کو آنے والے 8.1 ریکٹر اسکیل کے زلزلے کے بعد اب تک (فروری 2016) 178 سے زیادہ کم اور زیادہ شدت کے زلزلے ریکارڈ کیے جا چکے ہیں۔

زلزلوں کے آنے کا صحیح علم صرف اللہ کی ذات کو ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات اور احسن التقویم بنایا۔ انسان کائنات کے سربستہ راز سلجھانے کی جستجو میں لگا رہتا ہے اور لگا ہوا ہے۔ دنیا بھر میں سائنس دان اس بات کی سرتوڑ کوشش کر رہے ہیں کہ زلزلے کے بارے میں صحیح پیش گوئی کی جا سکے لیکن جدید تحقیقات کے باوجود اب تک یقین سے نہیں کہا جا سکتا ہے کہ زلزلہ کا طوفان کب آئے گا؟ بڑے زلزلے اچانک آتے ہیں اور پل بھر میں لاکھوں انسانوں کو موت کی نیند سلا دیتے ہیں۔ ارضی سائنس دانوں نے اپنی تحقیقات کی بنا پر ان علاقوں کا تعین ضرور کیا ہے جہاں سے زلزلہ جاتی فالٹ لائن گزرتی ہے۔ جیسا کہ آج کل اسلام آباد، پشاور اور راول پنڈی سے گزرنے والی فالٹ لائن کے علاقوں میں دباؤ بڑھ رہا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ایک دوسری تھیوری یہ ہے کہ کم شدت کے زلزلے آنے سے بڑے زلزلے آنے کا سلسلہ ''رول بیک'' ہو سکتا ہے۔ اس لیے کم شدت کے زلزلے کے جھٹکے لگنے کا عمل بند ہونا زیادہ خطرناک ہے۔ ان حالات کے پیشِ نظر ضروری ہے کہ پورے ملک میں بالعموم اور فالٹ لائن کے علاقوں میں بالخصوص بڑی عمارتوں اور پلازوں میں ردوبدل کیا جائے۔ بلڈنگ کوڈ پر سختی سے عمل درآمد کرایا جائے۔ نئی عمارتیں زلزلہ پروف بنائی جائیں اور ایسی

تمام عمارتوں کا سروے کیا جائے جو 26 اکتوبر 2015ء کے زلزلے سے متاثر ہوئی ہوں ورنہ سانحہ سندر جیسے سانحے دوبارہ رونما ہو سکتے ہیں۔ سانحہ سندر میں زلزلے سے متاثرہ چار منزلہ عمارت زمین بوس ہوئی۔ جس میں 150 سے زائد جانوں کا ضیاع ہوا۔ اسلام آباد اور لاہور میں فوری طور پر جدید آلات سے لیس جدید ترین ارتھ کوئیک انفارمیشن سینٹر قائم کیا جائے۔ اگرچہ زلزلے کی پیشین گوئی نہیں کی جا سکتی لیکن قدرتی آفات سے ہونے والے جانی اور مالی نقصان کو کسی قدر کم تو ضرور کیا جا سکتا ہے۔

یہ تمام جائزہ لینے کے بعد حاصلِ کلام یہ نکلا کہ انسانی عقل اپنی محدودیت کے باعث کائنات کے نظام پر مکمل طور پر دسترس پانے سے قاصر ہے۔ زلزلوں کے جھٹکے قیامت کے بڑے جھٹکے کا پرتو ہیں۔ زلزلے کے آنے کی پیشین گوئی ممکن ہے، نہ قیامت کی گھڑی کی آمد کی۔ زلزلے کی آمد کے وقت کا تعین بھی قدرت کرتی ہے۔ جب انسان معصیت میں حد سے تجاوز کر جاتا ہے تو وہ لمحہ آناً فاناً آ جاتا ہے مگر یہ طے ہے کہ آنکھ جھپکنے سے بھی کم وقفے میں سارا حصہ تمام ہو جاتا ہے۔ اس صورت حال کو دیکھتے ہوئے بے ساختہ زبان پر یہی آتا ہے کہ جو خواب دیکھا تو یار آخر خدا کی باتیں خدا ہی جانے، اہلِ بصیرت کے لیے یہ گلشنِ ہستی کھیل تماشے کا میدان نہیں، عزت اور توبہ و استغفار کا مقام ہے لہٰذا اس نگار خانے میں بس اتنا جان لینا ہی کافی ہے کہ

قُلزُمِ ہستی سے تو ابھرا ہے مانندِ حباب
اس زیاں خانے میں تیرا امتحاں ہے زندگی

زلزلہ کے دوران حفاظتی اقدامات

26 اکتوبر 2015ء کو آنے والے زلزلہ نے زمین کو ہلا کر رکھ دیا۔ سات منزلہ عمارت میں کھلبلی مچ گئی۔ عجیب نفسانفسی کا عالم تھا۔ کوئی لفٹ کی طرف بھاگ رہا ہے تو کوئی سیڑھیوں کی تلاش میں ہے۔ پل بھر میں سارا دفتر گراؤنڈ فلور پر جمع ہو گیا۔ شاہد کی غیر حاضری نے سب کو متفکر کر دیا۔ کچھ دیر باہر گزار کے سب لوگ اپنے اپنے دفتر پہنچے تو شاہد سکون سے اپنے دفتر میں بیٹھا اپنے کام میں مصروف تھا۔ سب نے حیران ہو کر پوچھا: آپ کو زلزلے کا پتہ نہیں چلا۔ ''بالکل پتہ چلا۔ بس میں سکون سے اپنی جگہ بیٹھا اللہ کا ذکر کرتا رہا۔'' پورے ملک میں 26 دسمبر 2015ء کو رات 12 بجے کے بعد 6.7 ریکٹر سکیل کا زلزلہ آیا۔ اِسی وقت سے لے کر بدستور چھوٹے چھوٹے زلزلے آ رہے ہیں اور ماہرین کے مطابق یہ سب کسی بہت بڑے زلزلے آنے کا پیش خیمہ ہے۔ 2006ء میں پاکستان ٹی وی میں انٹرویو دیتے ہوئے اچانک فلور پر لگے ہوئے سیٹ اچانک تھرتھرانے لگے۔ سارے ساتھی پتہ لگنے کے باوجود اطمینان سے اپنا کام کرتے رہے۔ اِسی دوران ٹی وی پر خبر چل رہی تھی کہ ابھی ابھی زلزلہ آیا ہے۔

زلزلوں کی تاریخ بہت پرانی ہے اور ابتدائے آفرینش سے لے کر اب تک مختلف درجے کے لاکھوں زلزلے آ چکے ہیں اور ان میں لاکھوں افراد لقمۂ اجل بنے۔ زلزلے کے دوران میں سب سے زیادہ ضروری یہ ہے کہ بندہ اپنے اوسان بحال رکھے۔ اس حقیقت کو ذہن نشین رکھنا چاہیے کہ زلزلہ کے جھٹکے اصل میں زمین کے اندر پیدا ہونے والا طاقت ور ارتعاش ہوتا ہے جو ایک منٹ سے بھی کم عرصہ میں ساکن ہو جاتا ہے۔ زیادہ تر صورتوں میں اس ارتعاش کا دورانیہ 5 سے دس سیکنڈ کا ہوتا ہے۔ اس ارتعاش کے دوران آدمی سکون کے ساتھ اپنے اوسان بحال رکھ کر نہ صرف خود بچ سکتا ہے بلکہ زلزلہ کے دوران زخمی ہونے والے دوسرے لوگوں کی بھی مدد کر سکتا ہے۔

زلزلے کے دوران اگر کسی پارک، کھلے میدان یا کھلی سڑک پر گاڑی میں ہیں تو بالکل گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ اطمینان سے اپنی جگہ بیٹھے رہیں اور جھٹکے ختم ہونے کا انتظار کریں۔ اگر آپ کسی کمرے میں ہیں اور کمرے سے نکلنے کا وقت نہیں تو فوری طور پر کسی میز، کرسی، چارپائی کے نیچے چلے جائیں اور جتنی جلد ہو کمرہ سے نکلنے کا انتظام کریں۔ ہر بڑے زلزلے کے بعد زلزلے کے چھوٹے چھوٹے جھٹکے آتے رہتے ہیں جنھیں آفٹر

شاکس کا نام دیا جاتا ہے۔ اس لیے بڑے زلزلے کے فوراً بعد تمام احتیاطی تدابیر کو ملحوظِ خاطر رکھنا چاہیے، اور فوری طور پر ایمرجنسی اقدامات کے لیے اپنے آپ کو تیار کر لینا چاہیے۔

24 ستمبر 2013ء کو آواران بلوچستان میں پہلا زلزلہ شام ساڑھے چار بجے آیا۔ لوگ گھروں سے باہر نکل آئے۔ جو باہر نکل نہ سکے وہ ملبے کے ڈھیر میں زندہ دفن ہو گئے۔ رات کے وقت ''نوک جو'' کے علاقے میں آنے والے زلزلے میں بھی کئی لوگ جان سے ہاتھ دھو بیٹھے اور پورا شہر ملبے کا ڈھیر بن گیا۔ 26 اکتوبر 2015ء کا 8.1 ریکٹر سکیل کا زلزلہ دوپہر کے وقت آیا جبکہ 26 دسمبر 2015ء کا 6.7 ریکٹر سکیل کا زلزلہ رات کے وقت آیا۔ چونکہ ان دونوں زلزلوں کا مرکز گہرائی میں تھا۔ اس لیے زیادہ نقصان نہ ہوا۔ زلزلے کے جھٹکے لگنے شروع ہوں تو فوری طور پر گھر سے باہر نکل جانا چاہیے اور کچھ گھنٹے گھر یا دفتر میں داخل نہ ہوں۔ زلزلے کے دوران اکثر دیکھا گیا ہے کہ زلزلے کے پہلے جھٹکے کے دوران جو لوگ گھروں سے باہر رہے اور بعد میں انھوں نے کچھ دیر انتظار کیا وہ دوسرے جھٹکے کے اثرات سے بچ جاتے ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ زلزلے کے پہلے جھٹکے کے بعد کچھ دیر انتظار کیا جائے اور گھروں سے باہر رہا جائے۔ اس کے دوران میں اگر آپ کسی تنگ گلی سے گزر رہے ہوں یا کسی عمارت کے سامنے ہوں تو فوراً وہاں سے نکل کر کھلی جگہ پر آ جائیں۔

زلزلے کے علاوہ زندگی میں ہر قدم، ہر موڑ اور ہر لمحہ حادثات کے امکانات ہوتے ہیں۔ چوں کہ زلزلہ اور دوسرے حادثات کی قبل از وقت پیش گوئی نہیں کی جاسکتی اس لیے اس دوران ابتدائی طبی امداد کی اہمیت سب سے زیادہ ہے۔ گھر میں فرسٹ ایڈ بکس (ابتدائی طبی امداد کا سامان) موجود ہونا سب سے ضروری ہے تاکہ زلزلہ کے دوران زخمی ہونے، جل جانے، ہڈی ٹوٹنے یا بے ہوش ہونے کی صورت میں مریض کو ابتدائی طبی امداد دے کر جلدی سے ہسپتال پہنچایا جا سکے۔ زلزلوں کے دوران میں گیس پائپ پھٹنے، چولھے الٹنے یا لیک کرنے سے گھروں یا دفتروں میں آگ لگنے کا احتمال ہوتا ہے اس لیے ضروری ہے کہ گھروں اور دفتروں میں آگ بجھانے کے آلات نصب کیے جائیں اور گھروں میں گیس لیک ہونے کی نشان دہی ہونے پر فوراً اسے بند کرنے کا بندوبست کیا جائے۔

گھروں اور دفتروں میں مندرجہ ذیل حفاظتی اقدامات کر کے زلزلہ سے ہونے والے نقصانات سے بچا جا سکتا ہے:

1- زلزلہ کے دوران بالکل پُرسکون رہیں اور اگر آپ کسی بڑی عمارت میں ہیں اور اس سے نکلنے کا موقع نہیں مل رہا تو فوری طور پر کسی میز، کرسی، چارپائی کے نیچے یا مضبوط ستون کے ساتھ پناہ لیں۔

2- کثیر المنزلہ عمارتوں میں موجود ہونے کی صورت میں زلزلے کے پہلے جھٹکے کے دوران اپنی جگہ پر

پُرسکون رہیں اور افراتفری کے عالم میں سیڑھیوں سے نہ اتریں۔ لفٹ کا استعمال بالکل نہ کریں کیوں کہ زلزلہ کے دوران بجلی منقطع ہونے یا کوئی اور مکینیکل خرابی سے لفٹ بند ہو کر مصیبت کا باعث بن سکتی ہے۔

3- ہر گھر اور دفتر میں ابتدائی طبی امداد کا فرسٹ ایڈ بکس ہونا بہت ضروری ہے۔ گھر میں کم از کم ایک فرد اور دفتر میں دو تین افراد کو ابتدائی طبی امداد کے بارے میں تربیت یافتہ ہونا چاہیے۔ آج کل زلزلوں کے علاوہ دہشت گردی اور بم دھماکوں کے واقعات میں اضافے کے بعد ابتدائی طبی امداد کی اہمیت اور بھی بڑھ گئی ہے۔ زلزلوں اور حادثات کے دوران ابتدائی طبی امداد دے کر بہت سی جانیں بچائی جاسکتی ہیں۔

4- ضروری ہے کہ ہر گھر اور دفتر میں آگ بجھانے کے آلات نصب کیے جائیں۔

5- گھر میں ایک دو جگہ پر ایمرجنسی لائٹ، ماچس، ٹارچ وغیرہ رکھنا ضروری ہے تاکہ ایمرجنسی میں ان کا استعمال کیا جاسکے۔

6- گھروں اور دفتروں میں ریفریجریٹر، بڑی الماریاں، سیف وغیرہ اونچی جگہوں پر نہ رکھیں کیوں کہ ان کے گرنے سے نقصان ہوسکتا ہے۔

7- حکومتی سطح پر ضروری ہے کہ سکولوں اور کالجوں کے نصاب میں ''حادثات سے بچاؤ'' کے متعلق مواد بھی شامل کیا جائے اور طلباء کو اس کی عملی تربیت دی جائے۔ شہروں اور محلوں میں یونین کونسل کی سطح پر ''حادثات سے بچاؤ'' کے متعلق سیمینار کروائے جائیں اور اس سلسلے میں عوام الناس کی عملی تربیت کا بندوبست کیا جائے۔

8- 8 اکتوبر 2005ء اور اس کے بعد مختلف اوقات میں ملک میں آنے والے زلزلوں کے بعد اس بات کا شدت سے احساس ہو رہا ہے کہ ہمارے ملک میں قومی سطح پر حادثات سے نپٹنے کے خاطر خواہ انتظامات نہیں ہیں اس لیے ضروری ہے کہ قومی سطح پر بالعموم اور فالٹ لائن کے علاقوں آزاد کشمیر، خیبر پختون خوا، کوئٹہ اور زیارت وغیرہ میں بالخصوص تربیت یافتہ افراد اور ایمرجنسی میں کام آنے والے جدید آلات، گاڑیوں، ایمبولینسوں، کرینوں وغیرہ سے لیس ایک خصوصی ٹاسک فورس بنائی جائے۔ اس ٹاسک فورس کی تربیت ملکی سطح پر بھی کی جائے اور غیر ملکی ماہرین سے بھی ان کی تربیت کا اہتمام کروایا جائے تاکہ کسی بھی قدرتی آفت کے دوران فوری اقدام کر کے جانی و مالی نقصانات سے بچا جاسکے۔

9۔ زلزلوں کے علاوہ ملک کے مختلف علاقوں میں دہشت گردی اور حادثات کے دوران مختلف جگہوں پر

لگنے والی آگ فوری طور پر بجھانے میں ناکامی اور اس کے نتیجے میں ہونے والے قیمتی جانی اور مالی نقصان سے اس بات کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ ہمارے پاس قدرتی آفات سے نمٹنے کا کوئی خاطر خواہ انتظام نہیں۔ کچھ عرصہ پہلے نوشہرہ میں چھاؤنی کے علاقے میں ایک بیکری میں خودکش دھماکہ ہوا۔ محکمۂ شہری دفاع (سول ڈیفنس) کی آگ بجھانے والی گاڑی آدھا گھنٹہ بعد پہنچی۔ مزید آدھا گھنٹہ پانی کا پائپ ٹھیک کرنے میں لگ گیا اور جب پانی ڈالنے والا پائپ ٹھیک ہوا تو پتہ چلا کہ گاڑی میں پانی ہی نہیں ہے۔ اندر لوگ آگ میں جلتے رہے اور اِس طرح بغیر کسی مدد کے 19 لوگ جاں بحق ہوئے۔ اِس وقت ملک میں ریسکیو 1122 اچھا کام کر رہی ہے مگر اس کے پاس نہ صرف جدید آلات کی کمی ہے بلکہ فائر فائٹرز کی پوری تربیت بھی نہیں ہوئی۔ اسی وجہ سے ریسکیو 1122 کے کچھ فائر فائٹرز دوسروں کو بچاتے ہوئے خود جامِ شہادت نوش کر کے ریسکیو 1122 کے تمام اہل کاروں کے لیے بالخصوص اور پوری قوم کے لیے بالعموم ایک مثال قائم کر گئے اور یہ پیغام دے گئے کہ آفت زدگان کی مدد کرتے وقت اپنی جان کی بھی پروا نہیں کرنا چاہیے۔ اکتوبر 2005ء کے بعد قومی سطح پر نیشنل ڈیزاسٹر مینجمنٹ اتھارٹی (NDMA) ضرور بنائی گئی لیکن اتنے سال گزر جانے کے بعد اور مختلف اوقات میں بڑے بڑے زلزلے اور حادثات کے باوجود NDMA نے کوئی قابلِ ذکر کردار ادا نہیں کیا اس لیے اس امر کی شدید ضرورت ہے کہ فوری طور پر قدرتی آفات سے ہونے والے نقصانات سے بچنے کے لیے قومی، صوبائی اور ضلع کی سطح پر فعال ادارے بنائے جائیں۔ ہر شہر میں بڑے بڑے پلازوں کا سروے کروا کر مالکان کو پابند کیا جائے کہ وہ اس میں آگ بجھانے کے آلات کے علاوہ ہر منزل پر ہنگامی حالات میں نکلنے کے لیے مناسب بندوبست کریں۔ اس کے علاوہ ہر نئی عمارت یا پلازے کے لیے اس وقت تک این او سی (NOC) نہ جاری کیا جائے جب تک اس میں مختلف حادثات کے دوران ایمرجنسی کی صورتِ حال سے نمٹنے کے لیے خاطر خواہ انتظامات نہ ہوں۔ کالجوں اور یونیورسٹیوں میں قدرتی آفات سے نپٹنے کے بارے میں سپیشل کورسز کروائیں جائیں اور اس کو نصاب کا حصّہ بنایا جائے۔

-10 ہر بڑے حکومتی، پرائیویٹ یا سیمی گورنمنٹ ادارے کو جہاں 50 سے زیادہ لوگ کام کرتے ہوں اس بات کا پابند بنایا جائے کہ وہ اپنے ادارے میں جدید آلات سے لیس ایک ایمرجنسی روم قائم کرے اور یہاں تربیت یافتہ افراد ہر وقت موجود ہوں تاکہ کسی بھی ایمرجنسی کی صورت میں فوری کارروائی کر کے جانی اور مالی نقصان سے بچا جا سکے۔

زلزلہ زدہ علاقوں میں پھُوٹنے/ پھیلنے/ پیدا ہونے والی بیماریاں اوران سے بچاؤ

یہ حسن اتفاق ہے کہ 1935ء سے لے کر 2015ء تک آنے والے تمام زلزلے سردیوں کے موسم میں آئے۔ صرف آواران میں آنے والا زلزلہ گرمیوں کے موسم میں آیا۔ آج کل چترال اور شانگلہ میں زلزلہ سے متاثرہ علاقوں میں سردی میں اضافہ ہورہا ہے اور درجہ حرارت نقطۂ انجماد سے بھی نیچے آچکا ہے۔ جس کی وجہ سے خاص طور پر چھوٹے بچوں میں سینے کا انفیکشن، نمونیہ اور سانس کی دوسری بیماریاں پھیلنے کا خدشہ ہے۔ زلزلہ کے بعد آفٹر شاکس کا سلسلہ بھی جاری ہے۔ چھوٹے درجے سے لے کر درمیانے درجے کے زلزلوں کے آنے کا سلسلہ زلزلے کے تین ماہ بعد بھی جاری ہے۔

مکانات کے گرنے سے ملبے میں دب جانے کے باعث زخمی ہو جانے کے علاوہ زلزلہ سے متاثرہ علاقوں میں پیدا ہونے والی بیماریوں کو مندرجہ ذیل اقسام میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

1۔ معمولی نوعیت کی بیماریاں 2۔ نفسیاتی امراض

3۔ وبائی امراض

زلزلہ کے فوراً بعد سب سے اہم مرحلہ ریسکیو کا ہوتا ہے جس میں ملبے میں دبے ہوئے افراد کو نکال کر انھیں ابتدائی طبی امداد دے کر ہسپتال بھیجا جاتا ہے۔ 8 اکتوبر 2005ء اور 26 اکتوبر 2015ء کے زلزلہ کے بعد پنجاب سے امدادی ٹیمیں زلزلہ زدہ علاقوں میں پہنچیں اور انھوں نے رات گئے زخمیوں کو ملبے سے نکالا۔ ان کی مرہم پٹی کی ۔ جن لوگوں کی ہڈیاں ٹوٹی ہوئی تھی، انھیں فوری طور پر ہسپتال پہنچایا اور نعشوں کے دفنانے کا بندوبست کیا گیا۔ زلزلہ میں ہزاروں افراد زخمی ہوئے جنھیں مختلف ہسپتالوں میں منتقل کیا گیا۔ ہمارے میڈیکل کیمپوں میں بھی بعض زخمی افراد لائے گئے جن کی فوری مرہم پٹی کی گئی۔ کچھ افراد ملبے تلے دب جانے کی وجہ سے جسم میں دردوں کی شکایت کے ساتھ آئے، جن کا فوری علاج کیا گیا۔

سردی کی شدت میں بتدریج اضافے کی وجہ سے زلزلہ زدہ علاقوں میں متاثرہ افراد سینے کے امراض

مثلاً انفیکشن، دمہ اور نمونیہ وغیرہ میں مبتلا ہو رہے ہیں۔ خارش کا مرض بھی پھیل رہا ہے۔ زیادہ لوگ پیٹ کے امراض میں مبتلا ہیں۔ ہمارے میڈیکل کیمپوں میں ننھے منے پیارے خوب صورت سرخ گالوں والے بچے زیادہ تر سینے کے امراض میں مبتلا نظر آئے۔ سردی کی شدت میں اضافے کی وجہ سے بچوں میں نمونیہ کا مرض ہونے کا خدشہ ہے۔ بعض چھوٹے بچے اور کئی بڑے ٹی بی کے جان لیوا مرض میں مبتلا بھی چیک اپ کے لیے آئے۔ اس کے علاوہ کئی بچے اور بڑے جلدی بیماریوں اور خارش میں مبتلا تھے۔ کسٹمز ہیلتھ کیئر سوسائٹی کی ٹیموں کو 26 اکتوبر 2015ء کے زلزلہ کے فوراً بعد زلزلہ زدہ علاقوں میں کام کرنے کا موقع ملا۔ وہاں بھی یہ مرض عام تھے۔ اسی تجربہ کے باعث ان امراض کی وافر ادویات ساتھ لے کر گئے تھے جو متاثرہ بچوں اور بڑوں کو دی گئیں۔

زلزلہ زدہ علاقوں میں صفائی کے مناسب انتظامات نہ ہونے اور صاف پانی کے حصول میں مشکل کے باعث کئی وبائی امراض مثلاً ڈائریا، ٹائیفائیڈ، جلدی انفیکشن وغیرہ کے پھوٹنے کا بڑا خدشہ ہوتا ہے۔ ہمارے میڈیکل کیمپ میں بہت سے بچے لائے گئے جو ڈائریا کی وجہ سے بیمار تھے ایسے بچوں کے لیے نمکول کی وافر مقدار ساتھ لے کر گئے تھے۔ اس سے بچوں میں ڈائریا کے مرض میں خاطر خواہ کمی ہوئی۔ زلزلہ زدہ علاقوں کی اکثر عورتیں جسم میں درد، کمر میں درد، خون کی کمی، گردوں میں درد اور سانس پھولنے کی تکالیف میں مبتلا ہیں۔ خوراک کی کمی اور کمزوری کے باوجود عورتیں بغیر وقفے کے بچے پیدا کرتی ہیں جس کی وجہ سے 20 سال کی شادی شدہ لڑکی 40 سالہ عورت لگتی ہے۔

26 اکتوبر 2015ء کے زلزلہ کے بعد باقاعدگی سے آفٹر شاکس اور چھوٹے بڑے زلزلوں کا سلسلہ جاری رہا ہے اور اب تک 50 سے زیادہ چھوٹے اور بڑے درجے کے زلزلے آفٹر شاکس کی صورت میں رونما ہو چکے ہیں۔ اس وجہ سے خوف و ہراس کی فضا پائی جاتی ہے۔ عدم تحفظ اور خطرے کے احساس کی وجہ سے چھوٹے بچوں میں بالخصوص اور بڑوں میں بالعموم جسمانی اور نفسیاتی بیماریاں پیدا ہو رہی ہیں۔ چھوٹے بچے خواب میں اکثر ڈر جاتے ہیں۔ بعض بچے خوف کے مارے بات نہیں کرتے۔ ایسے چھوٹے بچوں کو دیکھنے کا موقعہ ملا جو زلزلے سے پہلے ٹھیک ٹھاک بھاگتے دوڑتے تھے لیکن اب ڈر اور خوف کے باعث صحیح طرح کھڑے بھی نہیں ہو سکتے۔ بعض نے چلنے پھرنے سے انکار کر دیا ہے۔ ان کے ماں باپ پریشان ہیں کہ کہیں مستقل معذور نہ ہو جائیں۔ متاثرین کو ہر وقت زلزلہ آنے اور اس میں جاں بحق ہونے کا خوف دامن گیر رہتا ہے۔ جن لوگوں کے رشتہ دار یا قریبی عزیز 26 اکتوبر کے زلزلہ میں جاں بحق ہوئے ان کی ذہنی اور نفسیاتی حالت سب سے زیادہ خراب ہے۔ جب بھی کسی ایسے متاثرہ فرد سے ملنے کا موقع ملا وہ خلاؤں میں گھورتا اپنے پیاروں کی یاد میں گم نظر آیا۔ ان سب بچوں اور بڑوں کو بہت زیادہ توجہ، محبت اور پیار کی ضرورت ہے۔ بھرپور توجہ اور پیار سے

ان کے تمام مسائل حل ہو سکتے ہیں۔ اس وقت متاثرین کا سب سے بنیادی مسئلہ یہ ہے کہ انھیں چھت مہیا کی جائے۔ ان کے پکے گھر بنوائے جائیں۔ زلزلہ کے دوران ہونے والے جانی و مالی نقصان کے ساتھ اس سے متاثرہ لوگوں کا روزگار بھی ختم ہو جاتا ہے۔ ابتدائی دن تو ریلیف کے ساتھ جیسے تیسے گزر جاتا ہے۔ مگر جوں جوں وقت گزرتا ہے معاشی حالات کی وجہ سے پریشانیوں میں اضافہ ہوتا ہے جس کی وجہ سے نفسیاتی مسائل پیدا ہوتے ہیں اور اکثر زلزلہ متاثرین ذہنی پریشانی، سر میں درد، نیند نہ آنا، بھوک میں کمی، وزن میں کمی وغیرہ کی علامات کے ساتھ میڈیکل کیمپوں میں آتے ہیں اور اپنا دکھڑا اور حالِ دل بیان کرتے ہیں۔ زلزلہ زدگان کے ساتھ بات کرنے سے۔ ان کی تکلیف کو سمجھنے اور اس کے مداوا کی کوششوں سے ان کے اعتماد میں اضافہ ہوتا ہے اور متاثرہ افراد کی بحالی میں سب سے اہم اور نازک مرحلہ ایسے افراد کی فوری بحالی ہے جو زلزلہ میں ہونے والے جانی اور مالی نقصان کی وجہ سے نفسیاتی عوارض میں مبتلا ہو گئے ہوں کیوں کہ جسمانی بیماری یا چوٹ کا علاج تو آسانی سے ہو جاتا ہے لیکن دل و دماغ پر لگنے والے زخم بڑی دیر سے مندمل ہوتے ہیں۔ نفسیاتی مسائل میں مبتلا امراض کے مکمل علاج کے لیے حکومتی اور سماجی سطح پر فوری اور مستقل اقدامات کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ حکومتی سطح پر زلزلے اور قدرتی آفات سے متاثرہ افراد کی بحالی کے لیے سپیشل سینٹرز بنائے جائیں جہاں متاثرہ افراد کو زندگی کی تمام سہولتیں مہیا کی جائیں اور جلد سے جلد ان کے لیے مناسب روزگار کا بندوبست کیا جائے تا کہ ہمارے یہ دکھی بہن بھائی پھر سے زندگی کے دھارے میں شامل ہو کر نارمل زندگی گزارنے کے قابل ہو سکیں۔ کسٹمز ہیلتھ کیئر سوسائٹی نے متاثرہ علاقوں میں بھرپور طریقے سے بحالی کا کام شروع کر دیا ہے۔ چترال کے زلزلہ زدہ علاقوں کے مکانوں کی تعمیر شروع کر دی گئی ہے۔ کسٹمز ہیلتھ کیئر سوسائٹی کے شعبۂ تعمیرات کے انچارج اسرار احمد زندگی اور شفقت رضوان گزشتہ کئی ماہ سے زلزلہ زدہ علاقوں میں موجود ہیں اور صبح و شام زلزلہ زدگان میں امدادی اشیاء کی تقسیم اور ان کے لیے خوب صورت پکے گھر بنانے میں مصروف ہیں۔